مناظرِ قدرت

حصہ اول

مرتبہ

محمد الیاس برنی

زیرِ نگرانی

مسلم احمد نظامی ایم، اے

ناشر

کتب خانہ نذیریہ مسلم منزل کھاری باؤلی دہلی

قیمت دو روپے ۲۵ نئے پیسے

فہرست مضامین

ہر جلی عنوان سے ایک نیا مضمون شروع ہوتا ہے اور اُس کے تحت ہیں مضامین متجانسہ ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نورِ ظہور کا وقت

وہ صبح اور وہ چھاؤں ستاروں کی اور وہ نور ۔۔۔۔ دیکھے تو غش کرے ارنی گوئے اوجِ طور
پیدا گلوں سے قدرتِ اللہ کا ظہور ۔۔۔۔ وہ جا بجا درختوں پہ تسبیح خواں طیور
گلشن خجل تھے وادیِ مینو اساس سے
جنگل تھا سب بسا ہوا پھولوں کی باس سے
ٹھنڈی ہوا میں سبزۂ صحرا کی وہ لہک ۔۔۔۔ شرماتے جس سے اطلسِ زنگاریِ فلک

وہ جھومنا درختوں کا پھولوں کی وہ مہک — ہر برگِ گُل پہ قطرۂ شبنم کی وہ چمک
ہیرے خجل تھے گوہرِ یکتا نثار تھے
پتے بھی ہر شجر کے جواہر نگار تھے

وہ نور اور وہ دشت سہانا سا وہ فضا — دُرّاج و کبک و تیہو و طاؤس کی صدا
وہ جوشِ گُل وہ نالۂ مرغانِ خوش نوا — سردی جگر کو بخشتی تھی صبح کی ہوا
پھولوں سے سبز سبز شجر سُرخ پوش تھے
تھالے بھی نخل کے سبدِ گُل فروش تھے

وہ دشت وہ نسیم کے جھونکے وہ سبزہ زار — پھولوں پہ جا بجا وہ گہر ہائے آبدار
اُٹھنا وہ جھوم جھوم کے شاخوں کا بار بار — بالائے نخل ایک جو بلبل تو گُل ہزار
خواہاں تھے زہرِ گلشنِ زہرا جو آب کے
شبنم نے بھر دیے تھے کٹورے گلاب کے

وہ قمریوں کا چار طرف سرو کے ہجوم — کوکو کا شور نالۂ حق سرہ کی دھوم
سبحان ربنا کی صدا تھی علی العموم — جاری تھے وہ جو ان کی عبادت کے تھے رسوم
کچھ گُل فقط نہ کرتے تھے اپنے خدا کی مدح
ہر خار کو بھی نوکِ زباں تھی خدا کی مدح

(انیس)

۲- نمودِ صبح

طے کر چکا جو منزلِ شب کاروانِ صبح ہونے لگا اُفق سے ہویدا نشانِ صبح
گردوں سے کوچ کرنے لگے اخترانِ صبح ہر سو ہوئی بلند صدائے نوانِ صبح

پنہاں نظر سے روئے شبِ تار ہو گیا
عالم تمام مطلعِ انوار ہو گیا

یوں گلشنِ فلک سے ستارے ہوئے رواں چنتے چمن سے پھولوں کو جس طرح باغباں
آئی بہار میں گُلِ مہتاب پر خزاں مُرجھا کے گر گئے ثمرِ شاخِ کہکشاں

دکھلائے طور بادِ سحر نے سموم کے
پژمُردہ ہو کے رہ گئے غنچے نجوم کے

چھُپنا وہ ماہتاب کا وہ نُور کا ظہور یادِ خدا میں زمزمہ پردازیِ طیور
وہ رونق اور وہ سرد ہوا وہ فضا وہ نور خنکی ہو جس سے چشم کو اور قلب کو سرور

انساں زمیں پہ محو ملک آسمان پر
جاری تھا ذکر قدرتِ حق ہر زبان پر

وہ سُرخی شفق کی اِدھر چرخ پر بہار وہ بارور درخت وہ صحرا وہ سبزہ زار
شبنم کے وہ گلوں پہ گہرہائے آبدار پھولوں سے سب بھرا ہوا دامانِ کوہسار

نافے کھلے ہوئے وہ گلوں کی شمیم کے
آتے تھے سرد سرد وہ جھونکے نسیم کے

(انیسؔ)

۳- عبادتِ صبح

کیفیتِ وجد میں ہے بلبل — ہے وقتِ نزولِ مصحفِ گل
سبزہ ہے کنارِ آبِ جو پر — یا خضر ہے مستعد وضو پر
نوبت ہے صدائے قمریاں کی — تیاری ہے باغ میں اذاں کی
محوِ تکبیر فاختہ ہے — قد قامتِ سروِ دلربا ہے
اک شاخ رکوع میں رکی ہے — اور دوسری سجدے میں جھکی ہے
سوسن کی زباں پہ مناجات — جاری لبِ جو پہ التحیات
پھیلی ہوئی بوئے گل چمن میں — اور صلِ علیٰ کا غل چمن میں
غنچے میں ہے خامشی کا عالم — یا صوم سکوت میں ہے مریم
کیاری ہر اک اعتکاف میں ہے — اور آبِ رواں طواف میں ہے
سالک ہے چمن میں نہرِ موزوں — مجذوب ہے شاخِ بیدِ مجنوں
ہے صوفیِ صاف دل صنوبر — تحریکِ نسیم حالت آور
سجادہ بدوش لالہ گیسو — گیسو شبِ زندہ دار شب بو

ہے استغراق نیلوفر کو — پاسِ انفاس ہے سحر کو
ہر شمع خموش فکر میں ہے — ہر طائرِ شوخ ذکر میں ہے
وحدت ہے چمن میں مغز تا پوست
صادق ہے بہار پر ہمہ اوست

(محسنؔ کاکوروی)

۴۔ نمازِ چمن

بہار آئی کھلے گل زیبِ صحنِ بوستاں ہو کر — عنادل نے مچائی دھوم سرگرمِ فغاں ہو کر
بچھا فرشِ زمرد اہتمامِ سبزۂ تر میں — چلی مستانہ وش بادِ صبا عنبر فشاں ہو کر
عروجِ نشۂ نشو و نما سے ڈالیاں جھومیں — ترانے گائے مرغانِ چمن نے شادماں ہو کر
بلائیں شاخِ گل کی لیں نسیمِ صبح گاہی نے — ہوئیں کلیاں شگفتہ روئے رنگینِ بتاں ہو کر
جوانانِ چمن نے اپنا اپنا رنگ دکھلایا — کسی نے یاسمن ہو کر کسی نے ارغواں ہو کر
کیا پھولوں نے شبنم سے وضو صحنِ گلستاں میں — صدائے نغمۂ بلبل اٹھی بانگِ اذاں ہو کر
ہوائے شوق میں شاخیں جھکیں خالق کے سجدے کو — ہوئی تسبیح میں مصروف ہر پتی زباں ہو کر
زبانِ برگِ گل نے کی دعا رنگیں عبارت میں
خدا سرسبز رکھے اس چمن کو مہرباں ہو کر

(اکبر الٰہ آبادی)

۵- صبحِ چمن

وہ جلوہ گریٔ مہرِ پُر نور
تاریکیٔ شب ہو جس سے کافور

آغازِ سپیدۂ سحر کا
فق ہونا وہ چہرۂ قمر کا

وہ رنگِ شفق افق سے پیدا
ہر تختۂ گل کا جس پہ دھوکا

وہ بادِ نسیم دھیمی دھیمی
وہ موجِ شمیم بھینی بھینی

ہر اک نہالِ باغ گل پوش
پھرتی ہے ہوا چمن میں مدہوش

قدرت کی یہ ہے شگوفہ کاری
کرتے ہیں طیور حمدِ باری

ہر شاخِ چمن ہری بھری ہے
گویا کہ چمن نہیں پری ہے

بادِ سحری وہ عطر آگیں
سرگوشیٔ غنچہ ہائے رنگیں

سبزہ وہ چمن میں دھانی دھانی
وہ خندۂ گل وہ رت سہانی

نافہ ہے ختن کا ہر شگوفہ
ہے مشک فشاں ہر اک بوٹا

شبنم سے بھرا ہے لالۂ تر
لبریز ہے یا کہ جامِ احمر

وہ آہوئے دشت محوِ جولاں
وہ فرطِ طرب سے مور رقصاں

ہر سمت طیور ہیں ثنا خواں
اشجار ہیں حمدِ حق میں جنباں

(ذاکر)

۶- نسیم سحر

ہونے کو صبح آئی تو ٹھنڈی ہوا چلی کیا دھیمی دھیمی چال سے یہ خوش ادا چلی
لہرا دیا ہے کھیت کو ہلتی ہیں بالیاں پودے بھی جھومتے ہیں لچکتی ہیں ڈالیاں
کچھ نو اریوں میں تازہ شگوفے کھلا چلی
سویا ہوا تھا سبزہ اسے تو جگا چلی

(اسمٰعیل)

۷- لطفِ سحر

وہ دن کے تڑکے سر در کا وقت وہ لطفِ سحر وہ نور کا وقت
آہستہ نسیم کا وہ چلنا سورج کا وہ آڑے نکلنا
شفاف وہ آبِ جو چمن کی بھینی بھینی وہ بو چمن کی
منہ پھولوں کے دھو گئی ہے شبنم سبزے کو بھگو گئی ہے شبنم
نوکوں پہ جو قطرے تھم گئے ہیں دانے موتی کے جم گئے ہیں
کلیوں سے لکیر سی ہویدا کچھ قصدِ تبسم اُن سے پیدا
دل کو جو لبھایا رنگ و بُو نے
ادھر کشش یہ دی ہے تو نے

(شوق قدوائی)

۸۔ صبح کی آمد

خبر دن کے آنے کی میں لا رہی ہوں
اُجالا زمانہ میں پھیلا رہی ہوں
بہار اپنی مشرق سے دکھلا رہی ہوں
پکارے گلے صاف چلّا رہی ہوں
اٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

میں سب کار تہوار کے ساتھ آئی
میں رفتار گفتار کے ساتھ آئی
میں باجوں کی جھنکار کے ساتھ آئی
میں چڑیوں کی چہکار کے ساتھ آئی
اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

اذاں پر اذاں مرغ دینے لگا ہے
خوشی سے ہر اک جانور بولتا ہے
درختوں کے اوپر عجب چہچہا ہے
سہانا ہے وقت اور ٹھنڈی ہوا ہے
اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

یہ چڑیاں جو پیڑوں پہ ہیں غل مچاتی
اِدھر سے اُدھر اُڑ کے ہیں آتی جاتی
دموں کو ہلاتی پروں کو پھُلاتی
مری آمد آمد کے ہیں گیت گاتی
اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

جو طوطے نے باغوں میں ٹیں ٹیں مچائی
تو بلبل بھی گلشن میں ہے چہچہائی
اور اونچی منڈیروں پہ شاماں بھی گائی
میں سو سو طرح دے رہی ہوں دہائی
اٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

ہر اک باغ کو میں نے مہکا دیا ہے
نسیم صبا کو بھی لہکا دیا ہے
چمن سرخ پھولوں سے دہکا دیا ہے
مگر نیند نے تم کو بہکا دیا ہے

اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

ہوئی مجھ سے رونق پہاڑ اور بن میں
ہر اک ملک میں دیس میں اور وطن میں
کھلاتی ہوئی پھول آئی چمن میں
بجھاتی چلی شمع کو انجمن میں

اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

جو اس وقت جنگل کی بوٹی جڑی ہے
سو وہ نولکھا ہار پہنے کھڑی ہے
عجب یہ سماں ہے عجب یہ گھڑی ہے
کہ پچھلے کی ٹھنڈک سے شبنم پڑی ہے

اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

ہرن چونک اُٹھے چوکڑی بھر رہے ہیں
کلولیں ہر اک کھیت میں کر رہے ہیں
ندی کے کنارے کھڑے چر رہے ہیں
غرض میرے جلوے پہ سب مر رہے ہیں

اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

میں تاروں کی چھاؤں آن پہنچی یہاں تک
زمیں سے ہے جلوہ مرا آسماں تک
مجھے پاؤ گے دیکھتے ہو جہاں تک
کرو گے بھلا کاہلی تم کہاں تک

اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

پجاری کو مندر کے میں نے جگایا
مؤذن کو مسجد کے میں نے اٹھایا
بھٹکتے مسافر کو رستہ بتایا
اندھیرا گھٹایا اُجالا بڑھایا

اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

لدے قافلوں کے بھی منزل سے ڈیرے
کسانوں کے ہل چل پڑے منہ اندھیرے
چلے جال کندھوں پہ لے کر مچھیرے
دلدر ہوتے دُور آنے سے میرے

اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

بگل اور طنبور سنکھ اور نوبت
بجانے لگے اپنی اپنی سہی گت
چلی توپ بھی دن کی حضرت سلامت
نہیں خوب غفلت نہیں خوب غفلت

اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

وہشیار رہو جاؤ اور آنکھ کھولو
نہ لو کروٹیں اور نہ بستر ٹٹولو
خدا کو کرو یاد اور منھ سے بولو
بس اب خیر سے اُٹھ کے منھ ہاتھ دھولو

اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

(اسمٰعیل)

۹۔ ترانۂ بیداری

جاگو جاگو پیارے جاگو
میری آنکھ کے تارے جاگو
جاگو جاگیں چڑیاں کب کی
بیت چکی ہیں گھڑیاں کب کی
شمع بجھادی بادِ صبا نے
کلی کھلادی بادِ سحر نے
مسجد میں آوازِ اذاں ہے
گوشۂ مشرق نور فشاں ہے

چھیڑی بھیرویں مرغِ سحر کی
سنتے ہو آواز گجر کی

شبنم موتی وار رہی ہے
منہ پر چھینٹے مار رہی ہے

گونجتے ہیں زنبور کنول پر
سورج کا ہے نور کنول پر

چمکا مہرِ عالم آرا
بدلا اُجالے سے اندھیارا

آنکھیں کھولو آنکھیں کھولو
جاگو پیارے نہا لو دھو لو

(فلک)

۱۰۔ ترانۂ بیداری

وقت سحر ہے سونے والو
دھیان کدھر ہے سونے والو

جاگو نیند کے اے متوالو
لطفِ سحر کو کھونے والو

جاگ اُٹھا ہے پتہ پتہ
غفلت کیسی سونا کیسا

بادِ سحر کے جھونکے آئے
نکہت تر کے جھونکے آئے

جاگو پہلو بدل کر دیکھو
اُٹھو آنکھیں مل کر دیکھو

صلِ علیٰ یہ نور کا عالم
ہر ذرے پر طور کا عالم

تازہ نوا مرغانِ چمن ہیں
نغمے جن کے جانِ چمن ہیں

میٹھی بولی بول رہے ہیں　　اُڑنے کو پر کھول رہے ہیں
وجد میں ہیں سب آنے جانے　　حمدِ خدا کے گیت ہیں گاتے
گلشن میں جو نہر ہے جاری　　کرتی ہے سجدہ خالق باری
نخل کھڑے ہیں سر کو جھکا کر　　دست دُعا شاخوں نے اُٹھائے

محوِ یادِ خدا ہے سبزہ　　سر بسجود پڑا ہے سبزہ
شاخ پہ بلبل زمزمہ خواں ہے　　خاک پہ سنبل سجدہ کناں ہے

جاگو یادِ خدا کی گھڑی ہے
وقتِ نماز دُعا کی گھڑی ہے

شورِ اُٹھا ناقوس و اذاں کا　　وقت نہیں یہ خوابِ گراں کا
عابد شیخ برہمن جاگے　　جانب مسجد مندر بھاگے
عارف زاہد اور پجاری　　نیند نہیں ہے جن کو پیاری
نیند سے پیاری یادِ خدا ہے　　یادِ خدا میں جن کو مزا ہے

محفلِ راز میں جا کر بیٹھے
دل کو جہاں سے اُٹھا کر بیٹھے

کیونکہ یہ عالم دارِ فنا ہے　　اس میں سدا کب کوئی رہا ہے
تو ہے مسافر اس دُنیا میں　　جیسے رہرو اُترے سرا میں
وقت سحر گر رہرو سوئے　　غفلت میں گر وقت کو کھوئے

چلنے سے ہو گر وہ غافل کھوٹی کرے گا اپنی منزل
تجھ کو بھی در پیش سفر ہے
جاگ اُٹھو جاگ اُٹھو وقت سحر ہے

(محمد دوم)

۱۱۔ بندرابن کی صبح

آثار عیاں ہوئے صبح کے سامان ہونے لگے سفر کے
ہل چل میں ہے کاروانِ انجم مغرب کو چلا نشانِ انجم
وہ شب کا سیاہ شامیانہ اب لے کے قمر ہوا روانہ
تارے سب ایک ایک کر کے
آگے پیچھے چلے قمر کے
مشرق میں ہے نور ہلکا ہلکا ظلمت کا ظہور ہلکا ہلکا
صبح بن کر عروس تازہ آئی مل کر شفق کا غازہ
آئی اور کس ادا سے آئی شانوں پر کاکلیں ہلائی
چہرہ اس کا وہ یعنی خورشید بے پردہ حد سے حسرتِ دید
ہر چیز کو پر تو سحر سے
قدرت نے رنگا ہے رنگ زر سے

جمنا ابھی خواب سے اٹھی ہے — پیدا بشرے سے تازگی ہے
کرنیں جمنا سے کھیلتی ہیں — ظلمت کو پرے دھکیلتی ہیں
ہے محوِ خرامِ ناز جمنا — عشاق کی دل نواز جمنا
ساحل پہ دوب، دوب پر اوس — مخمل تو ہے دوب اور گہر اوس
جمنا کا لباس مخملی ہے — اور موتیوں سے لدی کھڑی ہے
جنگل کے وہ پھول آہ خود رو — بھینی بھینی وہ اُن کی خوشبو
دھیمے دھیمے صبا کے جھونکے — اندازِ خرام وہ گلوں کے
طائر ہر سمت نغمہ زن ہیں — یہ مطربِ محفلِ چمن ہیں
ہر چند ہے دل پذیر جمنا — کب دل کو مگر یہاں ہے تمنا
جمنا سے نہیں ہے کام ہم کو — ہے ذوقِ لقائے شام ہم کو

مل جاتے ہمیں کہیں کنہیا
آرامِ دلِ حزیں کنہیا

(محروم)

۱۲۔ طلوعِ آفتاب

صبحدم دروازۂ خاور کھلا — مہرِ عالم تاب کا منظر کھلا
خسروِ انجم کے آیا صرف میں — شب کو تھا گنجینۂ گوہر کھلا

وہ بھی تھی اک سیمیا کی سی نمود — صبح کو رازِ مہ و اختر کھلا
ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ — دیتے ہیں دھوکا یہ بازیگر کھلا
سطحِ گردوں پہ پڑا تھا رات کو — موتیوں کا ہر طرف زیور کھلا

صبح آیا جانبِ مشرق نظر
اک نگارِ آتشیں رخ سر کھلا

(غالب)

۱۳- خوشا وقتِ شام

خدا کی نظر آ رہی شان ہے — سہانا سا اک سبز میدان ہے
ہوا سے جو سبزہ ہے لہرا رہا — تو ہے دیکھنے سے مزہ آ رہا
ہری گھاس وہ لہلہاتی ہوئی — ہوا لوٹ کر لہر کھاتی ہوئی
کوئی دل جو مٹی میں ہے رل گیا — تو ایک آدھ گل ہے کہیں کھل گیا
وہیں ایک پہلو میں تالاب ہے — کہ دن دھوپ اور رات مہتاب ہے
یہ سبزی اُسی کے سہارے پہ ہے — درختوں کا جھرمٹ کنارے پہ ہے
لب آب جو ہیں شجر جھومتے — وہ ہیں جھک کے پانی کا منہ چومتے
سماں آج کل ہے گا برسات کا — مزہ دن کا ہے لطف ہے رات کا
درخت اک جگہ جو ہیں چھائے ہوئے — ہوادار بنگلے بنائے ہوئے

تو اک چھوٹے لڑکے نے واں آن کر
جگہ خوب موقع کی پہچان کر

رکھا سامنے اپنے جزدان ہے
ورق پر لگائے ہوئے دھیان ہے

بہت لکھنے پڑھنے کا ہی ذوق ہے
یہی ذوق اُسے ہے یہی شوق ہے

خدا جانے ہے ہاتھ میں کیا کتاب
کہ اس میں ہے ڈوبا ہوا ہی درآب

اور آتی ہے جوں جوں سیاہی شام
وہ شوقین لڑکا بذوقِ تمام

جھکا جاتا ہے اس طرح غور سے
کہ کاغذ میں کیڑا ہو جس طور سے

نظر اس کی جب ترمرانے لگی
سیہ شام سُرمہ اُڑانے لگی

بہت بیٹھا بیٹھا جو تھا تھک گیا
اک انگڑائی لے کر وہ لڑکا اُٹھا

ملا کر بہم چھوٹے چھوٹے سے ہاتھ
لے چہرہ پر لطفِ محنت کے ساتھ

رکھا پھر کتابوں کو جزدان میں
کھیلنے لگا آ کے میدان میں

لگی ٹھنڈی ٹھنڈی جو تن پر ہوا
حواس اُس کے آئے ٹھکانے ذرا

تھے دن کے تھکے ماندے جو جانور
وہ اپنے مقاموں پہ سب آن کر

بہم مل کے آوازیں دینے لگے
بسیرے درختوں پہ لینے لگے

وہ مِل جُل کے آپس میں تھے بولتے
کہ اپنی خوشی آوازیاں بولتے

درختوں پہ چڑیوں کی چوں چوں تھی
جو سمجھو تو پھر یاد بچوں کو ہو

جو سبزے میں جھینگر تھے برسات کے
دیے چھیڑ اُنہوں نے بھی سُر رات کے

کئی غول طوطوں کے جھنکارتے — گئے سبز سبز ایسے پر مارتے
تھا لڑکا بھی حیراں یہ کیا ہو گیا — کہ میداں کا سبزہ ہوا ہو گیا
کیا خاتمہ دن کا جب شام نے — تو لی گھر کی راہ اس خوش انجام نے
اِدھر اور اُدھر کو نظر ڈالتا — چلا جاتا تھا دیکھتا بھالتا
کہ کچھ گائیں بھینسیں ملی راہ میں — پھریں کھیت سے گھر کی تھیں چاہ میں
ٹپکتی خوشی صورتِ حال سے — عجب جا رہی تھیں لٹک چال سے
بھرے دودھ سے تھن لٹکتے ہوئے — کہ مشکیزے جیسے چھلکتے ہوئے
کئی ساتھ ساتھ اُن کے گوسالے تھے — کہ ماؤں نے تھن کے تلے پالے تھے
اور اک گلہ باں پیچھے آتا ہوا — تھا الغوزہ اپنا بجاتا ہوا
ملی راہ میں اُس کو کچھ بکریاں — اور اک بوک بکرا رواں درمیاں
وہ دن دودھ نہائی تھیں پوتوں پھلی — کہ دن بھر تھیں چر چگ کے گھر کو چلی
پھلدا سے بچے اُچھلتے ہوئے — تھے اٹکھیلیوں سے مچلتے ہوئے

محبت سے ممیاتا جاتا کوئی
بہت تھک کے ماں کو بلاتا کوئی

وہ لڑکا جو پہنچا یہ نزدیک شہر — نظر آئی یاں اور بھی لہر بہر
دکانوں پہ روشن سراسر چراغ — چراغوں نے گویا لگائے تھے باغ
جو دولت کی نیچے دکانوں پہ ہے — کچھ اس سے سوا بالا خانوں پہ ہے

دکھاتی جو ہیں روشنی دُور سے
اُڑی جاتی ہیں کھڑکیاں نور سے

تصاویر و نقشوں سے گلزار گھر
طرحدار کمرے ہوادار گھر

کہیں مل کے بیٹھے ہیں کوٹھے پہ یار
کہے شعر خوانی ہر گاہ ہے ستار

غزل ریختے کی ہے گاتا کوئی
ہے گاتا کوئی اور بجاتا کوئی

لطیفوں پہ اُڑتے ہیں جو قہقہے
کہاں یاد بلبل کو یہ چہچہے

غرض ہر جگہ سے گزرتا ہوا
تماشے خدائی کے کرتا ہوا

گیا جب کہ گھر میں وہ روشن چراغ
تو ماں باپ بھی ہو گئے باغ باغ

خوشی سے نہ جامے میں پھولے سمائے
بہن بھائی بولے وہ آئے وہ آئے

سلام اُس نے پہلے کیا باپ کو
جھکایا بحسنِ ادب آپ کو

دُعا دی یہ اُس نے بھی لے کر سلام
مبارک مبارک خوشا وقتِ شام

(آزاد)

۱۴۔ شفق

شفق پھولنے کی بھی دیکھو بہار
ہوا میں کھلا ہے عجب لالہ زار

ہوئی شام بادل بدلتے ہیں رنگ
جنھیں دیکھ کر عقل ہوتی ہے دنگ

نیا رنگ ہے اور نیا روپ ہے — ہر اک روپ میں یہ وہی دھوپ ہے
طبیعت ہے بادل کی رنگت پہ لوٹ — سنہری لگائی ہے قدرت نے گوٹ
ذرا دیر میں رنگ بدلے کئی — بنفشی و نارنجی و چمپئی
یہ کیا بھید ہے کیا کرامات ہے — ہر اک رنگ میں اک نئی بات ہے
یہ مغرب میں جو بادلوں کی ہے باڑ — ہے سونے چاندی کے گویا پہاڑ
فلک نیلگوں اُس میں سُرخی کی لاگ — ہرے بن میں گویا لگا دی ہے آگ

اب آثار ظاہر ہوئے رات کے
کہ پردے چھٹے لال بانات کے

(اسمٰعیل)

۱۵- شام کا جھٹ پٹا

جھٹ پٹا سا ہو گیا ہے شام کا — سمجھو یہ وقت ہے آرام کا
قصد چڑیوں نے بسیرے کا کیا — ڈھونڈتی ہیں اپنا اپنا گھونسلا
دیکھتا سورج ہے چھپنے کے قریب — تھم گئے چلتے مسافر بھی غریب
لو کبوتر بھی گرے پر جوڑ کر — لینگے اپنے چھوٹے بچوں کی خبر
شام کو بستی سے باغوں کی طرف — اُڑ چلے کوّے بھی مل کر صف بصف
دن میں جو آواز تھی مدھم پڑی — بھنبھناہٹ مکھیوں کی کم پڑی

جانور دن بھر فضا میں پھر چکے — اپنا اپنا کام پورا کر چکے
وہ جو کٹ کٹ کر رہی ہیں مرغیاں — ڈھونڈتی ہیں اپنے ڈربوں کا نشاں

بھیڑ بکری اونٹ گھوڑا گائے خر — آن پہنچے اپنے اپنے تھان پر
اب ہوا کے تیز جھونکے رک گئے — سو گئے پیڑ اور پتے جھک گئے

اب کہاں باقی ہے موقع کام کا
صاحبو یہ وقت ہے آرام کا

(اسمٰعیل)

۱۶ — شام کی آمد اور رات کی کیفیت

اے آفتاب صبح سے نکلا ہوا ہے تو — عالم کے کاروبار میں دن بھر پھرا ہے تو
ہیں روز و شب زمانہ کے پیہم قدم ترے — پیمانے محنتوں کے ہیں یہ بیش و کم ترے
کلفت سے دن کی ہو گیا منہ تیرا زرد ہے — اور ڈالی اس پہ شام نے غربت کی گرد ہے
ہوتا زمانہ بس کہ ہے وابستہ شام سے — اور تو بھی ہے تھکا ہوا دنیا کے کام سے

دامانِ کوہسار میں اب جا کے سو رہو
دن بھر کا کام شام کو سمجھا کے سو رہو

آ اے شب سیاہ کہ لیلائے شب ہے تو — عالم میں شاہزادیٔ مشکیں نسب ہے تو
ہوتا ہے بعد شام شفق میں عیاں ترا — اڑتا ہوا آبنوس کا تخت رواں ترا

تھا دن مگر رہا وہی عالم نگاہ میں — لہراتا پرنیان وحریر سیاہ میں
چمکے گا شکر آب ترا آسمان پر — فرماں نشان ہیں یہ اُڑے گا جہان پر

تا صبح ہوتے کارگہ روزگار بند
آرام حکم عام ہو اور کار دبار بند

عالم پہ تو جو آتی ہے رنگ اپنا پھیرتی — ہاتھوں سے مشک اُڑاتی ہے عنبر بکھیرتی
دُنیا پہ سلطنت کا تری دیکھ کر حشم — کھاتا ہے دن بھی تاروں بھری رات کی قسم
روئے زمیں پہ جل رہے تیرے چراغ ہیں — اور آسماں پہ کھلتے ستاروں کے باغ ہیں
بجلی پہنے تو رُخ ترا دینا بہار ہے — شبنم کو موتیوں کا دیا تونے ہار ہے

سب تجھ کو دیتے آنکھوں پہ ہیں بلکہ جان پر
پورا ہے تیرا حکم پہ آدھے جہان پر

چھائی غرض خدائی خدائی پہ رات ہے — اس وقت یا تو رات ہے یا حق کی ذات ہے
خلقت خدا کی سوتی ہے غافل پڑی ہوئی — اور رات سائیں سائیں ہے کرتی کھڑی ہوئی
سوتا گدا ہے خاک پہ اور شاہ تخت پر — ماہی بزیر آب ہے طائر درخت پر
ہے بے خبر پڑا جو بچھونوں پہ گھر میں ہے — دامانِ دشت پر کوئی سوتا سفر میں ہے
گھوڑے پہ اپنے اونگھ رہا ہے سوار بھی — چوکا ہے بلکہ ساربانِ نابکار بھی
القصہ ہے امیر کوئی یا فقیر ہے — عورت ہے یا کہ مردِ جواں ہے کہ پیر ہے
بچہ کہ ماں کی گود میں ہے یا کہ پیٹ میں — سب آ گئے ہیں نیند کی اس دم لپیٹ میں

جس کو پکار دو وہ سوئے خوابِ عدم گیا
دریا بھی اب تو چلنے سے شاید ہو تھم گیا

وہ آفتاب تھا جو چمکتا جہان پہ — بیٹھا تھا جس کا سکّہ زمین آسمان پر
کھولے ہوئے شفق کا نشان زرق برق سے — رکھ کر کرن کا تاج نکلتا ہے شرق سے
اس کے عمل کو توڑنا تیرا ہی کام ہے — سکّہ ہے اب سنار دل کا اور تیرا نام ہے

محنت ثمر تھا اس کا تو راحت ہے پھل ترا
چاندی تھا اُس کا حکم تو سونا عمل ترا

مزدور جا بجا تھے جو دُکھ درد پا رہے — اور پاؤں تک سروں سے پسینے بہا رہے
بارِ گراں غریبوں نے سر پر اُٹھائے ہیں — جب چار پیسے شام کو گھر میں لائے ہیں

اے شب تمام دن کی مصیبت سے ہار کے
تیرے عمل میں پاؤں ہیں سوئے پسار کے

اکثر امیر لیٹے ہیں نعمت کے ناز میں — پر دل کو اُن کے دیکھو تو ہے سوز و ساز میں
سامانِ عیش سب ہیں مہیا کئے ہوئے — جو مانگتے زمانہ ہے حاضر لئے ہوئے

مخمل کا فرش ہے مگر آرام ہی نہیں
جھپکے پلک سو اس کا کہیں نام ہی نہیں

اور ان کے زیرِ سایہ پڑا اک غریب ہے — دن بھر اُٹھاتا بوجھ وہ آفت نصیب ہے
تھا صبحدم کا نکلا ہوا گھر سے کام کو — وہ حق حلال کر کے گھر آیا ہے شام کو

اب اپنی نانِ خشک کو پانی میں چور کر — کھایا ہے اور مست پڑا ہے تنور پر
سر پر قیامت آئے تو اُس کو خبر نہیں
سونا تو آنکھ میں ہے مگر پاس زر نہیں

یہ بھی نہ کہنا تم کہ جو آرام عام ہے — وہ سب کے لوں کے واسطے غفلت کا جام ہے
بندے خدا کے ایسے یہاں بے شمار ہیں — دن سے زیادہ رات کو مصروفِ کار ہیں
کیجئے ذرا خیال کہ لاتے ہیں نکتہ داں — بیٹھا ہے سر جھکائے ہوئے لیے چراغداں
کرتا نظر ہے متن پہ بھی حاشیہ پہ بھی — مضموں جو ہیں دگر ہیں الجھتے کبھی کبھی
بیٹھا حرام کرکے ہے آرام و خواب کو
کیڑوں کی طرح لگ گیا ظالم کتاب کو

ہیں مدرسے کے طالبعلم اپنے حال میں — کل صبح امتحاں ہے سو اس کے خیال میں
مل مل کے یاد کرتے ہیں آپس میں دو دسے — پڑھتے جُدا جُدا بھی ہیں کچھ فکر و غور سے
کر لیں جو کچھ کہ کرنا ہے شب درمیان ہے — کل صبح اپنی جان ہے اور امتحان ہے
جی چھوڑ بیٹھے مرد یہ ہمت سے دُور ہے
قسمت تو ہر طرح ہے یہ محنت ضرور ہے

اور وہ جو لکھوتی ہے مہاجن جہان میں — آدھی بجی ہے پردہ ابھی ہے دکان میں
گنتی میں دام دام کے ہے دم دیے ہوئے — بیٹھا ہے گود ہی میں کھاتا لیے ہوئے
ہے سارے لین دین کی میزان تمام کی — لیکن غضب ہے بدھ نہیں ملتی چھدام کی

وہ دیکھنا نجومیِ دانا کی شان کو ۔۔۔ ہے کس نظر سے دیکھ رہا آسمان کو
اِک آنکھ دُوربین پہ ہے اک کتاب پر ۔۔۔ ہے محو اپنے زائچہ میں اِک حساب پر
گنتی ہے اس کی تارے ہی گنتے تمام رات ۔۔۔ پر اب تو فکر ہے یہی دن بھر تمام رات
اک جنتری بناؤں کہ طرزِ جدید ہو
چمکے جو اس میں اپنا ستارہ تو عید ہو

اے رات تیرے پردۂ دامن کی آڑ میں ۔۔۔ وزدِ سیاہ کار بھی ہے اپنی چوٹ میں
بیٹھا نقب لگا کے کسی کے مکاں میں ہے ۔۔۔ اور ہاتھ ڈالا اس کی ہر اک ایں و آں میں ہے
اسباب سب اندھیرے میں گھر کا ٹٹول کر ۔۔۔ ہے چپکے چپکے دیکھ رہا کھول کھول کر
لے جائے گا غرض کہ جو کچھ ہاتھ آئے گا
دیکھو کمایا کس نے ہے اور کون اُڑائے گا

اس تیرہ شب کے پردہ میں شاعر جو چور ہے ۔۔۔ پھرتا ٹٹولتا ہوا مانند کور ہے
مضموں اُڑاتا شعر سے مضمونِ غزل سے ہے ۔۔۔ لاتا پر ایسے ڈھب سے لفافہ بدل گئے ہے
تعریفیں اس کی کرتے ہیں جو شعر سنتے ہیں
مضمون کیا ہے جس کا وہ سر بیٹھے دھنتے ہیں

عالم ہے اپنے بسترِ راحت پہ خواب میں ۔۔۔ آزاد سر جھکائے خدا کی جناب میں
پھیلائے ہاتھ صورتِ اُمیدوار ہے ۔۔۔ اور کر رہا صدقِ دل سے دُعا بار بار ہے
مجھ کو تو ملک سے ہے نہ ہے مال سے غرض ۔۔۔ رکھتا نہیں زمانہ کے جنجال سے غرض

یارب یہ التجا ہے کرم تو اگر کرے
وہ بات دے زباں میں کہ دل میں اثر کرے

اے رات یہ جو تو نے سرِ شام آن کر — سجّادۂ سیاہ بچھایا ہے تان کر
اور اس پہ حق پرست کہ یادِ خدا میں ہے — بیٹھا رہِ فنا پہ ہوائے بقا میں ہے
اس کو اسی کی ذات سے ہے لو لگی ہوئی — اور دل میں دم بدم ہے تگ و دو لگی ہوئی

کب تک رہے حباب گلا گھونٹ گھونٹ کر
اپنی ہوا میں ایک ہو پھر ٹوٹ پھوٹ کر

دریا میں چل رہا کہیں اس دم جہاز ہے — اہلِ جہاز جن کا خدا کارساز ہے
بیٹھے اسی کی آس پہ ہیں دل دیے ہوئے — کچھ حسرتیں ہیں دل میں کچھ ارماں لیے ہوئے
بادِ مراد دینی ہو لئے مراد ہے — پر دل کو بھولتی نہیں طوفاں کی یاد ہے
آنکھیں سبھوں کی لگ رہی ہیں بادبان پر — اور جاتی ہے دعا کی صدا آسمان پر

یہ سب کے سب ہیں بیٹھے ہوا کی امید پر
اے ناخدا تو رہیو خدا کی امید پر

دل دے رہا جو شیرِ محبت کے جام ہے — ماں دیکھو اپنی نیند کو کرتی حرام ہے
ہر چند کام کاج سے ہر دن کے تھک رہی — بچے کو ہاتھ سے ہے برابر تھپک رہی
اور کہتی ہے کہ مجھ کو پڑے یا نہ کل پڑے — ایسا نہ ہو کہ یہ کہیں ڈر کر اچھل پڑے
ماں کو تو سوتے جاگتے اس کا ہی دھیان ہے — کروٹ نہیں بدلتی کہ ننھی سی جان ہے

پر جائے حیف حال اسی جاں بلب کا ہے — سب جس کو کہہ رہے ہیں کہ مہمان شب کا ہے
دن بھر دوا غذا میں رہا غیر حال ہے — لیکن ہے اب یہ حال کہ بچنا محال ہے
بتی چراغ عمر کی ہے جھلملا رہی — اور بیکسی سرہانے ہے آنسو بہا رہی
اے رات مجھکو فکر یہی بار بار ہے — اس کی تو زندگی کوئی دم کا شمار ہے

کون اس کا ساتھ دیوے گا ہو صبح جب تلک
رو دے گا کوئی شام کے مُردے کو کب تلک

آزاد آفریں ترے لطفِ زبان کو — کروٹ تراب ہے رات نے دی آسمان کو
سب اپنے اپنے کام میں ہیں دل دیئے ہوئے — تو کیوں ہے بیٹھا بادۂ غفلت پیئے ہوئے

کوئی گھڑی تو ہوش و خرد سے بھی کام لے
وقتِ سحر قریب ہے اللہ کا نام لے

(آزاد)

۱۷- رات

گیا دن ہوئی شام آئی ہے رات — خدا نے عجب شے بنائی ہے رات
نہ ہو رات تو دن کی پہچان کیا — اُٹھائے مزہ دن کا انسان کیا
لگے ہونے اب ہاٹ بازار بند — زمانے کے سب کار و بار بند
ہوئی رات خلقت چھٹی کام سے — خموشی سی چھائی سرِ شام سے

مسافر نے دن بھر کیا ہے سفر — سرِ شام منزل پہ کھولی کمر
درختوں کے پتے بھی چپ ہو گئے — ہوا تھم گئی پیڑ بھی سو گئے
اندھیرا اُجالے پہ غالب ہوا — ہر اک شخص راحت کا طالب ہوا
ہوئے روشن آبادیوں پہ چراغ — ہوا سب کو محنت سے حاصل فراغ
کسان اب چلا کھیت کو چھوڑ کر — کہ گھر میں کرے چین سے شب بسر
تھک کر سُلایا اُسے نیند نے — تردد بھلایا اُسے نیند نے
غریب آدمی جو کہ مزدور ہیں — مشقّت سے جن کے بدن چور ہیں
وہ دن بھر کی محنت کے مارے ہوئے — وہ ماندے تھکے اور ہارے ہوئے
نہایت خوشی سے گئے اپنے گھر — ہوئے بال بچے بھی خوش دیکھ کر
گئے بھول سب بال بچوں کا غم — سویرے کو اُٹھیں گے اب تازہ دم

کہاں چین یہ بادشہ کو نصیب
کہ جس بے غمی سے ہیں سوتے غریب

(اسمٰعیل)

۱۸۔ خوابِ راحت

خوابِ راحت بھی ہے عجب چیز — کیا عالمِ بیخودی ہے چھایا
اے نیند نمونۂ قیامت — تو نے ہمیں آنکھ سے دکھایا

تو آئی ہوئے حواس بیکار — کیا جانے تو نے کیا سنگھایا
جس وقت اُتر گئی گھٹا سی — آنکھوں کا چراغ ٹمٹمایا
پھر چھوڑ گئی ہمیں جہاں میں — پھر زیست کا ذائقہ چکھایا
پایا تو کبھی تجھے نہ دیکھا — دیکھا تو کبھی تجھے نہ پایا
ہے تیری عجیب حکمرانی — دُنیا کی پلٹ گئی ہے کایا
رن میں فوجوں کو جا پچھاڑا — بن میں شیروں کو جا دبایا
دہقان کو کھیت میں کیا چت — گو کھیت کو گیدڑوں نے کھایا
ریوڑ کی خبر نہیں کہاں ہے — چرواہے کو گھاس پر لٹایا
لینے کو درخت پر بسیرا — چڑیوں نے پروں میں سر چھپایا
ڈھوروں نے بھی چھوڑ دی جگالی — چُپ ہیں نہیں کان تک ہلایا
ماؤں کو دیا ہے تو نے آرام — بچوں کو تھپک تھپک سلایا
روتے روتے جھپک گئی آنکھ — جھولے میں جھلا رہی ہے دایا
بیڑی سے رکا نہ ہتکڑی سے — محبوس کو قید سے چھڑایا
شاہوں کی بھی کر و فر مٹا دی — نہ تاج نہ تخت نے رعایا
زریں پردے نہ فرشِ مخمل — ایوان ہے گم، سجا سجایا
جب سو گئے ہو گئے برابر — کب شاہ و گدا میں فرق پایا
جج کے بھی حواس ہیں معطل — فیصل ہوئے قصہ و قضایا

ٹھنڈا ہوا تاجروں کا بازار — سودے کا معاملہ چکایا
ہے نقد کہاں کدھر گئے نوٹ — ساہوکاروں کو گہک بنایا
لالہ کو نہیں رہی ذرا سُدھ — کیا ڈیوڑھا اور کیا سوایا
بنیوں کا اُلٹ دیا ہے ٹتڑ — رہ گڑ ہے نہ جنس ہے نہ مایا
بیمار کی آنکھ لگ گئی ہے — دُکھ درد کا کرب سب ہٹایا
کچھ ہوش نہیں ہے ڈاکٹر کو — پلٹس لگے زخم پر کہ پھایا
اوسان نہیں حکیم جی کو — کیا نبیذ نے لخلخہ سنگھایا
پنڈت بھی ہوتے پخنت لیسے — اشنان کئے نہ جل چڑھایا
مُلا کو بھی ہو گیا ہے نسیاں — بھولا ہے مسائلِ ہدایا
تعریف نہ کر سکا مہندس — کیا شکل ہے قائم الزّوایا
جغرافیہ داں کی راہ گم ہے — لنکا ہے کدھر کدھر ملایا
کچھ یاد نہیں مورخوں کو — کیا کیا بر ردستے کار آیا
بھولا ہے کتاب طالب علم — اُلٹا تو نے سبق پڑھایا
مطرب کی عجیب گت بنائی — کھڑاگ جہان کا بھلایا
چونکا نہیں قافلہ تری کا — ہر چند جہاز ڈگمگایا
چیخے نہیں ریل کے مسافر — انجن نے ہزار غل مچایا
باقی نہ رہا کوئی تردد — جھگڑے دن بھر تھا جان کو کھپایا

سب مشغلے ہو گئے فراموش — اپنا ہی رہا نہ کچھ پرایا
دُنیا کی خبر نہ دین کا ہوش — کیا ساغرِ بیخودی پلایا
تو نے کیا نیند کو مسلّط — قدرت ہے بڑی تری خدایا

(اسمٰعیل)

۱۹- آسمان اور ستارے

اگر تیری قدرت کی کاری گری — نہ کرتی سمجھ بوجھ کی رہبری
تو وہ سر پٹکتی ہی رہتی مدام — طلب میں بھٹکتی ہی رہتی مدام
بنائی ہے تو نے یہ کیا خوب چھت — کہ ہے سارے عالم کی جس میں کھپت
یہ سقفِ کہن ہے ابھی تک نئی — اسے دیکھتے یونہی دُنیا گئی
زمیں پر گئیں کتنی نسلیں گزر — رہی اس کی ہیئت پہ سب کی نظر
اسے سب نے پایا اسی ڈھنگ میں — اسے سب نے دیکھا اسی رنگ میں
عجب ہے یہ خیمہ رسن ہے نہ چوب — ہمیشہ مصفا ہے بے رُفت و روب
نہ در ہے نہ منظر نہ کوئی شگاف — اِدھر سے اُدھر تک ہے میدان صاف
جھروکا نہ کھڑکی نہ در ہے نہ چھید — عجب تیری قدرت عجب تیرے بھید
بنایا ہے کیا دستِ قدرت نے گول — چُرس ہے نہ جھُری نہ سلوٹ نہ جھول
عجب قدرتی شامیانہ ہے یہ — نظر کی تو پہنچ کا ٹھکانہ ہے یہ

یہ تارے جو ہیں آتے جاتے ہو گر
چمکتے ہوئے جگمگاتے ہوئے
نظر آ رہے ہیں عجب شان سے
ہیں لٹکے ہوئے سقفِ ایوان سے
چراغ ایسے روشن جو بن تیل ہیں
یہ تیری ہی قدرت کے سب کھیل ہیں
یہ لعل و گوہر ہیں جو بکھرے پڑے
زمیں سے بھی ہیں ان میں اکثر بڑے
نظر میں جو اتنے سے آتے ہیں یہ
بہت دُور چکر لگاتے ہیں یہ
پڑے اپنے چکر میں ہیں گھومتے
ترے حکم کے ذوق میں جھومتے
یہ قائم ہیں تیری ہی تقدیر سے
بندھے ہیں بہم سخت زنجیر سے
وہ زنجیر کیا ہے کشش باہمی
نہ اس میں خلل ہو نہ بیشی کوئی
عجب تو نے باندھی ہے یہ باگ ڈور
کہ سب کا رہتا ہے آپس میں زور
یہ سب لگ رہے ہیں اسی باگ پر
لگاتے ہیں چکر اسی باگ پر
نشہ میں اطاعت کے سب چور ہیں
کہ قانونِ قدرت سے مجبور ہیں

(اسمٰعیل)

۲۰- تاروں بھری رات

اے چھوٹے چھوٹے تارو
کہ چمک دمک رہے ہو
تمہیں دیکھ کر نہ ہووے
مجھے کس طرح تحیّر

کہ تم اونچے آسماں پر　　جو ہے کُل جہاں سے اعلیٰ
ہوئے روشن اس روش سے　　کہ کسی نے جڑ دیئے ہیں
گہر اور لعل گویا

جو ہیں آفتاب تاباں　　نے چھپایا اپنا چہرہ
نہ ہیں جلوہ گر ہوئے تم　　یہ تمہاری جگمگاہٹ
ہے مسافروں کے حق میں　　بڑی نعمت اور راحت
اگر اتنی روشنی بھی　　نہ میسر آتی اُن کو
تو غریب جنگلوں میں　　یونہی بھولتے بھٹکتے
نہ تمیز راست و چپ کی　　نہ طرف کی ہوتی اٹکل
نہ نشانِ راہ پاتے

وہ غریب کھیت والے　　وہ امیدوار دہقاں
کہ کھڑی ہے جن کی کھیتی　　کہیں کھیت کٹ رہا ہے
کہیں گہہ رہا ہے خرمن　　کہیں آنکھ اُنکی جھپکی
یونہی شام سے سحر تک　　ہیں تمام رات جاگے
نہ گھڑی ہے واں نہ گھنٹہ　　نہ شمار وقت و ساعت
مگر اے چمکنے والو　　ہو تمہیں انہیں سُجھاتے
کہ گئی ہے رات اتنی

وہ جہاز جن کے آگے | ہے وسیع بحرِ اعظم
انہیں ہولناک موجوں | سے مقابلہ ہے کرنا
کوئی ہے چلا وطن سے | کوئی آرہا ہے واپس
انہیں کچھ خبر نہیں ہے | کہ کدھر ہے اُن کی منزل
نہ تو مرحلہ نہ چوکی | نہ سُراغ راہ کا ہے
نہ کوئی دلیل و رہبر | مگر اے فلک کے تارو

تمہیں اُن کے رہنما ہو

(اسمٰعیل)

۲۱- چاندنی

غنچۂ دل کو کھلا جاتی ہے آکر چاندنی | ہے برنگ موسم گل رُوح پرور چاندنی
آسماں سے ہے جھما جھم بارشِ نورِ ضیا | نور کا دریا رواں ہے یا زمیں پر چاندنی
آسماں پر ہے ستاروں سے فروغِ نورِ ماہ | چارسو سطحِ زمیں پر جلوہ گستر چاندنی
گلشنِ دنیا میں یہ رنگیں بہاریں نِچھے ہیں | نور کی مورت ہے تو اے ماہ پیکر چاندنی
عجز کہتے ہیں اُسے ہے نام اس کا انکسار | بچھ گئی سطحِ زمیں پر فرش بن کر چاندنی
مرمٹوں پر رکھتی ہے لطف وعنایت کی نظر | ڈالتی ہے قبر پر رحمت کی چادر چاندنی
غنچۂ خاطر کھلے جاتے ہیں کلیوں کیطرح | کسقدر ہے دلکشا کیا پُرفضا ہے چاندنی

ہر روش پر کیوں نہ اتراتی پھرے بادِ صبا
شام ہی سے باغ میں رونق فزا ہے چاندنی
باغ میں جوشِ طرب سے بلبلیں ہیں نغمہ زن
مرحبا اے آج کیا عشرت فضا ہے چاندنی

ہے نمونہ قدرتِ صانع کا ہر سو آشکار
مظہرِ انوارِ حق شانِ خدا ہے چاندنی

(اوج گیاوی)

۲۲- جنگل کی چاندنی

وہ سنسان جنگل وہ نورِ قمر
وہ براق سا ہر طرف دشت در
وہ اجلا سا میداں چمکتی سی ریت
اگا نور سے چاند تاروں کا کھیت
درختوں کے پتے چمکتے ہوئے
خس و خار سارے جھلکتے ہوئے
درختوں کے سایہ سے مہ کا ظہور
گرے جیسے چھلنی سے چھن چھن کے نور
نظر جو کہ پڑتی تھی بوٹی جڑی
سو وہ عالمِ وجد میں تھی کھڑی

درختوں سے لگ لگ کے بادِ صبا
لگی لوٹنے وجد میں واہ وا

(میر حسن)

۲۳ - برکھا رُت

گرمی کی تپش بجھانے والی   سردی کا پیام لانے والی
قدرت کے عجائبات کی کان   عارف کے لئے کتاب عرفان
وہ شاخ و درخت کی جوانی   وہ مور و ملخ کی زندگانی
وہ سارے برس کی جان برسات   وہ کون خدا کی شان برسات
آئی ہے بہت دعاؤں کے بعد   اور سیکڑوں التجاؤں کے بعد
برسات کا بج رہا ہے ڈنکا   اک شور ہے آسماں پہ برپا
ہے ابر کی فوج آگے آگے   اور پیچھے ہیں دل کے دل ہوا کے
ہیں رنگ برنگ کے رسالے   گورے ہیں کہیں کہیں ہیں کالے
ہے چرخ پہ چھاؤنی سی چھاتی   اک آتی ہے فوج ایک جاتی
جاتے ہیں مہم پہ کوئی جانے   ہمراہ ہیں لاکھوں توپ خانے
توپوں کی ہے جبکہ باڑھ چلتی   چھاتی ہے زمین کی دہلتی
مینھ کا ہے زمیں پہ ڈیرا   گرمی کا ڈبو دیا ہے بیڑا
بجلی ہے کبھی جو کوند جاتی   آنکھوں میں ہے روشنی سی آتی
گھنگھور گھٹائیں چھا رہی ہیں   جنت کی ہوائیں آ رہی ہیں
کوسوں ہے جدھر نگاہ جاتی   قدرت ہی نظر خدا کی آتی

سورج نے نقاب لی ہے منہ پر ۔۔۔ اور دھوپ نے تہ کیا ہے بستر

باغوں نے کیا ہے غسلِ صحت ۔۔۔ کھیتوں کو ملا ہے سبز خلعت

سبزہ سے ہے کوہ و دشت معمور ۔۔۔ ہے چار طرف برس رہا نور

بیٹھا ہے نہ ہے سڑک نمودار ۔۔۔ اٹکل سے ہیں راہ چلتے رہوار

ہے سنگ و شجر کی ایک وردی ۔۔۔ عالم ہے تمام لاجوردی

پھولوں سے پٹے ہوئے ہیں کہسار ۔۔۔ دولھا سے بنے ہوئے ہیں اشجار

پانی سے بھرے ہوئے ہیں جل تھل ۔۔۔ ہے گونج رہا تمام جنگل

کرتے ہیں پپیہے پیہو پیہو ۔۔۔ اور مور چنگھاڑتے ہیں ہر سو

کوئل کی ہے کوک جی لبھاتی ۔۔۔ گویا کہ ہے دل میں بیٹھی جاتی

مینڈک جو ہیں بولنے پہ آتے ۔۔۔ سنسار کو سر پہ ہیں اٹھاتے

ابر آیا ہے گھر کے آسماں پر ۔۔۔ کلمے ہیں خوشی کے ہر زباں پر

مسجد میں ہے وردِ اہلِ تقویٰ ۔۔۔ یا رَبّ لنا وَلا عَلَینا

مندر میں ہے ہر کوئی یہ کہتا ۔۔۔ کرپا ہوئی تیری میگھ راجا

کرتے ہیں گرو گرو گرنتھی ۔۔۔ گاتے ہیں بھجن کبیر پنتھی

جاتا ہے کوئی ملہار گاتا ۔۔۔ ہے دیس میں کوئی گنگناتا

بھنگی ہیں نشہ میں گاتے پھرتے ۔۔۔ اور بانسریاں بجاتے پھرتے

سر دھن کوئی گا رہا ہے بیٹھا ۔۔۔ چھیڑا ہے کسی نے ہیرا رانجھا

رکھشک جو بڑے ہیں چلن مت ڈکھنے ہیں پول پہ ڈٹے کھڑے
کرتے ہیں وہ یوں جیون کی رکھشا
تا جل نہ بجھے کوئی پتنگا

کھم باغوں میں جا بجا گڑے ہیں جھولے ہیں کہ سو لمبو پڑے ہیں
کچھ لڑکیاں بالیاں ہیں کمسن جن کے ہیں یہ کھیل کود کے دن
ہیں جھول رہی خوشی سے ساری اور جھول رہی ہیں باری باری
جب گیت ہیں ساری مل کے گاتی جنگل کو ہیں سر پہ وہ اٹھاتی
اک سب کو کھڑی جھلا رہی ہے اک گرنے سے خوف کھا رہی ہے
ہے ان میں کوئی ملار گاتی اور دوسری پینگ ہے چڑھاتی
گاتی ہے کبھی کوئی ہنڈولا کہتی ہے کوئی بدیسی ڈھولا
اک جھولے سے وہ گری ہے جا کر
سب ہنستی ہیں قہقہے لگا کر

ندی نالے چڑھے ہوتے ہیں تیراکوں کے دل بڑھے ہوئے ہیں
گھڑناؤ پہ ہے سوار کوئی اور تیر کے پہنچا پار کوئی
بگلوں کی ہیں ڈاریں آ گے گرتی مرغابیاں تیرتی ہیں پھرتی
چھلکے ہیں یہ پاٹ ندیوں کے دن پھر گئے ہیں بسر جا کے لگتے
زوروں پہ چڑھا ہوا ہے پانی موجوں کی ہیں صورتیں ڈرانی

نادیں ہیں کہ ڈگمگا رہی ہیں
موجوں کی تھپیڑیں کھا رہی ہیں
ملاحوں کے اڑ رہے ہیں اوسان
بیڑے کا خدا ہی ہے نگہبان

منجدھار کی رو بہ زور پر ہے
مچھلی کو بھی جان کا خطر ہے

(حالیؔ)

۲۴ - برکھا رُت

اُٹھ ساقی برکھا رت آئی
بجلی چمکی بدلی چھائی
پانی برسا بادل گرجا
پڑے ہیں جھولے باغ میں ہر جا
اُڑیں ملاریں گڑے منڈوے
گائیں سکھیاں پپیئے بولے
رات کو جھینگر چھوڑ نکے نفیری
دن کو ساون گاتے بھنبیری
کہیں پوربیئے آلھا گائیں
جھولے ڈالیں پینگ لگائیں
اپنے رنگ میں سب متوالے
گجری گائیں بنارس والے
چمک رہا ہے سارا جنگل
سارے درخت ہیں تارا منڈل

اگلا جھومے بگلا جھومے
کریا ماس کریا جھومے

(عندلیب کنتوری)

۲۵ - برسات

وہ دیکھو اٹھی کالی کالی گھٹا
ہے چاروں طرف چھانیوالی گھٹا

گھٹا کے جو آنے کی آہٹ ہوئی
ہوا میں بھی اِک سنسناہٹ ہوئی

گھٹا آن کر مینہ جو برسا گئی
تو بے جان مٹی میں جان آگئی

زمیں سبزے سے لہلہانے لگی
کسانوں کی محنت ٹھکانے لگی

جڑی بوٹیاں پیڑ آئے نکل
عجب بیل پتے عجب پھول پھل

ہر اک پیڑ کا اک نیا ڈھنگ ہے
ہر اک پھول کا اک نیا رنگ ہے

یہ دو دن میں کیا ماجرا ہو گیا
کہ جنگل کا جنگل ہرا ہو گیا

جہاں کل تھا میدان چٹیل پڑا
وہاں آج ہے گھانس کا بن کھڑا

ہزاروں پھدکنے لگے جانور
نکل آئے گویا کہ مٹی کے پر

(اسمٰعیل)

۲۶ - برسات

ابھی اندھیرا ابھی اُجالا بادل تو بر تو
بوندا باندی کبھی پھوار کبھی دھڑا دھڑ ید

جنگل جنگل کوسوں جل تھل گویا ساگر تھال
ٹیلے ٹھنٹے گھور اور مینڈھے ٹاپو کی تمثال

جھیلیں، تال، تلاؤ تلیّاں جیسے چھلکتا جام
سڑکیں، لیکھیں، پاٹ اور نیٹیں ندیاں بنی تمام

تیز ہوا کی ٹکر کھا کر جھیلوں میں اک جوش
لہریں چکر بھنور پٹاریں اُٹھتی دوش بدوش

لانبے پُل کیا چھوٹی پلیئیں ڈاٹوں تک بھر گئیں
پلٹیں کھاتا جھاگ اڑاتا پانی کرتا شور

جھاڑی بوٹی رد کھو اور پودے اونچے نیچے پیڑ
بچھ بچھ جاتے جھاتے کھا کر موج ہوا کی ایڑ

ایک تو مینھ کی موسلا دھاریں پھر پُروا کا زور
کھیت گھمے مٹکا کے جیسے دُم کو گرائے مور

سارس، بگلے، بط، مرغابی، مور اور چہے ہزار
اُڑتے اک اک اوج ہوا پر کوئی باندھ قطار

ڈبکی ماریں تیریں اچھلیں کبھی مچائیں شور
پھر بھی سوکھے واہ رے اُن کے پر پرواز کا زور

(جلالؔ مرادآبادی)

۲۷- بارش

ابر تھا چھایا ہوا اور فصل تھی برسات کی
تھی زمیں پہنے ہوئے وردی ہری بانات کی

آفتاب اوڑھے ہوئے تھا چادرِ ابرِ سیاہ
برق کی چشمک زنی سے خیرہ ہوتی تھی نگاہ

بادل اتنے میں دُرِ ناسفتہ برسانے لگے
داستانِ قلزم و عماں کو دہرانے لگے

جھوم کر اُٹھی گھٹا، برسی برس کر چھٹ گئی
گرد کی چادر زمیں کے مُنھ سے فوراً ہٹ گئی

بادلوں سے نورِ خورشید اسطرف چھننے لگا
سائباں قوس قزح کا اُسطرف تننے لگا

سبزہ زاروں میں کلیلیں کرتے پھرتے ہیں ہرن
تھا جہاں کا ہر اک کونا ختن اندر ختن

جنگلوں میں مست ہو کر ناچتے پھرتے تھے مور   کوہساروں میں چکوروں نے مچا رکھا تھا شور
ڈھل چکا تھا افق کے آسماں تک آفتاب   تھی شفق کی اسکے منہ پہ ایک نارنجی نقاب
یہ نظر آرا مناظر تھے کچھ ایسے دلفریب   ہاتھ سے جاتا رہا دل بے صبر اور دل شکیب

عالم از خود رفتگی کا مجھ پہ طاری ہو گیا
جوشِ مستی کا مری ہر رگ میں ساری ہو گیا

(ظفر علی خاں)

۲۸۔ فضائے برشگال

اٹھا وہ جھوم کے ساقی چمن میں ابرِ بہار   چٹک رہے ہیں شگوفہ برس رہی ہے پھوار
سہی قدوں کا ہے جھمگٹ کنارِ آبِ رواں   کہ برج میں لبِ جمنا ہے گوپیوں کی قطار
ترانہ ریز ہے یوں شاخِ سرو پر قمری   کہ جیسے گاتی ہو مدھوبن میں کوئی سندر نار
ہے موتیوں کی لڑی یا قطار بگلوں کی   ہوا میں اڑتے ہیں جگنو کہ چھوٹتے ہیں انار

عجب نشاط ہے بادہ کشو چلو تو سہی
پیامِ عیش ہے لایا چمن میں ابرِ بہار

(سرور جہان آبادی)

۲۹- فضائے برشگال

ذوقِ مے نوشی بڑھاتی ہے گھٹا برسات کی
اور بے اڑتی ہے مستوں کو ہوا برسات کی
ابر، دریا، سبزہ، ساقی، یار، مطرب، دختِ رز
ہوں یہ سب ساماں تو پھر دیکھیں فضا برسات کی
رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں نوعروسانِ چمن
پتی پتی سے برستی ہے ادا برسات کی
مور ناچے، کوئلیں کوکیں، پپیہے بول اٹھے
وصل کے دن آگئے، فصل آ گئی کیا برسات کی

ساقیا جامِ سبو سے ایسی آرائش بڑھے
آ کے میخانہ پہ صدقہ ہو گھٹا برسات کی

(امیرؔ)

۳۰- ابر کی آمد

لہرا دیا صبا نے جو کل سبزہ زار کو
روہیں گھٹا نے گھیر لیا چشمہ سار کو
جوش و خروش رعد نے یہ جوم دھام کی
ہرگز کوئی کسی کی نہ پہنچا پکار کو
بجلی تڑپ تڑپ کے دکھانے لگی چمک
رونق ہوئی دوچند ہر اک برگ و بار کو
کچھ کہہ رہا ہے ابر سپید و سیاہ سرخ
مستانہ جھوم جھوم چلے کوہسار کو

ہم مشرب اپنے چند جواں تھے سو نہر پر
تشریف لے گئے وہ بتوں کے شکار کو

(انشاؔ)

۳۰- پہاڑی بادل

وہ دیکھو کوہ کے پہلو سے طفل برا اُٹھا
وہ سامنے ہے جہاں پیڑ یوکلٹپس کا
وہ بھاپ سا وہ دھواں سا وہ ملگجا سا ابر
وہ ننھا مُنّا بگولا سا وہ ذرا سا ابر
وہ پیارا پیارا سا وہ دلربا سا دیکھو تو
نہ دیکھا ہوگا کبھی یہ تماشا دیکھو تو

اہاہا، کھڈ میں سے اور اک غبار سا نکلا
ہوا کے گھوڑے پہ بادل سوار سا نکلا
وہ پھیلا اور وہ سر کا بڑھا چڑھا کیا خوب
وہ مل کے دونوں نے ٹیلہ چھپا لیا کیا خوب
اندھیرا ہو گیا اب ڈھوندو کار بادل سے
نہاں نظر سے ہوئے سبز کھیت مخمل کے

وہ دیودار کے جنگل وہ قدرتی خوش منظر
بنی ہوئی تھی جو سب کوہسار کا زیور
نظر فریب جو تھیں پھول پتیاں ایلو
وہ سب دھندلکے میں بادل کے چھپ گئیں دیکھو
وہ آسمان کا حسن نظر فریب چھپا
فرازِ کوہ کھڈوں کا جو تھا نشیب چھپا
وہ دل فریب سماں سب نظر سے اوجھل ہے
زمیں سے تا بہ فلک اب تو صرف بادل ہے

لو بھیگی بھیگی ہوا آئی مینھ برسنے لگا
لو بوندوں کا سرِ کہسار پہ بندھا سہرا
لو کھڑکیوں پہ پہاڑ کی چلمنیں چھوٹیں
لو وہ پہاڑ سے پتھر گرے سلیں ٹوٹیں

لو پانی سانپ کی مانند کوہ سے اُترا
لو کھڈ کی سمت چلا بے تحاشا لہراتا
اُچھلتا کودتا رُکتا ہوا چلا آیا
سمٹتا پھیلتا جھکتا ہوا۔ چلا آیا
بدل رنگ کھڈوں میں مچاتا شور رکھا
چمکتا گرتا سنبھلتا دکھاتا زور چلا
نکھر رہے ہیں شجر اور حجر دلہن کی طرح
پہاڑ پر ہے بہار آج گل چمن کیطرح
عروج روح کو حاصل ہے لطفِ منظر سے
یہ طفل ابر الٰہی یونہی بڑھے برسے

(واسطی)

۳۲ - ابرِ کرم

چلنا وہ بادلوں کا زمیں چوم چوم کر
اور اُٹھنا آسماں کی طرف جھوم جھوم کر
بجلی کود دیکھو آتی ہے کیا کوندتی ہوئی
سبزہ کو ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا روندتی ہوئی
آتی اِدھر صبا ہے اُدھر سے نسیم بھی
اور اُن کے ساتھ ساتھ ہے آتی شمیم بھی
مستی میں جھومتا وہ جوانانِ باغ کا
جھک جھک کے لینا ہاتھ سے گل کے ایاغ کا
سبزہ کے عکس سے دَر و دیوار سر سبز
سیراب باغ و دشت تو کہسار سبز سبز
اِن سبز سبز کیاریوں پہ دل ہیں لوٹتے
طوطے بہ رنگ طائرِ سنبل ہیں لوٹتے
شبنم عجب بہار ہے اپنی دکھا رہی
موتی بکھیرتی ہے جو ابر لٹا رہی

پتوں پہ آبِ رنگ سے مینا نگار ہیں — ٹپکیں اگر ہوا سے تو ہیرے کا ہار ہیں

لو بادل اب گرجتے ہوئے سر پر آ گئے — اور شامیانے شرق سے تا غرب چھا گئے

کیا مست آیا جھوم کے سرشار ابر ہے — برسے گا آج خوب ہواں دھار ابر ہے

لیکن یہ ماجرا سا برسنا پھوار کا — ہے گا پیام ابر بہاری کے تار کا

بوندوں میں جھومتی وہ درختوں کی ڈالیاں — اور سبز کیاریوں میں وہ پھولوں کی لالیاں

وہ ٹہنیوں میں پانی کے قطرے ڈھلک رہے — وہ کھاڑیاں بھری ہوئیں تالے چھلک رہے

آبِ رواں کا نالیوں میں لہر مارنا — اور دستے سبزہ زار کا دھو کر سنوارنا

گرنا وہ آبشار کا چادر کا زور سے — اور گونجنا وہ باغ کا پانی کے شور سے

جل تھل ہیں کوہ دشت میں نالے آب کے — گویا چھلک رہے ہیں کٹورے گلاب کے

ہر جا پہ طائرانِ چمن غول غول ہیں — آپس میں بولی بول کے کرتے کلول ہیں

کوئل کا دور دور درختوں پہ بولنا — اور دل میں اہلِ درد کے نشتر گھنگولنا

طاؤس کا وہ دُم کو چھتر کر کے ناچنا — اور مورنی کا اشک کے موتی کو جانچنا

لیکن چمن سے ناچ کے چلتا جو مور ہے — اک قہقہہ پہ طنز لگاتا چکور ہے

املی کے اک درخت میں جھولا پڑا ہوا — اور ساتھ اُس کے آم کا ٹپکا لگا ہوا

جھولے میں نوجوان ہیں پینگیں بڑھا رہے — اور بچے آم کے ہیں پپیہے بجا رہے

ساون کے گیت گاتا ہے طوفان و مینہ ہے — پردیسیوں کی یاد سے ارمان دلوں میں ہے

پھر مجھ کو رشک ہے اسی مستِ مدام پر — جس کی کہ میکشی نہیں موقوف جام پر

مستانہ پن میں رکھتا ہے دیوانہ طور بھی
مستانے ساتھ رکھتا ہے وہ چار اور بھی

سبزہ پہ لوٹتا ہے دماغ آسماں پہ ہے
اور دمبدم یہ مطلع موزوں زباں پہ ہے

یوں پھوٹ کر جو ہیں گل و ریحان نکل پڑے
کیا جانے کن دلوں کے ہیں ارمان نکل پڑے

(آزاد)

۲۳۔ بادل کا پھٹنا

وہ ہوا نے زور باندھا اور بادل پھٹ گیا
کھل گیا خورشید کا چہرہ کہ پردہ ہٹ گیا

بچھ گیا ہے دھوپ سے سونے کا پتّر ہر طرف
خوب برساتی ہیں کرنیں ہُن زمیں پر ہر طرف

صحن سونے کا ہے چھت سونے کی گھر سونے کے ہیں
پھول پھل پتے ہیں سونے کے شجر سونے کے ہیں

کیمیا گر ہے گر عالم میں خورشید فلک
جس کی صنعت سے پہاڑوں میں ہے سونے کی چمک

مختلف چڑیاں اڑیں کوّے اڑے چیلیں اڑیں
اپنے اپنے آشیانے چھوڑ کر ابابیلیں اڑیں

بھوک سے ہیں سب پرندے اور چرندے بے آس
ڈھونڈھتا ہے کوئی کیڑے کوئی پھل اور کوئی گھاس

ہے نرالی سب سے خرگوشوں کے چلنے کی ادا
کیا بھلی معلوم ہوتی ہے اُچھلنے کی ادا

سبز میدانوں میں پھرتے ہیں ہرن چرتے ہوئے
دیکھ لیتے ہیں مگر چاروں طرف ڈرتے ہوئے

(شوق قدوائی)

۴۴ - برسات کی شام

دن ہے کم دیکھو ہٹا مغرب سے وہ ابرِ سیاہ
کھُل گئی دُنیا میں آنے کے لئے کرنوں کی راہ

بن گیا خورشید ہلکے رنگ کے سونے کا طشت
دھوپ سے کچھ کچھ سنہرے ہو گئے اشجارِ دشت

وہ شفق کی سُرخ رنگت اور فلک کا مُرغزار
ساوُنی پھُولی ہوئی گویا دکھاتی ہے بہار

کوہ کے دامن میں یا لالے کا تختہ ہے عیاں
یا جسے کہتے ہیں چرخ اِک کوہ ہے آتش فشاں

جلوہ گر ہے چرخ پر سورج کے پرتو سے دھنک
یا اُڑا پردہ کھلی محرابِ ایوانِ فلک
یا کسی کے واسطے کھولے ہے آغوش آسماں
یا لئے ہے دوش پر ترکِ فلک اپنی کماں
دستکاری اپنی کی معمارِ قدرت نے عیاں
سات رنگوں سے رنگا ہے طاقِ قصرِ آسماں

(شوق قدوائی)

۳۵ - شبِ ابر

اے ابر تیری رات کی تعریف اگر کروں
لازم ہے پہلے میں رہِ ظلمات سر کروں
کیا کیا بیاں کروں میں تری رات کا مزا
گر رات کا مزا ہے تو برسات کا مزا
سنسان رات اور وہ آئی ہوئی گھٹا
چاروں طرف جہان میں چھائی ہوئی گھٹا
بجلی کبھی کبھی نگہہِ نقشہ ساز سے
کرتی نقاب ابر میں چشمک ہے ناز سے

اور کوکنا پپیہے کا وہ دل کی ہوک سے
نالہ کو اپنے تولنا کوئل کی کوک سے

کوٹھے پہ ٹھنڈے ٹھنڈے بچھونے وہ اوس میں
ہے گُل کو نخرا آوے اگر پاتے بوس میں

آنا وہ بھیگی بھیگی ہوا کا کبھی کبھی
بول اُٹھنا مُرغ نغمہ سرا کا کبھی کبھی

آرام کہہ رہا ہے کہ میرے ہی ہو رہو
تمیں ہیں دیتی نیند کہ بس اب تو سو رہو

آزاد لکھتے لکھتے ہی آدھی تو ڈھل گئی
اور شمع لالٹین میں ساری پگھل گئی

طولِ امل کو اپنے اب انجام دیجئے
کوئی گھڑی تو آپ بھی آرام کیجئے

(آزاد)

۳۶ - مینڈک کا راگ

سُن او شوریدہ حال سودائی
بند کر اب یہ اپنی شہنائی

میں نے مانا ہی آجکل برسات
لُطف میں کٹتے ہیں یہ دن رات

تری فصل بہار ہے بیشک — تجھ کو یہ سازگار ہے بیشک
پر مجھے کیوں ستا رہا ہے تو — مفت کیوں غل مچا رہا ہے تو
صدقہ اس اپنی خوش گلوئی کا — واسطہ اپنی خوب روئی کا
تجھ کو سوگند تیری صورت کی — اس گھنانی ڈرانی مورت کی

تجھ کو جوہڑ کا واسطہ اے دوست
وجہ غوغا بتا مجھے اے دوست

کیا ترا نالۂ فراق ہے یہ — یا صدائے پر اشتیاق ہے یہ
یا کسی سے ہے دل لگا تیرا — تجھ سے محبوب چھٹ گیا تیرا
تو بھی مذبوح تیغ فرقت ہے — کیا یہ تیری بھی شام غربت ہے
کس لئے تو نے غل مچایا ہے — آسماں سر پہ کیوں اٹھایا ہے
رات بھر سن چکے تری ٹر ٹر — نیند بھر سونا ہو گیا دوبھر
کوئی حد بھی ہے تیری اس ٹر کی — انتہا کوئی تیری اس بڑ کی
جھٹ پٹے سے لگا ہے ٹرّانے — صبح ہونے کو آئی دیوانے
دیکھ تو آدھی بج چکی کب کی — رہ گئیں چند ساعتیں شب کی

ارے ظالم خموش ہو بس کر
تا کجا عائیں عائیں اور ٹر ٹر

(واسطی)

۴۷- میر اپنے گھر کا حال

کیا لکھوں میر اپنے گھر کا حال
اس خرابی میں میں ہوا پامال

گھر کہ تاریک و تیرہ زنداں ہے
سخت دل تنگ یوسفِ جاں ہے

کوچۂ موج سے بھی آنگن تنگ
کوٹھری کے حباب کے سے ڈھنگ

چار دیواری سو جگہ سے خم
تر تنک ہو تو سوکھتے ہیں ہم

لون لگ لگ کے جھڑتی ہے ماٹی
آہ کیا عمر بے مزہ کاٹی

اس حکش کا علاج کیا کیجے
راکھ سے کب تلک گڑھے بھریے

جا نہیں بیٹھنے کو راہ کے بیچ
ہے حکش سے تمام ایواں کیچ

آنکھیں بھر لاکے یہ کہے ہیں سب
کیونکہ پردہ رہے گا یارب اب

جھاڑ باندھا ہے مینھ نے دن رات
گھر کی دیواریں ہیں گی جیسے پات

باؤ میں کانپتے ہوں جوں تھر تھر
ان پہ رد ڈا رکھے کوئی کیونکر

کیچ لے لے کے بارے چھوپا ہر
چھوپنا کا ہے کا ہے تھوپا ہر

ایک حجرہ جو سب سے ہے اچھا
سنئے اب اس کا حال مجھ سے ذرا

کہیں سوراخ ہے کہیں ہے چاک
کہیں جھڑ جھڑ کے ڈھیری ہے خاک

کہیں گھونسوں نے کھود ڈالا ہے
کہیں چوہے نے سر نکالا ہے

کہیں گھر ہے کسو چھچھوندر کا
شور ہر کونے میں ہے مچھر کا

کہیں مکڑی کے لٹکے ہیں جالے　　کہیں جھینگر کے بے مزہ نالے
گرے ٹوٹے ہیں طاق پھوٹے ہیں　　پتھر اپنی جگہ سے چھوٹے ہیں
آگے اس حجرہ کے ہی دالاں　　دہی اس ننگِ خلق کا ہی مکاں
کڑی تختے سبھی دھوئیں سے سیاہ　　اس کی چھت کی طرف ہمیشہ نگاہ
کبھو کوئی سنپولیا ہے پھرے　　کبھو چھت سے ہزار پائی گرے
کوئی تختہ کہیں سے ٹوٹا ہے　　کوئی داسا کہیں سے چھوٹا ہے
دب کے مرنا ہمیشہ مد نظر　　گھر کہاں صاف موت کا ہے گھر
مٹی تودہ جو ڈالیں چھت پر ہم　　تھے جو شہتیر جوں کماں ہیں خم
دی میں اڑداڑیں پھر جو عدے برباد　　چل ستونوں سے مکان دے برباد
اینٹ مٹی کا گھر گئے آگے ڈھیر　　گرتی جاتی ہے ہوے ہوے منڈیر
کنگنی دیوار کی نپٹ بے حال　　پڑی کا بوجھ بھی سکے نہ سنبھال
طوطا بیت تو ایک بابت ہے　　پودنا پھدکے تو قیامت ہے
کیونکر ساون کٹے گا اب کی بار　　تھرتھرا دے جھنجھیری سی دیوار
ہو گیا ہے جو اتفاق ایسا　　شاق گذرے ہے کیا کہوں جیسا
ہو کے مضطر لگے ہیں کہنے سب　　اڑ جھنجھیری کہ ساون آیا اب
تیری یاں جو کوئی آتی ہے　　جانِ مجزدں نکل ہی جاتی ہے
نہیں دیوار کا یہ اچھا ڈھنگ　　کہیں کھسکے تو ہے قیامت تنگ

ایک دن ایک کوا آ بیٹھا
بے گماں جیسے ہتوا آ بیٹھا

نہیں وہ زاغ چار پاؤں پھرا
ایک کالا پہاڑ آن گرا

مٹی اس کی کہیں کہیں کھسکی
جی ڈہا اور چھاتی بھی دھسکی

سان کر خاک لگ گئے دو چار
بارے جلدی درست کی دیوار

اچھے ہونگے کھنڈر بھی اس در سے
برسے ہے اک خرابی گھر در سے

اکھڑے بکھرے کواڑ ٹوٹی وصید
زلفی زنجیر ایک کہنہ حدید

خاک تو ہے کہ جیسے کھاد پاک
چھیڑ دیجے تو پھر نری ہی خاک

بند رکھتا ہوں در جو گھر میں ہوں
قدر کیا گھر کی جب کہ میں ہی نہوں

گھر بھی پھر ایسا جیسا ہے مذکور
ہے خرابی سے شہر میں مشہور

جس سے پوچھو اسے بتاتے شتاب
ساری بستی میں ہے یہی تو خراب

ایک چھپر ہے شہر دلی کا
جیسے روضہ ہو شیخ چلی کا

بانس کے جا دیے ہیں سرکنڈے
سوٹے مینھوں میں سب ہوئے ٹھنڈے

گل کے بندھن ہوئے ہیں سب ڈھیلے
پاکھے رہنے لگے ہیں سب گیلے

مینھ میں کیوں نہ بہہ گئے یکسر
پھونس بھی تو نہیں ہے چھپر پر

واں جو ٹپکا تو یاں سرک بیٹھا
یاں جو بھیگا تو واں تنک بیٹھا

کہیں صحنک لگوں کہیں پیالہ
کہیں ہانڈی کے ٹھیکرے لا لا

ٹپکے دو چار جا تو بند کروں
بیچ کوئی لڑاؤں فند کروں

بس کہ بدرنگ ٹپکے ہے پانی کپڑے لیتے ہیں بھر بے افشانی
کوئی جانے کہ ہولی کھیلا ہوں کوئی سمجھے ہے یہ کہ خیلا ہوں
بان جھینگر تمام چاٹ گئے بھیگ کر بانس پھاٹ پھاٹ گئے
تنگے جاندار ہیں جو بیش و کم اِن پہ چڑیوں کی جنگ ہے باہم
ایک کھینچے ہے چونچ سے کر زور ایک مگری پہ کر رہی ہے شور
بوریا پھیل کر بچھا نہ کبھو کونے ہی میں کھڑا رہا یکسو
ڈیوڑھی کی یہ خوبی درالیا چھپّر اس چوپلے کا گھر آیا
جنس اعلیٰ کوئی کھٹولا کھاٹ پلتے پٹی رہے ہیں جن کے چاٹے
کھٹملوں سے سیاہ ہے سو بھی چین پڑتا نہیں ہے شب کو بھی
شب بچھونا جو میں بچھاتا ہوں سر پہ روزِ سیاہ لاتا ہوں
کیڑا ایک ایک پھر مکوڑا ہے کھانے کو شام ہی سے دوڑا ہی
ایک چٹکی میں ایک چھنگلی پر ایک انگوٹھے پر ایک انگلی پر
گرچہ بہتوں کو میں مسل ملا پر مجھے کھٹملوں نے مل مارا
ملتے رانوں کو گھس گئیں پوریں ناخنوں کی ہیں لال سب کوریں
ہاتھ تکیہ پہ گہہ بچھونے پر کبھی چادر کے کونے کونے پر
سلسلا یا جو پائنتی کی اور وہیں مسلا کر ایڑیوں کا زور
توشکاں ان رگڑوں میں سب پھاٹی ایڑیاں یوں رگڑتے ہی کاٹی

جھاڑتے جھاڑتے گیا سب بان — ساری کھاٹوں کی چولیں نکلیں ندان
نہ کھٹولا نہ کھاٹ سونے کو — پائے پٹی لگاتے کونے کو
سوتے تنہا نہ بان میں کھٹمل — آنکھ، منہ، ناک کان میں کھٹمل
اک ہتھیلی میں یک گھائی میں — سینکڑوں ایک چارپائی میں
ہاتھ کو چین ہو تو کچھ کہیے — کب تلک یوں ٹٹولتے رہیے
یہ جو بارش ہوئی تو آخر کار — اس میں سی سالہ دہ گری دیوار
دو طرف سے تھا کتوں کا ہتا — کاش جنگل میں جا کے میں بستا
ہو گھڑی دو گھڑی تو دھتکاروں — ایک دو کتے ہوں تو میں ماروں
چار جاتے ہیں چار آتے ہیں — چار عف عف سے مغز کھاتے ہیں
کس سے کہتا پھروں یہ صحبتِ نغز — کتوں کا سا کہاں سے لاؤں مغز
دن کو ہے دھوپ رات کو ہے اوس — خوابِ راحت یہاں سے سو سو کوس
قصہ کوتہ: دل اپنا کھوتا ہوں — رات کے وقت گھر میں ہوتا ہوں

نہ اثر بام کا نہ کچھ در کا
گھر ہے کاہے کا نام ہے گھر کا

(میر)

۳۸۔ جاڑے کا موسم

سردی اب کی برس ہے اتنی شدید
صبح نکلے ہے کانپتا خورشید

جتنا عالم تھا کاشمیر ہوا
بلکہ کہئے کہ زمہریر ہوا

اِن دنوں چرخ پر نہیں ہے مہر
گود میں کانگڑی رکھے ہے سپہر

کہر پڑنے کو کہتے ہیں سب یار
ٹھنڈ سے ہے جہاں کے دل میں غبار

لیک دیکھا جو غور کر کے میں آپ
نکلے ہے مُنھ سے آسماں کے بھاپ

دے ہے پوشش زمیں کو پالے جاڑ
پا بدامن ہیں جس قدر ہیں پہاڑ

پانی پر جس جگہ کہ کائی ہے
سبزہ وہ شال کی رضائی ہے

بس کہ یخ بستہ بحر میں ہے آب
برف کی ہے رکابی ہر گرداب

عکس پانی میں یوں ہے شکل پذیر
رہتی ہے زیر شیشہ جوں تصویر

نہیں ہے نہر باغ میں اس دم
بچۂ بط بھی یخ بچہ سے کم

تیغ سے کاٹتا ہے آب دہ چند
آب میں اس قدر ہوئی ہے گزند

اکڑے جاتے ہیں دیکھو سنبل کو
گٹھری ہو جائے گل کے غنچہ میں بو

دیکھو گل پر صبا نہیب برد
بھرتی پھرتی ہے ہر طرف دم سرد

گر پڑے برگ تاک مٹر کے تمام
بلبلیں مر رہیں اکڑ کے تمام

صرصر صبح جان کھوتی ہے
تیر سی دل کے پار ہوتی ہے

بادسے برگ کھڑکے ہیں اس بھانت
کہے تو باجتے ہیں دانت سے دانت

جس طرف اب نگاہ جاتی ہے
جو ہی جوں بید تھرتھراتی ہے

کانپتے ہیں درخت وارض وجبال
موسم دے ہے یار دیا بھونچال

آگ بھی ٹھنڈ سے ٹھرتی ہے
گودوں کے بیچ چھپتی پھرتی ہے

بے حرارت ہیں سردی کے مارے
طرح یاقوت کی اب انگارے

ہے یہ آفت چراغ تک در پے
لو گویا کہربائے شمع سے ہے

جاڑا لگنے کا نخ تلک ہے حرف
لپٹی رہتی ہے نمدوں ہی میں برف

ویں ہیں برباد ٹھنڈ سے یکدست
جو کوئی ہے سو آفتاب پرست

دن کی کٹتی ہے دھوپ میں اوقات
کالے کمبل میں رات کاٹے ہے رات

رعد سردی کے ہاتھ گرم فروش
ابر دوشِ ہوا پہ بالا پوش

برف پڑتی نہیں فلک سے نبات
پھینکے ہے واسطے زمیں کے لحاف

شب جو رخشندگی پہ برق آئے
ابر میں یوں ٹھٹھر کے رہ جائے

گر کسی شخص کو مرض ہے اب
تو وہ جاڑے ہی سے کرے کرتب

فردِ سرما سے دیکھیے جس کو
دست زیر بغل ہے مثلِ سبو

منعموں کے گھروں میں آج اور کل
ہیں پڑے پڑے دہکے ہے منقل

پہنتے ہیں سمور اور قاقم
ٹھنڈ سے کھینچتے بہم سو دم

اس پہ جاڑے سے ہے یہ اُن کا حال
ناک سے چھوٹتا نہیں رومال

جھینکنا جاڑے کا جو جھینکیں ہیں — اک سخن ہے تو لاکھ چھینکیں ہیں

کوئی اب جا سے ہل نہیں سکتا — گھر سے باہر نکل نہیں سکتا

پھر جو کوئی ندان نکلے ہے — ٹھنڈ کے مارے جان نکلے ہے

لپٹے رہتے ہیں روئی میں مجبور — جس طرح ناشپاتی و انگور

اہل حرفہ پہ کیجئے جو نگاہ — کاروبار اُن کا ہو گیا ہے تباہ

پیٹ کر سر کہے ہے بھٹیارہ — ہائے اب کیا کروں میں بیچارہ

سقا بولے ہے بھر کے آنکھوں میں اشک — یارو پانی نکالو چیر کے مشک

آہ قناد بھر کے یوں بولے — بنی سختی قند ہو گئے اولے

دیکھو حلوائی کو جو بیٹھے کہیں — برنی کچھ چھوٹ دکاں میں اُسکے نہیں

لگے ہے اب جو مرنے بیچارا — یہی کہتا ہے ٹھنڈ نے مارا

غرض ایسی ہی کچھ پڑی ہے ٹھنڈ — مٹ گیا زمہریر کا بھی گھمنڈ

سودا آخر ہے سردی کا مذکور — شعر بھی گر خنک ہوں رکھو معذور

آگے جاتا نہیں ہے اب بولا
ہو گئی ہے زبان بھی اولا

(سودا)

۳۹۔ شبِ سرما

اے زمستاں کہوں کس طرح تری رات کا لطف
تری شبہائے دراز اور وہ برسات کا لطف

ہے کوئی چھینٹ کا اوڑھے ہوئے فرغل بیٹھا
پر کھلائے ہوئے جیسے کوئی بلبل بیٹھا

اوڑھ بیٹھا کوئی سردی سے لحاف اپنا ہے
کوئی کر بیٹھا بچھونے کو غلاف اپنا ہے

کچھ لحافوں سے ابھی منھ کو نکالے ہیں پڑے
لیکن انگیٹھی کو پہلو میں سنبھالے ہیں پڑے

مارے سردی کے جگر سینوں میں تھراتے ہیں
بچے ماں باپ کی بغلوں میں گھسے جاتے ہیں

کہیں سُو سُو کہیں سی سی کہیں سیٹی ہے
گرد سب بیٹھے ہیں اور بیچ میں انگیٹھی ہے

بزمِ احباب کی صحبت کا مزہ ہے تجھ سے
سازِ عشرت کے تئے برگ و نوا ہے تجھ سے

شبِ سرما ہی میں ہے گانے بجانے کا مزا
پان کھانے کا گلوری کے چبانے کا مزا

یار حقے کے ترے دور میں ملتے ہیں مزے
دود تلخ اس کے سوا دودھ سے دیتے ہیں مزے

ہے جواں لیتا اسی شب میں جوانی کا مزا
اور جو بڈھا ہے تو لیتا ہے کہانی کا مزا

صوفی و رند کے جلسے کا تو ہی ساقی ہے
مایۂ عیش و طرب دم سے ترے باقی ہے

ہر طرف ہے گی پیالی پہ پیالی اُڑتی
مے نہ ہووے تو ہے تصویر خیالی اڑتی

بے نشے مست پڑے شکر خدا کرتے ہیں
چائے پی پی کے ترے سر کو دُعا کرتے ہیں

بس کر اے دل کہ نہیں لکھنے کی طاقت باقی
مارے سردی کے نہیں ہاتھ میں حالت باقی

میرے اللہ تو ہی اب ہے بچانے والا
تیرے آزاد کو پالے سے پڑا ہے پالا

آرزو کچھ نہیں دُنیا کی رہی ہے دل میں

طپش عشق سے دل میرا رہے نرم سدا
گرمیِ شعر و سخن سینہ رکھے گرم سدا

(آزاد)

۴۹ - موسمِ خزاں

گزر چکی تھیں بہاریں خزاں کا موسم تھا
کہ اتفاق سے میں اک چمن میں جا نکلا

عجیب حال گل و گلستاں نظر آیا
نگہ اُٹھا کے جدھر دیکھا آنکھ بھر لایا

وہ زرد زرد تھے رنگ آہ سبز پوشوں کے
کہ شکل دیکھی نہ جاتی تھی ان کی آنکھوں سے

کھڑے تھے بیکس و مجبور سے بچارے سے
لٹے لٹائے پریشان غم کے مارے سے

نہ موتیا، نہ چنبیلی، نہ موگرا دیکھا
برائے نام نہ غنچہ کوئی کھلا دیکھا

زباں دراز نہ سوسن کہیں نظر آئی
نہ آنکھ نرگسِ شہلا نے ہاتے دکھلائی

نہ سبزیاں نہ طراوت نہ تازگی نہ فضا
نہ خوشگوار ہوائیں نہ لطفِ نظارہ

روش روش پہ غضب اک تری سی چھائی ہوئی
خزاں کے ہاتھ سے اک خاک سی اڑاتی ہوئی

یہ بھید دیکھ کے دل میں بہت ہی پچھتایا
کہ آج اس جگہ کیوں سیر کو چلا آیا

یہاں نہ آتا تو ناحق ملال کیوں ہوتا
کسی کے حال کا مجھ کو خیال کیوں ہوتا

(حالی)

۴۱۔ موسمِ خزاں

آزمستاں کہو تو بادشہ برفانی　　شاہِ برفانی و شاہنشہ یخستانی
بادِ صرصر ہے نشاں تیرا اڑاتی آتی　　فوجِ اقبال کو رستہ ہے بتاتی آتی
جس طرف تیرے پھریرے کا ہے جھونکا جاتا　　مارے ہیبت کے ہے دل سینوں میں تھرا جاتا
باغ پر جب ہے ترے قہر کا جھونکا آتا　　ڈر کے ہر برگ ہے پیوندِ زمیں ہو جاتا
تیرے سناٹے سے ہوتی ہے فنا جانِ نبات　　خوف کے مارے دہل جاتے ہیں طفلانِ نبات
تھرتھراتے ہیں کھڑے سارے جوانانِ چمن　　منہ چھپاتے ہیں گل و سنبل و ریحانِ چمن
ہیں شجر سر پہ کھڑے خاک اڑاتے سارے　　گل و گلزار ہیں ویراں نظر آتے سارے
نغمہ سنجانِ چمن پر ہیں پھلائے بیٹھے　　اور پر و بال میں ہیں منہ کو چھپائے بیٹھے
باغباں کا جو گلستاں میں گزر ہوتا ہے　　لبِ حیرت سے یہی کہتا ہے اور روتا ہے
یاالٰہی وہ جوانانِ چمن ہو گئے کیا　　باغ سنسان ہے مرغانِ چمن ہو گئے کیا
رازِ غم کس سے کہے باغ میں بلبل بھی نہیں　　کان میں پوچھئے کس سے کہ وہاں گل بھی نہیں
نہ تو غنچہ کوئی باقی ہے کہ جو منہ کھولے　　نہ ہے گلزار میں سوسن جو زباں سے بولے
کہ درختانِ چمن باغ میں عریاں کیوں ہے
ہاتھ پھیلائے کھڑے ششدر و حیراں کیوں ہے

(آزاد)

۴۳ - آمد بہار

پھر اس انداز سے بہار آئی   ہو گئے مہر و مہ تماشائی
دیکھو اے ساکنانِ خطۂ خاک   اُس کو کہتے ہیں عالم آرائی
کہ زمیں ہو گئی ہے سر تا سر   روکشِ سطحِ چرخِ مینائی
سبزے کو جب کہیں جگہ نہ ملی   بن گیا روئے آب پر کائی
سبزہ و گل کے دیکھنے کے لئے   چشمِ نرگس کو دی ہے بینائی
ہے ہوا میں شراب کی تاثیر   بادہ نوشی ہے بادپیمائی

کیوں نہ دُنیا کو ہو خوشی غالبؔ
شاہِ دیندار نے شفا پائی

(غالبؔ)

۴۴ - آمد بہار

ہوا چاروں طرف اقصائے عالم میں پکار آئی
بہار آئی بہار آئی بہار آئی بہار آئی

بہار آئی دکھائی قادرِ مطلق کی شان اس نے
زمیں کی تہ میں جو مُردے تھے ڈالی ان میں جان اس نے

بہار آئی ہے نیچر اپنی نقاشی دکھاتا ہے
بہت رنگین نقشے سامنے آنکھوں کے لاتا ہے

جہاں سے مٹ گیا برگِ خزاں کا بدنما سکہ
بہار اب ڈھالتی ہے اشرفی کے پھول کا سکہ

ہوائے صبح اس کے ساتھ پنکھا جھلتی آتی ہے
ہنس پڑتی ہیں کلیاں جب یہ اُن کو منھ لگاتی ہے

پہاڑوں سے بہایا اس نے برفِ صاف پگھلا کر
رواں ہو کر دہی پانی سمندر میں ملا جا کر

شمیمِ باغ نے سیکھا چلن اترا کے چلنے کا
زمانہ آگیا پردہ سے سبزے کے نکلنے کا

دُلھن کی شکل ہر گُل نے لباسِ سُرخ پہنا ہے
شجر کے جسم پر کیا خوشنما پھولوں کا گہنا ہے

ہوا مشاطگی پر نیترِ اعظم جو آمادہ
سنوارا مختلف رنگوں سے دُنیا کا رُخِ سادہ

تعجب کیا جو ہیبت سے خزاں کے رُخ پہ زردی ہے
کہ وہ فوج اس پہ غالب آئی جس کی سُرخ وردی ہے

نکل آئے حجابِ ارض سے گُل پیرہن لاکھوں

کہیں ہیں سرو قد لاکھوں کہیں غنچہ دہن لاکھوں
پلاتی ہے شجر کو اوس اپنا دودھ لا لا کر
محبت سے ہوا منہ چومتی ہے بار بار آ کر
جڑیں اندر ہی اندر پھیل کر قوت پکڑتی ہیں
زمیں اُن کو جکڑتی ہے زمیں کو وہ جکڑتی ہیں
چمن اور دشت میں ہے ہر طرف انبار پھولوں کا
جدھر دیکھو زمیں پہنے ہوتے ہے ہار پھولوں کا
عیاں سبزہ پہ نعمت کی ادائیں کی ہیں سورج نے
بڑھا کر ہاتھ کرنوں کی بلائیں لی ہیں سورج نے
ہیں روشن چاندنی کے پھول یا تارے چمکتے ہیں
کھلے ہیں پھول لالہ کے کہ انگارے دمکتے ہیں
ہزاروں رنگ کی چڑیاں ہیں شکلیں خوشنما جن کی
ادائیں دلربا جن کی صدائیں نغمہ زن زا جن کی
بہار آنے سے خوش ہیں ہر طرف اتراتی پھرتی ہیں
ہوا تو ناچتی پھرتی ہر چڑیاں گاتی پھرتی ہیں
دیا ہے تتلیوں کو رزق کا سامان پھولوں نے
کیا بھونروں کو جوشِ فیض سے مہمان پھولوں نے

ہوا ہی نے کھلائے گل ہوا ہی پھر گراتی ہے
زمیں جس نے کیا پیدا وہی پھر اُن کو کھاتی ہے
غرض اے شوقؔ اترانا عبث ہے حسنِ فانی پر
گھمنڈ انساں کو نازیبا ہے دو دن کی جوانی پر

(شوقؔ قدوائی)

۴۴ - صبحِ بہار

واہ کیا پُر فضا ہے صبحِ بہار — واہ کیا دلفریب ہیں اشجار
ہر طرف ہیں شگفتہ لالہ و گل — ہے چمن پر غضب کا آج نکھار
شاخِ گل پر ہے بلبلوں کا ہجوم — کر رہی ستائشِ غفّار
کیا ہے پُر درد نالۂ قمری — کیسے دلکش ہیں نغمہائے ہزار
کہیں وہ شور و غل پپیہوں کا — کہیں وہ نالہ ہائے بلبلِ زار
کیا ہی دلکش ہے صبح کا عالم — رشکِ جنت ہے تختۂ گلزار
ہر طرف طائرانِ خوش الحان — شادمانی کا گا رہے ہیں ملہار
جس طرف دیکھو پُر فضا ہے سماں — جس طرف دیکھو سبز ہیں اشجار
کہیں بیلا چمیلی جوہی ہے — کاسنی کیتکی کہیں ہیں چنار
کہیں شبّو کہیں گلاب کے پھول — کہیں نسرین و نسترن کی بہار

کیسے سرسبز ہیں یہ برگ و شجر   کیسے شاداب ہیں گل و گلزار
نہ کہیں پر خزاں کا نام و نشاں   باغ سیراب سبز ہیں اشجار
چل رہی نسیم عنبر بیز   جس سے بشاش ہر دلِ بیمار
واہ کیا دلفریب منظر ہے
واہ کیا پُر فضا ہے صبحِ بہار

(آزادؔ)

۴۵۔ لطفِ بہار

اک دن گلستاں میں جو میرا گزر ہوا   لطفِ بہار و منظرِ بستاں تھا دلکشا
جادو بھرا تھا گل کا ادھر حسنِ جانفزا   بلبل ادھر ترانۂ الفت سے خوش نوا
سبزے کا فرش بادِ بہاری بچھا گئی
شبنم بھی موتیوں کا خزانہ لٹا گئی

کلیاں تھیں اک ادائے تبسم دکھا رہی   تھیں مسکرا کے بجلیاں گویا گرا رہی
بادِ صبا انہیں تھی کبھی گدگدا رہی   منہ چوم کر کبھی تھی گلے سے لگا رہی
شمشاد کے گلے کا کبھی ہار بن گئی
سنبل کے گیسوؤں کا کبھی تار بن گئی

شاخیں گلوں کی گاہ صبا تھی ہلا رہی   تھی طفلِ غنچہ کو کبھی جھولا جھلا رہی

مستانہ چال سے تھی کبھی لڑکھڑا رہی　　　انداز لغزشوں کے کبھی تھی دکھا رہی
سوسن کی ہمزباں تھی کبھی ہمکنار تھی
نسرین و نسترن کی کبھی رازدار تھی

تھیں خندہ ہائے گل میں عجب جاں نوازیاں　　　نالوں میں بلبلوں کے نہاں جاں گدازیاں
پیچے کے پیچ پیچ میں افسوں طرازیاں　　　نرگس کی چشم مست میں سحر سازیاں
کچھ کر رہی تھی غنچوں کو نرگس اشارتیں
آنکھوں سے تھی ٹپک رہی اس کی شرارتیں

مرغان بوستاں بھی بیتاب سر بسر　　　بیچین اڑ رہے تھے چمن میں ادھر ادھر
گویا وہ ڈھونڈھتے تھے کسی کو شجر شجر　　　قربان کر رہے تھے وہ دل شاخ شاخ پر
نرگس پہ نسترن پہ گل و سبزہ زار پر
شمشاد پر صنوبر و سرو و چنار پر

دھانی لباس پہنے عروس بہار تھی　　　زیب گلو کئے ہوئے پھولوں کے ہار تھی
ہر برگ گل سے شان جمال آشکار تھی　　　جوبن کے اس بہار پہ جنت نثار تھی
شہرت بہار حسن کی تھی آسمان پر
تعریف اس کی مرغ جناں کی زبان پر

(مبارک)

۴۶۔ بہار

شادابی ہوا میں یہ کیفیت اب کے ہو
سو رنگ کے شگفتہ ہیں گل شاخسار پر
اشجار جھومتے ہیں پڑے صحنِ باغ میں
تاک اینٹھتے ہیں سمت پڑے جوئبار پر
موجِ بہار لالۂ خود رو نے اے نسیم
کچھ آگ سی لگائی ہے کوہسار پر

(انشاء)

۴۷۔ جوشِ بہار

بہار لالہ و گل سے لگی ہے آگ گلشن میں
گریباں چاک کر چل بیٹھیے صحرا کے دامن میں
جنون کے جوش میں یکجا نہیں دم بھر قرار آتا
کبھی گلشن سے صحرا میں کبھی صحرا سے گلشن میں

(آتش)

۴۸۔ بادِ مُراد

چل اے بادِ بہاری ہمت کر آ
تمنائی ہے تیرا ہر گل و خار
نہال و نخل و سبزہ سب ہیں بے جاں
گیاہِ مردہ میں تو ڈال دے جاں
نہیں گلشن میں پتے کا بھی کھڑکا
ذرا شاخیں ہلا طائر کو بھڑکا

لپک تیزی سے اے بادِ بہاری
کہ ہو جائے چمن پر وجد طاری

جو تو لپکے تو سبزہ لہلائے
چمن کا بیل بوٹا سر ہلائے

لچک جائے کمر نازک شجر کی
زمیں پر جھک پڑے ڈالی ثمر کی

ٹپک جائے جو ہو پکا ہوا پھل
کہ شاخیں ہو رہی ہیں سخت بوجھل

سن بادِ صبا کیا خبر ہے
قلمرو میں تری کل بحر و بر ہے

ذرا کر دامنِ صحرا میں راحت
بہت کی تونے دریا کی سیاحت

لیں آب رام کر لوگوں کے گھر میں
رہی نادیر تو سیر و سفر میں

ترے ہمراہ چلے آتے ہیں پیہم
یہی ہیں کیا سفیرِ بحرِ اعظم

جلو میں ہے ترے اک فوج جرار
تو ہی ہے ابر کے لشکر کی سردار

اٹھایا ہے سمندر تونے سر پر
گھٹا کو لاد کر لائی کمر پر

تری تیزی سے ہیں بادل جھمکتے
ترے جھونکوں سے ہیں قطرے ٹپکتے

چمن میں اب ہے ٹھنڈی ہوا ہے
کبھی آہستہ رو موجِ صبا ہے

غبار و گرد سے جو اٹ گئی تھی
صبا نے غسل کا ساماں کیا ہے

ہوا نے کیا ہوا باندھی چمن میں
کہ خوبانِ چمن کا سر کھلا ہے

چمن کا تیہ تیہ ہے نوا سنج
صبا کی آمد آمد جا بجا ہے

گلوں کی ڈالیاں جھک جھک گئی ہیں
زمیں پر سبزہ کیسا لوٹتا ہے

کھلی ہر پنکھڑی گلہائے تر کی — صبا نے کان میں کیا کہہ دیا ہے
بکھیری نسترن پر زلفِ سنبل — صبا شوخی میں فتنہ ہو بلا ہو

گیاہِ سبز کا طرّہ پریشاں
صبا تیرے ہی چھیڑے سے ہوا ہو

کرا لے بادِ مراد آہنگ آفاق — جہاز سست رو ہی تیز مشتاق
پھریرے کو اڑا کس بادباں کو — کہ دیکھیں ساحلِ ہندوستاں کو
خلیج و آبناء و بحر ساحل — ترے دیکھے پڑے ہیں سب مراحل
مقامِ استوا سے تا بہ قطبین — تجھے جنبش نہیں دیتی کبھی چین

بہت کھوندے ہیں کوہ دشت تو نے
کیا بحرین کا گلگشت تو نے

تو ہی ہے اے نسیمِ صبح گاہی — مثالِ رحمتِ عامِ الٰہی
جہاں میں ہیں ترے الطاف حاوی — غریبوں اور امیروں پر مساوی
کبھی بنتی ہے ایسی تند پُرزور — معاذ اللہ معاذ اللہ ترا زور
اگر تو خشمگیں اے تند خو ہو — تہ و بالا جہازِ جنگجو ہو
کبھی دریا میں لے جائے بہا کر — کبھی ساحل پہ دے پٹکے اٹھا کر
اڑاتی ہے اسے تو راہ بے راہ — جہاز آگے ترے ہیں مثلِ پرکاہ
معاذ اللہ ترا طوفاں غضب ہے — تری تیزی نشانِ قہرِ رب ہے

اُجالا تو نے گلزار و چمن کو
ہلا ڈالا ہے جنگل اور بن کو

یہ چھیڑا نے میں کیا راگ تو نے
نیستاں میں لگا دی آگ تو نے

تری رفتار ہے بیباک کیسی
اڑاتی ہے زمیں کی خاک کیسی

یہ گل کترے ہیں تو نے بے تامل
کیا اک دم زدن میں شمع کو گل

کبھی گرمی سے گرما گرم ہے تو
کبھی سردی سے سرد و نرم ہے تو

چرا لیتی ہے تو پانی کو چھپ چاپ
نظر آتا نہیں جب بن گیا بھاپ

جو بادی چھد تی ایسی نہ ہوتی
نہ پاتے صبح کو شبنم کے موتی

خوشامد تیری خصلت میں نہیں ہے
تری تیزی برابر ہر کہیں ہے

اُجاڑا اگر کسی مفلس کا چھپر
اکھاڑا خیمہ و خرگاہِ لشکر

نہ در گزرے غریبوں کے مکاں سے
نہ جھجکے طرۂ تاجِ شہاں سے

نہیں کچھ تجھ کو خوفِ شانِ سلطاں
اُڑایا پردۂ ایوانِ سلطاں

کسی کا طرۂ طرار چھیڑا
کسی کا برقعِ زرتار چھیڑا

غرض دلچسپ تیری ہر ادا ہے
تری شوخی و چالاکی بجا ہے

(اسمٰعیل)

۴۹۔ گرمی کا موسم

گرمی سے تڑپ رہے تھے جاندار — اور دھوپ میں تپ رہے تھے کہسار
بُھوبل سے سوا تھا ریگِ صحرا — اور کھول رہا تھا آبِ دریا
تھی لوٹ سی پڑ رہی چمن میں — اور آگ سی لگ رہی تھی بن میں
سانڈے تھے بلوں میں منھ چُھپائے — اور ہانپ رہے تھے چارپائے
تھیں لومڑیاں زباں نکالے — اور لُو سے ہرن ہوئے تھے کالے
چیتوں کو نہ تھی شکار کی سُدھ — ہرنوں کو نہ تھی قطار کی سُدھ
تھے شیر پڑے کچھار میں سُست — گھڑیال تھے رودبار میں سُست
ڈھوروں کا ہوا تھا حال پتلا — بیلوں نے ڈال دیا تھا کندھا
بھینسوں کے لہو نہ تھا بدن میں — اور دُودھ نہ تھا گئو کے تھن میں
گھوڑوں کا چھٹا تھا گھاس دانہ — تھا پیاس کا اُن پہ تازیانہ
طوفان تھے آندھیوں کے برپا — اُٹھتا تھا بگولے پر بگولہ
آرے تھے بدن پہ لُو کے چلتے — شعلے تھے زمین سے نکلتے
تھی سب کی نگاہ سوئے افلاک — پانی کی جگہ برستی تھی خاک
پنکھے سے نکلتی جو ہوا تھی — وہ بادِ سموم سے سوا تھی
سات آٹھ بجے سے دن چھپے تک — جانداروں پہ دھوپ کی تھی دستک

ٹٹی میں دن تھا گنواتا کوئی | تہ خانہ منھ چھپاتا کوئی
بازار پڑے تھے سارے سنسان | آتی تھی نظر نہ شکلِ انسان
چلتی تھی دکان جس کی دن رات | بیٹھے تھے وہ ہاتھ پر دھرے ہاتھ
خلقت کا ہجوم اگر کچھ تھا | یا پیاؤ یا سبیل پر تھا
پانی سے تھی سب کی زندگانی | میلا تھا وہاں جہاں تھا پانی
تھیں برف پہ نیتیں لپکتی | فالودے پہ رال تھی ٹپکتی
تھے جو خفقانی اور مراقی | گرمی سے نہ تھا کچھ اُن میں باقی
کھانے کا نہ تھا اُنہیں مزہ کچھ | آٹھ آٹھ پہر نہ تھی غذا کچھ
بن کھائے کئی کٹے دن اکثر | رہتے تھے فقط ٹھنڈائیوں پر
شب کٹتی تھی ایڑیاں رگڑتے | مر پٹ کے صبح تھے پکڑتے
بچوں کا ہوا تھا حال بے حال | کملائے ہوئے تھے پھول سے گال
آنکھوں میں تھا اُن کے پیاس سے دم | تھے پانی کو دیکھ کرتے مُم مُم
پانی دیا گر کسی نے لا کر | پھر چھوڑتے تھے نہ مُنھ لگا کر
تخصیص تھی کچھ نہ میری تیری | پانی سے نہ تھی کسی کو سیری
کل شام تلک تو تھے یہی طور | پر رات سے ہے سماں ہی کچھ اور
پُروا کی دُہائی پھر رہی ہے | پچھوا سے خدائی پھر رہی ہے
برسات کا بج رہا ہے ڈنکا | اک شور ہے آسماں پہ برپا

۵۰۔ گرمی کا موسم

مئی کا آن پہنچا ہے مہینہ
بہا چوٹی سے ایڑی تک پسینہ

بجے بارہ تو سورج سر پہ آیا
ہوا پیروں تلے پوشیدہ سایہ

چلی لُو اور تڑاقے کی پڑی دھوپ
لپٹ ہے آگ کی گویا کڑی دھوپ

زمیں ہے یا کوئی جلتا توا ہے
کوئی شعلہ ہے یا پچھوا ہوا ہے

در و دیوار ہیں گرمی سے تپتے
بنی آدم ہیں مچھلی سے تڑپتے

پرندے اُڑ کے ہیں پانی پہ گرتے
چرندے بھی ہیں گھبراتے سے پھرتے

درندے چھُپ گئے ہیں جھاڑیوں میں
مگر ڈوبے پڑے ہیں کھاڑیوں میں

نہ پوچھو کچھ غریبوں کے مکاں کی
زمیں کا فرش ہے چھت آسماں کی

نہ پنکھا ہے نہ ٹٹی ہے نہ کمرہ
ذرا سی جھونپڑی محنت کا ثمرہ

امیروں کو مبارک ہو حویلی
غریبوں کا بھی ہے اللہ بیلی

(اسماعیل)

۵۱۔ شب گرما

بچھا صحن میں تھا بڑا سا جو تخت
وہاں آ کے بیٹھا وہ فرخندہ بخت

لگا سامنے آ کے دستار خوان — بہم کھا کھلا کر ہوئے شادماں

فراغت ہوئی کھانے پینے سے جب — بچھونوں پہ آئے قرینے سے تب

برابر برابر بچھے تھے پلنگ — پڑیں چادریں اُن پہ مہتاب رنگ

فلک نیلگوں رنگ نکھرے ہوئے — ستارے تمام اُن پہ بکھرے ہوئے

چمک کر چڑھا چرخ پر چاند تھا — کہ سورج کا منہ کر دیا ماند تھا

اِدھر چاندنی نور پھیلا رہی — سیاہی اُدھر رنگ دکھلا رہی

وہ چھائی رات تاروں بھری — کہ چادر ہو جیسے ستاروں بھری

پلنگڑی پہ لڑکا تھا لیٹا ہوا — کہ بیٹا تھا شکرؔ لپیٹا ہوا

پدر تھا جو تاریخ کا رازداں — سناتا تھا ہر دم نئی داستاں

دیا یہ مزہ اِن حکایات نے — کہ انگڑائی گردوں پہ لی رات نے

ہوا آ کے پنکھا ہلانے لگی — ہر اک کو غرض نیند آنے لگی

تھکے ماندے دن بھر کے تھے ہو رہے — ڈوپٹے لیئے تان اور سو رہے

بیاں کیا کروں رات کی شان کا — زمانہ میں عالم ہے سُنسان کا

پڑا نیند میں مست سارا جہاں — نہ تھے چور باقی نہ تھے پاسباں

پڑے ایسے سب سوئے مدہوش تھے — کہ گھڑیال تک بھی تو خاموش تھے

درختوں میں تھیں جو گزرتی ہوائیں — زمانہ پڑا کرتا تھا سائیں سائیں

شبِ تار بھی نیند میں آن کر — سیہ چادر اپنی پڑی تان کر

ہمیشہ زمانہ کا دستور ہے — اندھیرے سے کرتا عیاں نور ہے
کہ چمکا ستارہ سحرگاہ کا — ہوا رنگ پھیکا رُخِ ماہ کا
ستاروں کی آنکھیں جھپکنے لگیں — تعجب سے مشرق کو تکنے لگیں
شبِ تار کا رنگ فق ہوگیا — چراغِ سحر جاں بحق ہوگیا
سحر کے جو عالم نمودار تھے — دھوئیں اُڑ رہے تھے شبِ تار کے
لگے بولنے سب سحر کے طیور — گئی اُن کی آواز نزدیک و دُور
وہ لڑکا تھا جو بسترِ خواب میں — ستارہ ہو جوں چادرِ آب میں

اُٹھا کر کہا اُس نے تکیہ سے سر
سَلَامٌ عَلَیْکُم مُبارک سحر

(آزاد)

۵۲- جاڑہ اور گرمی

ایک دن جاڑے نے گرمی سے کہا — میں بھی ہوں کیا خوب موسم واہ وا
ہے بجا گر کیجئے میری صفت — ہے روا گر کیجئے میری ثنا
میں جہاں میں ہوں زبس ہر دل عزیز — مانگتے ہیں میرے آنے کی دعا
میرے آنے سے نہ ہو کیوں خرمی — کیا خنک پانی ہے کیا ٹھنڈی ہوا
چاندنی ہے بے کدورت بے غبار — آسماں ہے صاف نیلا خوشنما

رات گرمی کی تو کچھ ہوتی نہ تھی — دن کی محنت سب کو دیتی تھی تھکا
میری آمد نے کیا شب کو دراز — میرے آنے نے دیا دن کو گھٹا
تو مسافر کا جھلس دیتی تھی منھ — اور زمیں تلووں کو دیتی تھی جلا
اب ہوا بھی اور زمیں بھی سرد ہے — کھو دیا میں نے حرارت کا پتا
مل گئی کتنے بکھیڑوں سے نجات — ٹٹیاں موقوف پنکھا چھوٹ گیا
دھوپ کا ڈر ہے نہ لُو کا خوف ہے — ان دنوں کی دھوپ ہے گویا غذا
سورج اب کترا کے جاتا ہے نکل — فصلِ تابستاں میں تھا سر پر چڑھا
ہے حضر میں آج کل عیش و نشاط — ہے سفر بھی ان دنوں راحت فزا
میرے دم سے تندرستی بڑھ گئی — پائی مدت کے مریضوں نے شفا
ڈاکٹر صاحب کو فرصت مل گئی — اب شفاخانہ میں ہے کم جمگھٹا
ضعفِ معدہ کی شکایت مٹ گئی — بے دوا خود بڑھ گئی ہے اشتہا
مکھیاں بھی رہ گئیں ہیں خال خال — بے تکلف اب ہے کھانے کا مزا
گرم پوشاکوں نے اب پایا رواج — میں نے بخشا آن کر خلعت نیا
سل گئے توشک لبادے اور لحاف — درزیوں نے پایا محنت کا صلہ
میرے ہوتے کون پوچھے برف کو — باسی پانی برف کا بھی ہے چچا
ندی نالوں کا گیا پانی نتھر — جھیل اور تالاب نے پائی صفا
طالب علم اب کریں گے کوششیں — کوششوں سے ہوگا پورا مدعا

ٹھیک وقت اِن ورزشوں کا ہے یہی — تندرستی کا ہے جن سے فائدہ
حاکموں نے کر دیا دورہ شروع — تا کریں دردِ رعایا کی دوا
جا بجا فوجیں ہوئی ہیں مجتمع — تا کہ میداں میں کریں مشقِ وغا
سیب، نارنگی، بہی، لیموں، انار — میوہ ہر اک قسم کا بکنے لگا
تخم ریزی جنسِ اعلیٰ کی ہوئی — کھیت میں بویا گیا گیہوں چنا
عید کی سی دھوم ہے دیہات میں — پک گئی ایکھ اور کولھو چل پڑا
ہے مٹھائی کی نہایت ریل پیل — چل رہی ہے آج کل میٹھی ہوا
انس ہے محنت مشقت سے مجھے — کاہلی کو میں نہیں رکھتا روا

محنتی ہیں مجھ سے خوش میں اُن سے خوش
کاہلوں کا میں نہیں ہوں آشنا

سُن کے یہ باتیں ہوئی گرمی بھی تیز — اور جل کر یوں جواب اُس کو دیا
آپ اپنے منہ میاں مٹھو نہ بن — خود ستائی عیب ہے او خود ستا
اُس کو ہونا ہی نہیں حاصل کمال — جو کہ اپنے آپ کو سمجھے بڑا
با ہنر تو سرکشی کرتے نہیں — بلکہ سر کو اور دیتے ہیں جھکا
تیری خود بینی ہوئی تجھ کو حجاب — خوبیوں کو میری سمجھا بدنما
تجھ سے عالم میں خزاں کا ہے ظہور — مجھ سے ہے فصلِ بہاری کی بنا
تو نے شاخوں کے لیے پتے کھسوٹ — تو نے پیڑوں کو برہنہ کر دیا

میرے آنے سے پھلے پھولے شجر
سبز پوشاک اُن کو کی میں نے عطا

میں نے شاخوں میں لگائے برگ و بار
ورنہ کیا تھا ان میں ایندھن کے سوا

کھیت جاڑے بھر تو کچے ہی رہے
ہاں مگر میں نے دیا اُن کو پکا

تو نے رکھے تھے بخیلوں کی طرح
برف کے تودے پہاڑوں میں چھپا

میں نے گھلا کر کیا تقسیم اسے
تاکہ پہنچے سب کو فیض و فائدہ

خشک چشمے بھر گئے دریا چڑھے
دیکھ لے میرا کرم میری سخا

تجھ سے تھی مخلوق میں افسردگی
کون خوش تھا جز گروہِ اغنیا

میری آمد نے مساوی کر دیئے
راحت و آرام میں شاہ و گدا

کر دیا میں نے رگوں میں خوں رواں
ٹھنڈے شل ہو گئے تھے دست و پا

میں نے کھولے آن کر تن کے مسام
کیونکہ رکتا تھا پسینہ کا بُرا

پھینک دی اب دلق کہنہ خلق نے
غلغلہ جو میری آمد کا سنا

رات بھر رہتی تھی خلقت گھر میں بند
کر دیا اس بند سے میں نے رہا

میں نے حکمت سے چلائیں آندھیاں
تا بدل جائے مکانوں کی ہوا

میں سمندر سے اٹھاتی ہوں بخار
جس سے چھا جاتی ہے ملکوں پہ گھٹا

چہرۂ گردوں کا یہ گرد و غبار
ابر کے آنے کا دیتا ہے پتہ

رات پہ دن کو نہ کیوں ترجیح دوں
رات ہے تاریک دن ہے پُرضیا

ہے ہمیشہ ابتدا میری بھلی
ہے سدا برسات میری انتہا

تھیں بہت دونوں کی تقریریں دراز
اور طولانی بیانِ ماجرا

سُن کے اِن دونوں کی یہ کج بحثیاں
ایک دانا نے کیا یوں فیصلہ

کچھ نہیں ہے اس میں جاڑے کا قصور
کچھ نہیں ہے اس میں گرمی کی خطا

جب حقیقت پر نہیں ہوتی نظر
یوں ہی رہتا ہے بہم شکوہ گلا

ہے حرارت کی کمی بیشی فقط
ورنہ جاڑا کون اور گرمی ہے کیا

(اسمٰعیل)

۵۳ - خدا کی صنعت

جو چیز خدا نے ہے بنائی
ظاہر ہے اس میں خوشنمائی

کیا خوب ہے رنگ ڈھنگ سب کا
چھوٹی بڑی ہیں جس قدر اشیا

ہر چیز کی ہے ادا نرالی
حکمت سے نہیں ہے کوئی خالی

ننھی کلیاں چھٹک رہی ہیں
چھوٹی چڑیاں پھدک رہی ہیں

اُس کی قدرت کے پھول مہکے
پھولوں پہ پرندے آکے چہکے

چڑیوں کے عجیب پر لگائے
اور پھول ہیں عطر میں بسائے

چڑیوں کی ہے بھانت بھانت آواز
پھولوں کا جُدا جُدا ہے انداز

محلوں میں امیر ہے بآرام
ہے در پہ کھڑا غریب ناکام

ہے کوئی غنی تو کوئی محتاج
بے گھر ہے کوئی کسی کے گھر راج

روزی دونوں کو دی خدا نے
معمور ہیں قدرتی خزانے

دن کو بخشی عجب صفائی
تاروں بھری رات کیا بنائی

موتی سے پڑے بجے ہیں لاکھوں
ہیرے سے جڑے ہوئے ہیں لاکھوں

کیا دودھ سی چاندنی ہے چھٹکی
حیران ہو کر نگاہ بھٹکی

تارے رہے صبح تک نہ وہ چاند
آگے سورج کے ہو گئے ماند

نیلا نیلا اب آسماں ہے
وہ رات کی انجمن کہاں ہے

شام آئی تو اس نے پردہ ڈالا
پھر صبح نے کر دیا اُجالا

جاڑا، گرمی، بہار، برسات
ہر رُت میں نیا سماں نئی بات

جاڑے سے بدن ہے تھرتھراتا
ہر شخص دن میں ہے دھوپ کھاتا

سردی سے ہاتھ پاؤں ہیں ٹھٹھرتے
سب لوگ الاؤ پر ہیں گرتے

سرسوں پھولی بسنت آیا
سب نے پھاگن کا راگ گایا

پھوٹیں کونپلیں نئی شجر میں
اک جوش بھرا ہوا ہے سر میں

جاڑے کی جو رُت پلٹ گئی ہے
دن بڑھ گیا رات گھٹ گئی ہے

گرمی نے زمین کو تپایا
بھانے لگا ہر کسی کو سایا

برسات میں دل ہیں بادلوں کے
ٹھنڈے ٹھنڈے ہوا کے جھونکے

رَو آئی ہے زور شور کرتی
دامانِ زمین کو کترتی

کس زور سے بہہ رہا ہے نالہ — اونچے ٹیلے کو کاٹ ڈالا
بَل کھا کے ندی نکل گئی ہے — رُخ اپنا اُدھر بدل گئی ہے
دریا ہے رواں پہاڑ کے پاس — بستی ہے بسی اُجاڑ کے پاس
بستی کے اِدھر اُدھر ہے جنگل — جنگل ہی میں ہو رہا ہے منگل
مٹی سے خدا نے باغ اُگائے — باغوں میں اسی نے پھل لگائے
میوے سے لدی ہوئی ہے ڈالی — دانوں سے بھری ہوئی ہے بالی
سبزے سے ہرا بھرا ہے میداں — اونچے اونچے درخت ذی شاں
روشن آنکھیں بنائیں دو دو — قدرت کی بہار دیکھنے کو

ہر شے اُس نے بنائی نادر
بیشک ہے خدا قوی و قادر

(اسمٰعیل)

۵۴- خدا کی کاریگری

تعریف اُس خدا کو جس نے جہاں بنایا — کیسی زمیں بنائی کیا آسماں بنایا
پیروں تلے بچھایا کیا خوب فرش خاکی — اور سر پہ لاجوردی اک سائبان بنایا
مٹی سے بیل بوٹے کیا خوشنما اُگائے — پہنا کے سبز خلعت اُن کو جواں بنایا
خوش رنگ اور خوشبو گل پھول ہیں کھلائے — اس خاک کے کھنڈر کو کیا گلستاں بنایا

میوے لگائے کیا کیا خوش ذائقہ رسیلے — چکھنے سے جن کے مجھ کو شیریں دہاں بنایا
سورج سے ہم نے پائی گرمی بھی روشنی بھی — کیا خوب تو نے چشمہ اے مہرباں بنایا
سورج بنا کے تو نے رونق جہاں کو بخشی — رہنے کو یہ ہمارے اچھا مکاں بنایا
پیاسی زمیں کے منہ میں مینھ کا چوایا پانی — قدرت نے تیری اُن کو تسبیح خواں بنایا
تنکے اُٹھا اُٹھا کے لائیں کہاں کہاں سے — کس خوبصورتی سے پھر آشیاں بنایا
اُونچی اُڑیں ہوا میں بچوں کو پر نہ بھولیں — اِن بے پروں کا اُن کو روزی رساں بنایا
کیا دُودھ دینے والی گائیں بنائی تو نے — چڑھنے کو میرے گھوڑا کیا خوشنما بنایا
رحمت سے تیری کیا کیا ہیں نعمتیں میسّر — اِن نعمتوں کا مجھ کو پھر قدرداں بنایا
آبِ رواں کے اندر مچھلی بنائی تو نے — مچھلی کے تیرنے کو آبِ رواں بنایا

ہر چیز سے ہے تیری کاریگری ٹپکتی
یہ کارخانہ تو نے کب رائگاں بنایا

(اسمٰعیل)

۵۵۔ ہندوستان کے پھول

فصلِ بہاری آئی چمن میں — پھول کھلائے دشت و دمن میں
قدرت کی یہ رنگ آمیزی — سبزہ و گل کی رستاخیزی
گلِ عباس کی یہ رنگینی — خوشبو کی بھینی بھینی

کہیں ہے لالہ کہیں ہے خیری | کہیں ہے گیندا کہیں دوپہری
مدن مست کی بو متوالی | مولسری کی باس نرالی
جاہی جوہی اور چنبیلی | چنپا کی خوشبو البیلی
سادنی اپنے رنگ میں ماتی | ادھر مالتی ہے اتراتی
ودنا مروا اور ہزارا | رنگ اشرفی سب سے پیارا
نافرمان اور گلِ داؤدی | رنگت زرد سنہری اودی
ٹیسو پھولا جنگل دہکا | کیوڑے سے سارا بن مہکا

تالابوں میں کنول کھلا ہے
اور سنگھاڑا خوب پھلا ہے

(علی میاں کنتوری)

دیگر

ہے اس مملکت کی عجب گل زمیں | کہیں پھول یاں کے سے ہوتے نہیں
دل بستہ دیکھ اُن کو ہو باغ باغ | جو سونگھے تو بھر جائے بو سے دماغ
گندھے بن گندھے گرد محفل میں آئیں | تو مجلس کو عالم چمن کا بنائیں
کروں وصف کیا مونگرے کا بیاں | رہے بزم میں اس کی نت دل پہل
بہت موتیا کی پیاری ہے بو | ہر اک گل سے اُس کی نیازی ہے بو

نواڑے کی از بسکہ میٹھی ہے لَو | دلوں کو وہ مقبول کیونکر نہ ہو
خدا سب سے دو پہر کا ہے روپ | کہاں اس کی رنگت کو لگتی ہے دھوپ
گلوں سے نرالا ہے گُل چاندنی | چمن کا اُجالا ہے گُل چاندنی
ہر اک گل کا ہے رنگ عالم جُدا | نہیں لُطف سے کوئی خالی ذرا
جسے دیکھئے ہر طرح خوب ہے | طبیعت کو ہر اک کی مرغوب ہے
ہوئے سستے یوں تاکہ پہنے منگا | زنِ بے نوا و زنِ بادشاہ

جو عالم دکھاتے ہیں دمڑی کے پھول
وہ ہرگز نہ ہو موتیوں سے حصول

۹

۵۶- کنجِ عزلت

دُنیا کی محفلوں سے اکتا گیا ہوں یارب
کیا لُطف انجمن کا جب دل ہی بجھ گیا ہو

شورش سے بھاگتا ہوں دل ڈھونڈتا ہے میرا
ایسا سکوت جس پر تقریر بھی فدا ہو

مرتا ہوں خامشی پر یہ آرزو ہے میری
دامن میں کوہ کے اک چھوٹا سا جھونپڑا ہو

لذت سرود کی ہو چڑیوں کے چہچہوں میں
چشمے کی شورشوں میں باجا سا بج رہا ہو

آغوش میں زمیں کے سویا ہوا ہے سبزہ
پھر پھر کے جھاڑیوں میں پانی چمک رہا ہو

گل کی کلی چٹک کر پیغام دے کسی کا
ساغر ذرا سا گویا مجھ کو جہاں نما ہو

صف باندھے دونوں جانب بوٹے ہرے ہرے ہوں
ندی کا صاف پانی تصویر لے رہا ہو

ہو دل فریب ایسا کہسار کا نظارہ
پانی بھی موج بن کر اٹھ اٹھ کے دیکھتا ہو

مہندی لگائے سورج جب شام کی دلہن کو
سرخی لیے سنہری ہر پھول کی قبا ہو

راتوں کو چلنے والے رہ جائیں تھک کے جس دم
امید ان کی میرا ٹوٹا ہوا دیا ہو

پچھلے پہر کی کوئل وہ صبح کی مؤذن
میں اس کا ہمنوا ہوں وہ میری ہمنوا ہو

کانوں پہ ہو نہ میرے دیر و حرم کا احساں

روزن ہی جھونپڑی کا مجھ کو سحر نما ہو
پھولوں کو آئے جس دم شبنم وضو کرانے
رونا مرا وضو ہو نالہ مرا دعا ہو
دل کھول کر بہاؤں اپنے وطن پہ آنسو
سرسبز جن کی نم سے بوٹا امید کا ہو
اس خامشی میں جائیں اتنے بلند نالے
تاروں کے قافلے کو میری صدا درا ہو
ہر درد مند دل کو رونا مرا رلا دے
بیہوش جو پڑے ہیں شاید انہیں جگا دے

(اقبال)

۵۷- باغ

دیا شہ نے ترتیب اک خانہ باغ
ہوا رشک سے جس کے لالہ کو داغ
عمارت میں خوبی دروں کی نہ شان
لگے جس میں زربفت کے سائبان
چھتیں اور پردے بندھے زرنگار
دروں پہ کھڑی دست بستہ بہار
کوئی ڈورے سے در پہ اٹکا ہوا
کوئی زہ پہ خوبی سے لٹکا ہوا
وہ مقیش کی ڈوریاں سربسر
کہ مہ کا بندھا جس سے تارِ نظر

چقوں کا تماشا تھا آنکھوں کا جال — نگہ کو وہاں سے گزرنا محال
سنہری مغرق چھپیں ساریاں — وہ دیوار اور در کی گل کاریاں
دبیٔے ہر طرف آئینے جو لگا — گیا چوگنا تکلف اس میں سما
وہ مخمل کا فرش ایسا ستھرا کہ بس — بچھے جس کے آگے نہ پلئے ہوس
رہیں غلنچے اس میں روشن مدام — معطر شب و روز جس سے مشام
چھپر کھٹ مرصع وہ دالان میں — چمکتا دمکتا تھا ہر آن میں
زمیں پر تھی اس طور اس کی جھلک — ستاروں کی جیسے فلک پر چمک
زمیں کا کروں کیا میں اسکی بیاں — کہ صندل کا اک پارچہ تھا عیاں
بنی سنگ مرمر کی چوپڑ کی نہر — گئی چار سو اس کے پانی کی لہر
کھڑے تھے قرینے سے سرو سہی — ذرا دور دور اُن سے سیب بہی
کہوں کیا میں کیفیت داربست — لگاتے رہیں تاک ان کے پرست
ہوائے بہاری سے کچھ ہلیے — چمن سارے شاداب اور ڈہڈہے
زمرد کی مانند سبزے کا رنگ — روش پر جواہر لگا جیسے سنگ
روش کی صفائی پہ بے اختیار — گل اشرفی نے کیا گل نثار
چمن سے بھرا باغ گل سے چمن — کہیں نرگس و گل کہیں یاسمن
چنبیلی کہیں اور کہیں موتیا — کہیں رائے بیل اور کہیں مونگرا
کھڑے شاخ شبو کے ہر جا نشان — مدن بان کی اور ہی آن بان

کہیں ارغواں اور کہیں لالہ زار — جُدی اپنے موسم میں سب کی بہار
کہیں جعفری اور گیندا کہیں — سماں شب کو داؤدیوں کا کہیں
عجب چاندنی میں گلوں کی بہار — کہ ہر اک سفیدی سے فنابار
کھڑے سرو کی طرح چنپا کے جھاڑ — کہے تو کہ خوشبوئیوں کے پہاڑ
کہیں زرد نسریں کہیں نسترن — عجب رنگ کے زعفرانی چمن
پڑا آب جو ہر طرف کو بہے — کریں قمریاں سرو پر چہچہے
گلوں کا لب نہر پر جھومنا — اسی اپنے عالم میں مُنہ چُومنا
وہ جھک جھک کے گرنا خیاباں پر — نشے کا سا عالم گلستان پر
نئے ہاتھ میں بیلچے مالنیں — چمن کو لگیں دیکھنے بھالنے
کہیں تخم پاشی کریں کود کر — پنیری جما دیں کہیں کھود کر
کھڑے شاخ در شاخ باہم نہال — رہیں ہاتھ جوں مست گردن میں ڈال
لبِ جو پہ آئینے میں دیکھ قد — اکڑنا کھڑے سرو کا حد نہ تد
خراماں صبا صحن میں چار سو — دماغوں کو دیتی ہر اک گل کی بو
کھڑے نہر پر قاز اور قرقرے — لئے ساتھ مرغابیوں کے پرے
صدا قرقروں کی بطوں کا وہ شور — درختوں پہ بگلے منڈیروں پہ مور
چمن آتشِ گل سے دہکا ہوا — ہوا کے سبب باغ مہکا ہوا
صبا جو گئی ڈھیریاں کر کے پھول — پڑے ہر طرف مولسریوں کے پھول

وہ کیلوں کی اور مولسریوں کی چھاؤں — لگی جائیں آنکھیں نئے جن کا ماؤں
خوشی سے گلوں پر صدا بلبلیں — تعشق سے آپس میں باتیں کریں
درختوں نے برگوں کے کھولے ورق — کہ لیں طوطیاں بوستاں کا سبق
سماں قمریاں دیکھ اس آن کا
پڑھیں باب پنجم گلستاں کا

(میر حسن)

۸۵ - باغ

دیکھا اِک باغ قدرت نے لگایا ہے وہاں — گلِ خود رو نے عجب جلوہ دکھایا ہے وہاں
مخملِ سبز سے ہے سبزۂ تر پا انداز — رنگِ گل اس میں دکھاتے ہیں تماشا انداز
بر سرِ کوہ جو پانی کا ہے چشمہ جاری — نہر بن بن کے دکھاتا ہے عجب سرشاری
آب یوں سر ہے بدامانِ جبل مار رہا — سانپ سیماب کا ہو جیسے کہ بل مار رہا
سنگِ مرمر کی لبِ آب جو اِک سِل ہے پڑی — اس پہ اک شاک پری ہاتھ میں گلو کی چھڑی
رنگِ رُخ کو گلِ رخسار سے چمکائے ہوئے — بیٹھی اِک پاؤں کو پانی میں ہے لٹکائے ہوئے
اس پہ ہے چھتر کی جا سایہ فگن سبز نہال
پھول برساتی ہے پہلو میں کھڑی بادِ شمال

(آزاد)

۵۹- باغ بنگلہ

باغ ہے پر عجیب ہے یہ روداد
نہ کوئی آدمی نہ آدم زاد

گل ہیں سب اپنے اپنے جوبن پر
بوئے گُل ہے صبا کے توسن پر

ہے عجب پُر شگوفۂ در پر گُل
باغ رنگین جس سے ہے بالکل

ہے عجب لُطف پر بہارِ چمن
جھومتے ہیں کھڑے نہالِ چمن

سبزہ یک جا پہ لہلہاتا ہو
پیچ سنبل کہیں پہ کھاتا ہے

مالتی کھل رہی جو ہر سو ہے
کچھ عجب بھینی بھینی خوشبو ہے

آب پاشی سے سبزہ لائق دید
سبز مخمل پہ جیسے مروارید

پھول اک ایک اس میں بوقلموں
ہو جسے دیکھ آدمی کو جنون

وہ سہانا سہانا وقتِ زوال
لُطف گلشن سے ہر شجر ہے نہال

باغ چھوٹا سا پیارے پیارے چمن
گُل تو گُل پتی پتی پہ جوبن

بیچ میں ایک بنگلہ ہے خس کا
فرش جس میں تمام اطلس کا

چار جانب سے آتی ہے خوشبو
کہیں جوہی کھلی کہیں شبّو

ہر چمن پر نئی طرح کی بہار
پھولا اک سمت کو ہے ہار سنگھار

سب چمن اپنے اپنے رنگ کے ہیں
پھول کچھ چین کچھ فرنگ کے ہیں

قفسِ طائرانِ تیز زباں
ہیں قرینوں سے اپنے آویزاں

گل جو چاروں طرف مہکتے ہیں
مست ہو ہو کے سب چہکتے ہیں

(مرزا شوق)

۶۰- آرائش باغ

نظر آیا دونوں کو اک خانہ باغ — کہ بلبل کا دل جس کی فرقت میں داغ
مصفا وہ نہر اس میں اک بے عدیل — کہے تو کہ ہے موجزن سلسبیل
ہزاروں سے یوں اس کے پانی رواں — کہ برسائے مینہ جس طرح آسماں
تھی سرسبز ہر سبزوں میں مہندی جہاں — وہ گویا زمرد کی تھیں ٹٹیاں
تھی سوسن کی رنگت اس اسلوب کی — خجل جس سے مستی ہو محبوب کی
شجر اس کے تھے سب کے سب باثمر — قرینوں سے سب کچھ ادھر کچھ ادھر
روش صاف صاف آئینہ کی مثال — شجر وہ کہ گلچیں ہو جس سے نہال
ہوا کے وہ جھوکے عجب سرد سرد — کہ کشمیر کا تختہ جس سے ہو زرد
وہ انگور کی ایک طرح دار بیل — جوانوں کو مستی ہو لڑکوں کو کھیل
وہ بلبل کے نالوں کی ہر سمت دھوم — وہ ہر سرو پر قمریوں کا ہجوم
وہ نہروں کا پانی چمکتا ہوا — پھرے مست جیسے بہکتا ہوا
درختوں پہ بیٹھے ہوئے وہ طیور — دلوں کو ہو جن کی صدا سے سرور

پپیہے کی آواز لیتی تھی جاں
ہوکتا تھا چلا کے جب پی کہاں

تھی حالت عجب جانِ مایوس کی
صدا جب کہ آتی تھی طاؤس کی

عجب دل پہ ہوتا تھا وحشت کا زور
منڈیروں پہ جب رقص کرتے تھے مور

(مرزا شوقؔ)

۶۱- بہارِ چمن

مجھ کو نہ دے ہمصفیر مژدۂ فصلِ بہار
آہ کہ صیاد کے دل پہ نہیں اختیار

یاد ہے وہ دن کہ جب باغ میں تھا آشیاں
آہ وہ طرفِ چمن اور وہ سرِ شاخسار

لالۂ حمرا کا رنگ اور وہ سبزہ کا روپ
گوہرِ شبنم کی آب شاہدِ گل کا سنگھار

رنگِ شفق کی نمود، نورِ سحر کا ظہور
چرخ کی نیرنگیاں، شام و سحر آشکار

ابرِ سیہ کا ہجوم، اور وہ مینہ کا زور
رعد کا وہ زور شور، اور وہ چمک بار بار

غنچۂ نشگفتہ کی چار طرف وہ مہک
جیسے کوئی کھول دے نافۂ مشکِ تتار

گل بہ سرِ شاخسار، یوسفِ مصرِ چمن
سروِ لبِ جوئبار، مثلِ خضر آب دار

باغ کی سرسبزیاں، نخل کی سیرابیاں
پھول کی شادابیاں، ابرِ بہار آبیار

موجِ ہوا سے درخت ہلتے ہیں یوں باغ میں
جیسے کہ رند سبز پوش، لطف سے ہوں ہمکنار

دیدۂ نرگس ہے یوں، شاہدِ گل کی طرف
جیسے کوئی منتظر، محوِ تماشائے یار

باغ میں گل چھپ کو دخل اور نہ صیاد کو ۔۔۔ رحمت پروردگار چار طرف تھی حصار

ہم سے نہ تھا باغباں پر سرگیں فساد ۔۔۔ اپنی طرف سے نہ تھا دل میں کچھ اک غبار

وہ زرِ گل کی جھلک جس پہ کہ قرباں ہو طلا ۔۔۔ قطرۂ شبنم کی آب جس پہ ہو گوہر نثار

طبع کی صنعت گری پر نہ ہوا فوق کچھ ۔۔۔ سونے کا زیور بہت لائے بنا کر سنار

لالۂ احمر تھا وہ، یا کہ عقیقِ یمن ۔۔۔ موتیا کی تھی کلی، یا کہ دُرِ شاہوار

دیکھ کے یہ رنگ ڈھنگ کہنے لگے جوہری ۔۔۔ گل ہے ہر اک نونگار باغ جواہر نگار

نور کا تڑکا ہوا، اور یہ عالم ہوا ۔۔۔ آئی نسیم سحر باغ میں مستانہ وار

آئی نسیم سحر، باغ کو جنبش ہوئی ۔۔۔ ہلنے لگے سب درخت اڑنے لگے برگ و بار

یوں دہنِ غنچہ سے قطرۂ شبنم گرے ۔۔۔ دُودھا گلنے لگے جیسے کوئی شیرخوار

آئی کسی شاخ سے، ایسی سُریلی صدا ۔۔۔ جیسے بجائے کہیں بین کوئی بین کار

پھیر دیں لے اُڑنے لگی باغ میں چاروں طرف ۔۔۔ تانیں اُڑانے لگے اونچے سروں میں ہزار

جنبش بادِ سحر، پھونک دے سارا چمن ۔۔۔ ہر طرف اُڑنے لگے آتشِ گل سے شرار

جمع کئے صبح نے ایک ہی جا نار و نور ۔۔۔ پرتو خور محض نور آتشِ گل محض نار

چشمۂ خورشید سے نور برسنے لگا ۔۔۔ آتشِ گل سے ادھر بن کے اٹھا اک غبار

سرد ہوا میں ہوئے جبکہ بخارات جمع ۔۔۔ پھر تو دھواں دھار مینہ پڑنے لگا ایکبار

وہ چمن اور آب جو اور وہ ابر سیاہ ۔۔۔ ردم دحلب پر محیط ہے سپہ زنگبار

مینہ کے برس جانے سے دھوئے گئے سب درخت ۔۔۔ نام کو بھی باغ میں اب نہیں گرد و غبار

شاخ پہ اس طرح سے، شاہدِ گل جلوہ گر — جیسے زمرد کے تخت پہ ہو کوئی شہریار
ایک طرف نسترن، ایک طرف یاسمن — ایک طرف ارغواں، سارے ہیں خدمت گزار
اور بھی خادم کئی سامنے موجود ہیں — جن کو اشارے کئے چلتے ہیں سب کاروبار
ہے کوئی زرّیں کمر، اور کوئی زریں کلاہ — ہے کوئی سیمیں بدن اور کوئی سیمیں عذار
لالۂ گل کی نمود، کب ہے لبِ آب جو — آئینے میں دیکھنا، ہے چمن اپنی بہار
شاخ سے اکثر گرے، پھول مہکتے ہوئے — نہر کا پانی تمام ہو گیا عطرِ بہار
بحرِ ظلمات میں سبز پری غوطہ زن — عکس ہے شمشاد کا، نہر میں یوں آشکار
چار گھڑی دن رہے، کا وہ سہانا سماں — شام اودھ شیفتہ، صبح بنارس نثار
موج ہوا سرد سرد، رنگ شفق سرخ زرد — لالۂ گل کا نباہ، سروِ چمن کا سنگھار
عارضِ گلگوں سے شوخ، رنگ گلِ سرخ کا — نشترِ مژگاں سے تیز باغ کا ہر ایک خار
دھوپ کی زردی کا رنگ، گنبدِ نیلی کا رنگ — دونوں ملے اس طرح سبزہ ہوا آشکار
سایہ درختوں کا یوں، صفحۂ گلزار پر — جس سے کہ عکس شبیہ، باغ کی ہو شرمسار
عکس فگن ہو کے شاخ، دے یہ نظر کو فریب — دیدۂ نرگس میں ہے، سرمۂ دنبالہ دار
گرتے ہیں یوں شاخ سے پھول علی الاتصال — تارِ نظر سے نگاہ گوندھے پھولوں کے ہار
دیکھ کے گلزار کو کہنے لگا باغباں — پھولوں کا گہنا پہن کر نکل آئی بہار
برگ ہر اک سبز سبز، پھول ہر اک سرخ سرخ — مرغِ چمن شاخ شاخ چہچہے زن بار بار
مرغِ چمن مل کے سب، نغمہ سرا صبح صبح — کوک دے ارگن کوئی، اور الاپے بہار

سامنے ہے مہر و مہ، دیکھئے صنع اللہ
جیسے دو آئینہ رو، ہوئیں کسی جا دو چار

ایک کو سکتہ سے ہے، ایک کو خیرہ سری
دیکھئے ایک ایک کو دونوں ہیں آئینہ دار

ایک کا منہ زرد ہے ایک ہے بے نور سا
دیکھ کے گل کا سنگھار اور چمن کا نکھار

رنگِ گُلِ نیلوفر، گنبدِ نیلوفری
دیکھ کے گردش میں ہے، جیسے کوئی بیقرار

صبح کا عالم کچھ اور، شام کا عالم کچھ اور
صبح ہے کافور بیز اور ہے شب مشکبار

صبح سنہری ورق، شام روپہلی ورق
فیضِ مہ و آفتاب، شام و سحر آشکار

رات کی وہ چاندنی، اور وہ گل چاندنی
جس سے شبِ ماہ کی، ہوتی ہے دونی بہار

دیکھ کے گل چاندنی، ہوتا ہے سب کو یقیں
چادرِ مہتاب کے، کترے ہیں گل بیشمار

کرمکِ شب تاب کا، ہے یہ چمن میں ہجوم
تاروں بھری رات بھی جس سے کہ ہو شرمسار

ہر گلِ شبو کی شاخ، شمعِ شب افروزِ باغ
اور یہ اس شمع کے گرد ہیں پروانہ وار

باغ میں دیکھو جہاں، انکی چمک ہے عیاں
آتشِ گل سے مگر اڑتے ہیں جیسے شرار

ہے وسطِ گل میں یہ، ان کے سبب سے ظہور
دائرے میں جیسے ہو، مرکزِ گل آشکار

بسکہ ہر اک گل پہ آگ سی ہے اک لگی
ہوتا ہے ہر نخل پر سب کو گمانِ چنار

سارے چمن میں یہی، سرو سمن میں یہی
دیدۂ نرگس میں نور، آتشِ گل میں شرار

رات کی خاموشیاں، رات کی تاریکیاں
رات کی وہ راحتیں، صبح کا وہ انتظار

باغ کی آرائشیں، باغ کی زیبائشیں
موجِ ہوا تازہ کا، رنگِ شفق غازہ دار

نکہتِ گل عنبریں، آتشِ گل دود خیز
نکہتِ گل عطر بار، آتشِ گل شعلہ بار

بوٹے گلِ عنبر سرشت سایۂ گل مشک بار — سنبلِ پیچاں کے پیچ نافۂ مشکِ تتار
بلبلِ چمن عطر ساز، موجِ ہوا کارساز — غالیۂ مشک و عود، مجمرِ دود و بخار
دیکھیے جس نخل کو، باغ میں ہے بامراد — طفلِ شگوفہ کو سب کہتے ہیں ہے ہونہار
باغ کی کیفیتیں دیکھ کے ہیں وجد میں — چرخ و مہ و آفتاب، انجم و لیل و نہار

فرش سے تا عرش جو شے ہے وہ حیران ہے
قابلِ نظارہ ہے، قدرتِ پروردگار

(عزیز لکھنوی)

۶۲۔ صحرا

سہانا سہانا وہ صحرا و بر — کہ کوسوں نہ انسان آئے نظر
وہ ٹھنڈی ہوا اور وہ جنگل کی دھوپ — وہ سبزی میں اک کوڑیالی یہ روپ
وہ گلہائے خوشبوئے صحرا تمام — کہ خوش ہوں جسے دیکھ کر خاص و عام
وہ چکر کسی جا پہ کچھ آب کے — وہ چھنتے ہوئے جوڑے سرخاب کے
وہ اک سمت پھرتے تھے سارس جفت — جو ہوتے شکاری پکڑ لاتے مفت
درختوں پہ صحرا کے بیٹھے طیور — پر و بال سے حسن کے بڑھتا تھا نور
صدائیں عجب تھیں عجب شور تھے — پپیہے کہیں تھے کہیں مور تھے
وہ جھاڑی ہر اک جلتے ڈھنگ کی — وہ صحرا کی بوٹی نئے رنگ کی

وہ جھڑبیریوں کے ہر اک جا پہ جھاڑ کسی جا خزاں اور کسی جا بہار
کسی جا پہ تال اور کسی جا پہ گاؤں کسی جا پہ ٹھنڈے سرو کی چھاؤں
کسی جا پہ بن مالتی کے ثمر کہ جس بس سے تھے مست سب جانور
کہیں چیتے پاڑے چکارے ہرن بھرا جانورہائے صحرائے بن
کہیں بھیڑیے اور کہیں کچھ شغال کہیں گینڈے جن کے بناتے ہیں ڈھال
کسی جا پہ چرتے ہوئے فیل مست
کہ ہوں کوہ جن کی بلندی سے پست

(مونا شوق)

۶۳ - صحرا

شہر کی گلیوں میں گھبراتا ہوں میں دل کو بہلانے یہاں آتا ہوں میں
دل کی آسائش یہاں پاتا ہوں میں تیری وسعت پر مٹا جاتا ہوں میں
گو نہیں مجھ کو جنوں سودا نہیں
تجھ سے بڑھ کر جا کہیں صحرا نہیں
شہر ہے میرے لئے دشت جنوں دل کو واں حاصل نہیں ہوتا سکوں
شعلہ زن ہے آتش دنیائے دوں رکھتی ہے دل کو سدا سیماب گوں
آہ پر تیری نسیم خوشگوار ہے مجھے سرمایۂ صبر و قرار

ہیں قریبِ شہر کچھ باغ و چمن — بیگماں ہے دلکشا جن کی پھبن
ہیں شگفتہ ان میں نسرین و سمن — طائرانِ خوش نوا ہیں نغمہ زن
بلبل و گل کے مگر جھگڑوں کے خار
پہلوئے تسکیں کو کرتے ہیں فگار

دو بدو ہے ہر طرف ساری زمیں — صاف آتا ہے نظر چرخِ بریں
آہ، جنگل کی فضائے دلنشیں — کوہ و دریا کے مناظر ہیں کہیں
گھومتا ہے ہر طرف خطِ نظر
مرکزِ او دارِ عالم ہے بشر

ہے ترا ہر فصل میں منظر نیا — دیکھتا ہوں میں تجھے اکثر نیا
سبز جوڑا ہے کبھی تن پر نیا — لالہ و گل کا کبھی زیور نیا
سال میں کیا کیا بدلتا رنگ ہے
اک سے اک بڑھ کر نکلتا رنگ ہے

تو ٹھکانا غم کے ماروں کے لئے — امن کا گھر بیقراروں کے لئے
دل کی راحت دل فگاروں کے لئے — الغرض ہے سب ہزاروں کے لئے
دہر میں اک بے بدل ماوا ہے تو
جنتِ الماوا ہے یا صحرا ہے تو

(محمود دمر)

۶۴۔ جنگل کی رات

جنگل کی اندھیری رات سنسان
بادل بھی گھرا ہوا پریشان
جھونکوں میں غضب کی سنساہٹ
شاخوں میں رگڑ بلا کی آہٹ
پیڑوں کا وہ ہولناک انداز
شبیروں کی وہ خوفناک آواز
شعلوں کا وہ خود بخود بھڑکنا
پتوں کا وہ جا بجا کھڑکنا
وہ بوم کا ہو، وہ ہو کا عالم
وہ وہم کی صورتِ مجسم
اور حسن وہاں بھی جلوہ گر تو
جگنو بن کر ادھر ادھر تو

(شوق قدوائی)

۶۵۔ کوہِ ہمالیہ

ہے ہمالہ پہاڑ سرجیون
جس کے اوپر تلے کھڑا ہے بن
بیل بوٹوں سے بن رہا ہے چمن
سبز چوٹی ہرے بھرے دامن
ہے ہر اک ڈھانگ اس کی پھلواری
سبز چشمے جہاں تہاں جاری
لالہ خودرو ہے اور اس کے پاس
لہلہاتی ہے خوبصورت گھاس
سیکڑوں قسم کے ہیں پھول کھلے
پیڑ باہم کھڑے ہوتے ہیں ملے

کہیں بن مانسا کہیں بیلا کہیں اخروٹ اور کہیں کیلا
سال کا کیا ہی خوب جنگل ہے سورماؤں کا بن کے دنگل ہے
سرو شمشاد ہیں قطار قطار ریچھ پھرتے ہیں بن کے چوکیدار
ہیں چٹانوں میں کودتے لنگور ایک ہی جست میں وہ پہنچے دُور
ہیں ترائی میں ہاتھیوں کے غول کوئی پاگل ہے اور کوئی بجھول
شیر خونخوار شاہ ہے یاں کا پاڑے چیتل کو خوف ہے جاں کا
بارہ سنگھے غریب پہ ہے نتاڑ سینگ ہیں اس کی جھاڑ اور جھنکاڑ
وہ جو ہے ہند کا بڑا ساگر واں سے چلتا ہے ابر کا لشکر
کوچ در کوچ روز بڑھتا ہے پھر ہمالہ پہ آکے چڑھتا ہے
کبھی دیتا ہے باندھ مینھ کا تار کبھی کرتا ہے برف کی بوچھار
جا چڑھا یوں پہاڑ پر پانی کی ہے قدرت نے کیا ہی آسانی
واں سے چشمے بہت اُبل نکلے ندی نالے وہاں سے چل نکلے
سندھ و ستلج ہیں مغربی دریا اور پورب میں بہتا گنگا
ہیں یہ دریا بہت بڑے چاروں جن میں بہتا ہے پانی الغاروں
پس سمندر سے جو رسد آئی یوں ہمالہ نے بانٹ کر کھائی
ہوا سرسبز ہند کا میدان تیری حکمت کے اے خدا قربان
ہند کی سرزمین ہے اَن داتا اور ہمالہ پہاڑ جل داتا

اے ہمالہ پہاڑ تیری شان | دنگ رہ جائے دیکھ کر انسان
ساری دنیا میں ہے تو ہی بالا | پہنچے جب پاس دیکھنے والا
سامنے اک سیاہ دل بادل | دیو کی طرح سے کھڑا ہے اٹل
گھاٹیاں جن میں گونجتی ہر صدا | آبشاروں کا شور ہے برپا
دبدبہ اپنا تو دکھاتا ہے | گویا میدان کو ڈراتا ہے
ہے میرے دل میں یہ خیال آتا | کاش چوٹی پہ تیری چڑھ جاتا
واں سے نیچے کا دیکھتا میدان | جن میں گنگ و جمن ہے تیز رواں
دو لکیریں سی وہ نظر آتیں | دائیں بائیں کو صاف لہرائیں
اس تماشے سے جب کہ جی بھرتا | تو شمالی طرف نظر کرتا
شام کو دیکھتا بہار بڑی | گویا سونے کی ہے فصیل کھڑی

پھر وطن میں جب آن کر رہتا
دوستوں سے یہ ماجرا کہتا

(اسمٰعیل)

۶۶۔ شملہ

اقبال اک برس جو مرا تاج سر ہوا | شملہ میں مجھکو موسم سرما بسر ہوا
جاڑے کے مارے چلتے ہوئے پانی تھم گئے | اور جو تھمے ہوئے تھے وہ یخ ہو کے جم گئے

دامانِ کوہسار میں سورج بھی لیٹ کر — دبکا لحافِ برف میں مُنہ کو لپیٹ کر
دیکھو جدھر کو سب در و دیوار تھے سفید — باہر چلو تو دامنِ کہسار تھے سفید
ٹھٹھرے تھے آ کے جاڑے نے سب ٹُھور کر دیئے — اور تھے درخت برف نے بلور کر دیئے
اک رات بیٹھے بیٹھے جو میں تنگ آ گیا — گھر سے نکل کے آگے ٹہلتا چلا گیا
گھر گھر اُجالے تھے مِرے دیوار سامنے — دروازوں سے چراغ نمودار سامنے
خوشحال گھر اور ان میں خوشی بولتی ہوئی — باتیں کہ غم سے دل کی گرہ کھولتی ہوئی
نغمے ہر طرف سے جاڑے کے ساماں پکارتے — تارے بھی اک کنارے سے تھے آنکھ مارتے
سنسان جنگل اور یہ درختوں کی سائیں سائیں — چاروں طرف پہاڑیں ہیں ڈرتی بلائیں
طوفانِ برف سر پہ کھڑا ہے تُلا ہوا — ہے یہ درہ کہ موت کا مُنہ ہے کُھلا ہوا
تھی رات رنگ بھی رُخِ عالم پہ پھیرتی — گہ مشک اُڑاتی تھی گہے عنبر بکھیرتی
کیا جانے ہم نکل کے کدھر کے کدھر گئے — دیکھا کہ جاڑے زور سے اپنے اُتر گئے
موسم بھی معتدل ہے ہوا ہے لہک گئی — خوشبو کا ہے یہ حال کہ دُنیا مہک گئی
اور جانور ہیں رات کے آواز دے رہے — بِل جُھل کے ساتھ جیسے ہوں ساز دے رہے
پانی کی ہیں پہاڑ سے آوازیں آ رہیں — جو زیر و بم کے دُور سے ہیں سُر ملا رہیں
ناگہ فلک پہ دامنِ شب چاک ہو گیا — پُر نور سے طبقِ خاک ہو گیا
منہ رات کا جو صبح کے آنے سے فق ہوا — گلگونے کے سامنے رنگِ شفق ہوا
روئے سحر پہ شان تھی نور و ظہور کی — چاروں طرف وہ زمزمہ خوانی طیور کی

وہ گہری سبزیوں پہ گلِ تر کی لالیاں ‏— اور اوس سے بھری ہوئی پھولوں کی پیالیاں
وہ صبح کی ہوا سے درختوں کا جھومنا — اور جھوم جھوم کر وہ رُخِ گل کا چومنا
سبزی جو روئے خاک پہ مخمل بچھا گئی — شبنم تھی آ کے رات کو موتی لٹا گئی

پانی وہ صاف صاف جو بل کھا کے جاتے تھے
پارے کے سانپ گھانس پہ لہرا کے جاتے تھے

(آزاد)

۶۷- روانیِ دریا

وہ سودیؔ سخن گوئے شیریں مقال — جو انگریزی شاعر تھا اک باکمال
لکھی اس نے ہے نظم اک لاجواب — دکھاتی ہے شکلِ روانیِ آب
جو بہتا ہے پانی میانِ لڈور — اسی کا دکھایا ہے شاعر نے زور
مناسب جو انگلش مصادر ملے — مقفیٰ کئے ان کے سب سلسلے
یہ اصرار کرتے ہیں بھائی حسنؔ — کہ میں بھی ہوں اس بحر میں غوطہ زن
دکھاؤں روانیِ دریائے فکر — کہ گوہر شناسوں میں ہو جس کا ذکر
عجب ہے نہیں ان کی اس پر نظر — کجا میں کجا سودیِ نامور
سوا اس کے ہیں اور بھی مشکلیں — نہیں سہل اس راہ کی منزلیں
مرے پاس سرمایہ کافی نہیں — وہ مصدر نہیں وہ قوافی نہیں

زباں میں نہ وسعت نہ ویسا مذاق — سخن تیرے کچھ ایسی طمطراق
اگر ترجمہ ہو تو مطلب ہو خبط — معانی میں پیدا نہ ہو ربط و ضبط

موانع یہ ہیں جن سے ڈرتا ہوں میں
مگر خیر کچھ لو کرتا ہوں میں

جو تھیں دقتیں کہہ چکا ہم ملا — غرض دیکھیے اب یہ پانی چلا
اُچھلتا ہوا اور اُبلتا ہوا — اکڑتا ہوا اور مچلتا ہوا
روانی میں اک شور کرتا ہوا — رکاوٹ میں اک زور کرتا ہوا
پہاڑوں پہ سر کو ٹپکتا ہوا — چٹانوں پہ دامن جھٹکتا ہوا
وہ پہلوئے ساحل دباتا ہوا — یہ سبزہ پہ چادر بچھاتا ہوا
بھٹکتا ہوا غُل مچاتا ہوا — وہ جل تھل کا عالم رچاتا ہوا
وہ گاتا ہوا اور بجاتا ہوا — یہ لہروں کو پیہم نچاتا ہوا
اِدھر جھومتا اور ٹھٹکتا ہوا — اُدھر گھومتا اور اٹکتا ہوا
بپھرتا ہوا جوش کھاتا ہوا — بگڑ کر وہ کف منہ پہ لاتا ہوا
وہ اونچے سروں میں تموج کا راگ — وہ خود جوش میں آکے لایا یہ جھاگ
سُدھرتا ہوا اور سنورتا ہوا — تھرکتا ہوا رقص کرتا ہوا
لپٹتا ہوا اور چمٹتا ہوا — یہ بٹتا ہوا وہ سمٹتا ہوا
یہ گھٹتا ہوا اور وہ بڑھتا ہوا — اُترتا ہوا اور چڑھتا ہوا

یہ ہٹتا ہوا اور وہ بچتا ہوا ‏— دباتا ہوا اور پھٹتا ہوا
وہ گردے زمیں کو چھپاتا ہوا ‏— وہ خاکی کو سیمیں بناتا ہوا
گل و خار یکساں سمجھتا ہوا ‏— ہر اک سے برابر الجھتا ہوا
بہاتا ہوا اور بہتا ہوا ‏— ہوا کے طمانچوں کو سہتا ہوا
بلندی سے گرتا گراتا ہوا ‏— نشیبوں میں پھرتا پھراتا ہوا
بھٹکتا ہوا اور اڑتا ہوا ‏— اٹکتا ہوا اور مڑتا ہوا
وہ کھیتوں میں راہیں کترتا ہوا ‏— زمینوں کو شاداب کرتا ہوا
یہ تھالوں کی گودوں کو بھرتا ہوا ‏— وہ دھرتی پہ احسان دھرتا ہوا
یہ پھولوں کے مجرے بہاتا ہوا ‏— وہ چکر میں بجرے پھنساتا ہوا
لپکتا ہوا دندناتا ہوا ‏— امنڈتا ہوا سنسناتا ہوا
چمکتا ہوا اور جھلکتا ہوا ‏— سنبھلتا ہوا اور چھلکتا ہوا
ہواؤں سے موجیں لڑاتا ہوا ‏— حبابوں کی فوجیں بڑھاتا ہوا
تڑپتا ہوا جگمگاتا ہوا ‏— شعاعوں کا جوبن دکھاتا ہوا
یونہی الغرض ہے یہ پانی رواں ‏— بس اب دیکھ لیں شاعر نکتہ داں

وہ سرودی کا سیلاب آب لڈور
یہ بحرِ خیالات اکبر کا زور

(اکبر)

۶۸- گنگا جی

منظور نہیں ہے خوش بیانی — گنگا کی دکھاؤں گا روانی
گو مُنھ سے وہ آپ چل پڑی ہو — بیساختہ خود نکل پڑی ہے
کیا فیض رساں ہیں اسکی لہریں — جاری کر دیں تمام نہریں
کیا خوب ہے آن بان اُسکی — ساحل پہ بھی ایک شان اسکی
پہلو میں کہیں بتوں کا جھمگٹ — ہے رشکِ ارم کہیں پہ پنگھٹ
جاتی ہے جدھر کو مُنہ اُٹھائے — لاکھوں ہی کھڑے ہیں سر جھکائے
تیار ہے کوئی بہر اشنان — پوجا کے لئے ہے کوئی حیران
سیندور کوئی ماتھے پر لگائے — چندن کی کوئی تلک جمائے
سر کوئی زمیں پہ دھر رہا ہے — ڈنڈوت ہی کوئی کر رہا ہے
کچھ سیر کو لوگ آ رہے ہیں — منظر کا مزہ اُٹھا رہے ہیں
ہے دل کو سرور آنکھ کو نور — گویا ہے اس میں سرمۂ طور
نیچر کا عجیب کھیل دیکھا — گنگا جمنا کا میل دیکھا
عاجز اُس کے بیاں سے تحریر — ہوتے ہیں جہاں بہم بغلگیر
القصہ بڑھا یہاں سے پانی — اب قابلِ ذکر ہے روانی
اُچھلا کبھی دب کے سر اُٹھایا — اُبلا کہیں تھم کے سنسنایا

چلنا وہ کہیں مچل مچل کر | بہنا وہ کہیں سنبھل سنبھل کر
وہ شوکت و دبدبہ و صولت | وہ رعب وہ داب اور سطوت
دب کر جانا کہیں دبانا | انداز و ادا کہیں دکھانا
دامن کو کہیں جھٹک کے چلنا | ساحل پہ کہیں مٹک کے چلنا
مڑتا ہے جہاں تو چھب دکھا کر | اُڑتا ہے جہاں غضب میں آ کر
نکلا ہے جہاں تہاں پہ ہو کر | دھکا ہے کہیں کسی کو ٹھوکر
بیخوف و نڈر وہ شوخ بیباک | آزاد و شریر و چُست و چالاک

جلوہ ہر رنگ میں دکھایا
آیا جو سامنے بہایا

(مقبول)

۶۹- دریائے بیاس

اے بیاس اے دلبر نازک ادائے کوہسار | حسن کی تیرے منالی میں کوئی دیکھے بہار
وہ تری سیماب گوں رنگت وہ جوبن کا نکھار | وہ تری مستانہ موجیں اور وہ جوش آبشار

روح را در وجد می آرد صدائے ساز تو
دل بغارت مے برد طرزِ خرامِ ناز تو

گنبد گردوں سے ٹکراتے پہاڑوں کے وہ سر | ہر طرف چھلتے ہوئے ابر سیہ بن کر شجر

دُور سے یوں چوٹیوں پر برف آتی ہے نظر ذرّے کے تڑکے ہو جیسے چاکِ دامانِ سحر

خندۂ دنداں نمائے شاہدِ رعناست این
یا بیاضِ روئے حورِ جنت الماواست این

اے عروسِ کوہ اے محبوبۂ زیبا نگار چھینے لیتی ہو دلوں کو تیرے جوبن کی بہار
تیرے سبزہ کی جھلکی جاتی ہے آنکھوں میں بہار لالۂ گل کی ترے شانِ خدا ہے آشکار

دلبرے با این چنین خوبی کسے کم دیدہ است
سبزۂ مثلِ خطِ سبزِ تو کم روئیدہ است

وہ ترا اے جھکے بامِ کوہ سے آنا ترا وہ کڑا اکر پتھروں سے وہ مچل جانا ترا
نشہ میں مستوں کی طرح وہ جھاگ بھر لانا ترا وہ مزاجِ نوجواں کی طرح بل کھانا ترا

مست و بیخود از غمِ ہر دو جہاں آزادۂ
گرچہ معشوقِ جہانے عشق سر بہ صحرا دادۂ

وہ سہانا دامنِ دشت اور وہ طرفِ کوہسار جھنڈ وہ سبزِ درختوں کے وہ تیرا سبزہ زار
اُٹھ کے پھر نیچے وہ کنارے پیچ میں پڑنے لگا جس طرح آغوشِ عاشق میں کوئی زیبا نگار

حسن را با عشق گوئی شیر و شکر کردہ اند
ہر خمِ شبکنہ اندرے بساغر کردہ اند

دامنِ کہسار میں ہر شور تیرے ساز کا گونجتا ہے دشت میں کھٹکا تری آواز کا
پیچ و خم جولاں میں ہے سناٹا پرے پہاڑ کا تیرے گردابوں میں عالم ہے طلسمِ راز کا

هرچه هستی خوب هستی اے نگارِ شوخ و شنگ
رنگِ رخ بشکسته پیشِ ساده رویانِ فرنگ

دامنِ صحرا میں کوہوں کی تری اٹکھیلیاں — سبزۂ زیرِ پردہ تیری چاہ تاب رواں
وہ کنارِ دل پر مسلسل دونوں جانب جھاڑیاں — لہلہاتی دھان کی کوسوں تلک وہ کھیتیاں

نخلہا صف بستہ بر ساحل پئے دیدارِ تو
شاخہا خم گشتہ بہرِ بوسۂ رخسارِ تو

چاندنی رات اور نکھرا تیرا وہ نکھرا بدن — چاند تارے کا تنِ سیمیں پہ تیرے پیرہن
چاند کا ٹیکہ وہ اور تاروں کی افشاں کی پھبن — وہ چمکتا نور کا اور وہ بھبوکا سا بدن

کرمکِ شب تاب ساحل را چراغاں کردہ است
آتشِ بیدود گلخن را گلستاں کردہ است

جلوۂ نورِ سحر اور وہ طلوعِ آفتاب — وہ چمک کرنوں کی وہ پہری کی تیری آب و تاب
وہ ترا سبز قبا پہنے ہوئے ہر موجِ آب — وہ تیرے تصویرِ سورج کی بغل میں ہر حباب

روشن از نورِ رخت دامانِ صحرا گشته است
موجِ حسن است ایں متحرک به دریا گشته است

جھونکے بادِ سحر سے ہیں تیرے بید و چنار — آسماں سے کرتے ہیں باتیں وہ رخشانِ دیار
ہے عیاں جھلوک شانِ قامتِ رعنائیِ یار — کم نہیں خوشبو میں کچھ صندل سے تیرے دیودار

آبشارت نغمہ سنج و لالہ زارت جلوہ ریز

تخلیات عنبر افشاں و ہوایت عطر بیز

وہ گلابی اور سیوتی کے پھول پیڑوں سے لد کر
وہ چنبیلی کی قطاریں اور وہ بیلے کے ہرے

پھول گیندے کے زمیں پہ سبزہ زر میں کھلے
ہیں سنہری گوکھرو دھانی دوپٹہ میں ٹنکے

ایں ہمہ ہا گشت از فیضِ عمیمت بہرہ یاب
اکتساب نور کردہ ذرہ ہا از آفتاب

وہ ترے ساحل کی نظارے فضائے دشت کی
وہ پہاڑوں کے برابر نیچے اونچے سلسلے

برف کی چادر وہ اونچی چوٹیاں اوڑھے ہوئے
اور نشیبی سلسلے وہ سبزۂ تر سے ڈھکے

سر بر آوردہ ز سبزہ خانہ ہائے خوش نما
ہمچو محبوبے کہ بر آرد سر از زیرِ ردا

(کامل)

۷۰۔ طوفانِ عظیم حیدرآباد دکن

او نامراد ندی تجھ پر غضب خدا کا
اُلٹا ہے تو نے تختہ یارانِ آشنا کا

اچھا کیا ادا حق ہمسائگی کا تو نے
ہم تجھ سے لو لگائیں تو نے ہمیں کو تاکا

اک کاروانِ آصف اترا ترے کنارے
اتنا سپاس تو نے ڈالا اسی پہ ڈاکا

تیری ہر ایک ٹکر ماہی بنی اجل کی
تیرا ہر اک تھپیڑا قاصد بنا قضا کا

منجدھار میں ہے کشتی ٹوٹا ہوا ہے لنگر
سر پہ ہے رات کالی طوفان ہے بلا کا

تقدیر ہنس رہی ہے تدبیر رو رہی ہے — مورد ہو ناخدا کیوں الزام ناروا کا
شب ہے شبِ قیامت دن ہے حساب کا دن — وقت آ گیا سزا کا عہد آ گیا جزا کا
خالی اُمید کا گھر دروازہ توبہ کا بند — آئے اثر کہاں سے موقع نہیں دعا کا

اس واقعہ کا ماتم برسوں بپا رہے گا
کانٹا ہر ایک دل میں غم کا چبھا رہے گا

اُمڈی ہوئی ندی ہے چھایا ہوا ہے بادل — پاٹ اس قدر بڑا ہے سب ہو گیا ہے جل تھل
ہے شب نے دن دہاڑے اندھیر ڈال رکھا — خورشید خاوری ہے ابرِ سیہ کے اوجھل
اک بار کھل گئے ہیں گردوں کے سب دریچے — بادل چلا ہے بن کر طوفان کا ہراول
قدرت کی طاقتوں کو دستِ قضا ہے پٹکے — انساں کی کوششیں ہیں بیکار اور معطل
غصہ کا ہے یہ عالم کف در دہاں ہے دریا — وقفِ شکن ہے ابرو ماتھے پہ ہیں پڑے بل
جوش و خروش اس کا ہر لحظہ بڑھ رہا ہے — سہمی ہوئی ہے خلقت ہوش و حواس ہیں شل
ساحل پہ گھر ہیں جن کے وہ دل میں کہہ رہے ہیں — مرنا ہمیں ہے آخر مرنا ہمیں ہے اول
پانی ہر اک طرف سے گھیرے ہوئے ہے گھر کو — جاں تلملا رہی ہے دل ہو رہا ہے بے کل
گرنے لگے مکاں جب کہنے لگے مکیں سب — ہے آج کو نزع اپنا سامان چلا گیا کل
ہر ہر کھنڈر میں لاشے صدہا پڑے ہوئے ہیں — بلدہ کا ہر محلہ ہے کربلا کا مقتل
واں موجبِ اجل تھی پیاسوں کی تشنہ کامی — یاں باعثِ فنا ہے آبِ بقا کا جنگل
محشر کا صور پھونکا موسیٰ ندی نے گویا ہے — شورِ نشور برپا بلدہ میں کو بکو ہے

وا حسرتا وہ صدہا گھر بار کا اجڑنا
ہر نخلِ آرزو کی بنیاد کا اکھڑنا

وہ نقشۂ اجل کا آنکھوں کے آگے پھرنا
کوہِ قضا کا سر پر پل بھر میں ٹوٹ پڑنا

دیوار و بام و در کا پانی میں غرق ہونا
سنگیں عمارتوں کا پانی کی طرح جھڑنا

وہ جسمِ بے اماں کا موجوں کی نذر ہونا
وہ جانِ ناتواں کا کشتی قضا سے لڑنا

اس ہاتھ کا نہیں ہے جس میں کہ جان باقی
بہتے ہوئے درختوں کی ٹہنیاں پکڑنا

ماں سے لپٹ لپٹ کر بچے کا وہ بلکنا
اور شدت کے اُس کے سینے پہ ایڑیاں رگڑنا

بچہ کا ہاتھ آ کر پھر ماں سے چھوٹ جانا
زخمِ جگر کے ٹانکوں کا یک بیک اکھڑنا

سب دل کے ولولوں کا پیوندِ آب ہونا
اک رات کی دلہن کا نوشہ سے یوں بچھڑنا

وہ ڈوبتے ہوؤں کا سب کو سلام کرنا
اور انکی حسرتوں کا جا کر دلوں میں گڑنا

تھا فتنۂ قیامت اے سیلِ رودِ موسیٰ
من کر ترا مچلنا بن کر ترا بگڑنا

کیوں ساتھ ساتھ اپنے لے کر چلا نہ ہم کو
جو قافلہ چلا ہے سر منزلِ عدم کو

(ظفر علیخاں)

۷۱- آبشار

سچ بتا اے کوہ و صحرا کے مسافر آبشار
ٹھوکریں کھاتا ہوا کس جا چلا ہے بیقرار

کیوں سراسیمہ ہے کیوں یہ لڑکھڑاتی چال ہے
سیلِ اشکِ چشمِ تر کی طرح کیوں بےحال ہے

تیرے دامن میں ہر دلکش سبزہ و گل کی بہار — میٹھی میٹھی بولیاں اور بلبلانِ کوہسار
دشت میں جاری ہیں ہر سو نہریں تیرے فیض کی — دولت تیری ہر صحرا وجہ شادابی ہوئی
چشمۂ حیواں ہے تو تشنہ دہانوں کے لئے — اور ہے رشکِ مسیح افسردہ جانوں کیلئے
سیل جو تیری ہے وہ چینِ جبینِ حور ہے — تجھ کو سب حاصل ہے پھر تو کس لئے رنجور ہے
ہائے کیوں پتھر سے ٹکراتا ہے سر کو بار بار — خاک پر تو لوٹ کر کیوں ہو رہا ہے بیقرار
رات دن تجھ کو تلاشِ بحرِ الفت تو نہیں — تو بھی میری طرح قیدِ بندِ الفت تو نہیں
تو کہاں یہ جستجوئے بحرِ بے پایاں کہیں — دشت پیمائی بقدر جوشِ ارماں تو نہیں

آرزو مندیٔ وصلِ بحرِ ناپیدا کنار
ہیں خیالات و محالاتِ جنوں کے آشنا

(سیماب)

۴۲ - پہاڑ

اونچے نیچے پہاڑ ٹیلے — پھیلے ہوئے گول اور نکیلے
ٹیڑھے بیڑھے نہال ان پر — نازک بیلوں کے جال ان پر
بہنا کہیں اور کہیں ٹپکنا — خورشید کے نور سے چمکنا
شفاف وہ دھارا اور وہ پتھر — نکلی ہوئی مانگ جیسے سر پر
چوٹی پہ وہ برف کی صفائی — چمکی جب دھوپ اس پہ آئی

ضو جنبشِ مہر سے عیاں تھی کیا کوندر ہی ہیں بجلیاں سی

برف اس کی پگھل کے بہ رہی ہے

چاندی گھل گل کے بہ رہی ہے

(شوقؔ قدوائی)

۳۷ - فوّارہ

میرے فوّارے عجب دلچسپ ہے تیرا سماں

یہ تری طبع رواں اور یہ ترا جوشِ نہاں

رات دن سانچے میں وہ موتی پہ موتی ڈھالنا

خوشانِ باغِ رضواں پر وہ ڈورے ڈالنا

گوہرافشانی تری اور ہلکی ہلکی وہ پھوار

وہ شبابِ بلبل و گل اور وہ تیرا نکھار

وہ اکڑ کے دیکھنا اپنی جوانی کی بہار

وہ ترا انگڑائیاں لینا چمن میں بار بار

مضطرب موجِ ہوا پر تو بہت بے تاب ہے

تیری دھاریں جھومتی ہیں یا کہ نخلِ آب ہے

تو چمن کی رُوح ہے اور سے فضا میں تیرا دم

ایک بہارِ شادمانی ہے ہوا میں تیرا دور

طائر آتے ہیں ترے دامن میں پر کھولے ہوئے
عاشقِ شوریدہ سر بیٹھے ہیں سر کھولے ہوئے

تیرے دستِ گوہر افشاں کی حالت دیکھ کر
جھولیاں گلشن نے پھیلا دیں سخاوت دیکھ کر

گوندھتا موج ہوا پہ موتیوں کے ہار کا
تیرے سر سہرا رہا ہے رونق گلزار کا

تیز ہو ہاں میرے فوارے ذرا پھر تیز ہو
پھر جواہر خیز و گوہر بیز و گوہر ریز ہو

آتشِ گل کا جہاں کچھ بھی اشارہ ہو گیا
اُڑ گیا موجِ ہوا پر یوں کہ پارہ ہو گیا

تیرا جو قطرہ گیا گردوں پہ تارا ہو گیا
جب گرا آ کر زمیں پر دل ہمارا ہو گیا

سب غبارِ خاطرِ ناشاد تجھ سے دُھل گیا
تیرا منظر اک طلسمِ دل فریبی ہو گیا

(عزیز لکھنوی)

۴۷۔ تتلیاں

پر کھول کے تتلیوں کی پرواز
پر جوڑ کے بیٹھنے کا انداز

اس پھول سے اُڑ کے اس پہ بیٹھیں
رس لے کے اُڑیں وہ جب پہ بیٹھیں

نازک نازک وہ خوشنما پر
اُڑتی ہوئی پتیاں ہوا پر

وہ نقش و نگار اور وہ بوٹے
پر اُن کے چوڑ تو رنگ چھوٹے

رنگ ان میں بہت بھرے ہوئے ہیں
پر کیا ہیں چمن کھلے ہوئے ہیں

ہیں رنگ کئی ہر ایک پر پر
چھوٹا سا چمن ہے اُن کا ہر پر

ہر خال پہ ہے پہ اک نگینہ
سونے چاندی پہ یا ہے مینا

قدرت دیکھو کہ کل چمن میں
گلدستے ہیں تتلیوں کے تن میں

جو نقش و نگار سے ہے خالی
وہ بھی دل کی لُبھانے والی

ہے رنگ کسی کا زرد گہرا
اتنا گہرا کہ بس سنہرا

کوئی جس کے سپید ہیں پر
جیسے چاندی کے صاف پتر

طاؤسی، صندلی، گلابی
دھانی، کاہی، سیاہ، آبی

نیلے، اودے، زمردی لال
ہر رنگ کے پر ہیں بے خط و خال

پرواز بھی حسن ہے پھبن بھی
رنگت بھی ہے حسن سادہ پن بھی

(شوق قدوائی)

۷۵ - تتلی

تتلی ہے چمن میں اک رنگیلی — پیاری چنچل نئی نویلی
چلتے پھرتے چمن میں ہر سو — اڑتی ہوئی پہنچی تا لب جو
چپہ چپہ چمن کا پامال — مانند شرار و برق تمثال
منظور نظر کلی کلی ہے — ہر ایک روش پہ بیکلی ہے
سبزے پہ کبھی نہال پہ ہے — گل پہ کبھی شاخ پہ نظر ہے
غنچوں کی بنی کبھی تو دمساز — نکہت کی طرح کبھی ہے پرواز

قابو میں نہیں جو قلب مضطر
یکجا نہیں ہے قرار دم بھر

(سفیر)

۷۶ - تیتریاں

دو تیتریاں ہوا میں اڑتی دیکھیں — اک آن میں سو طرف کو پھرتی دیکھیں
بھولی خوش رنگ چست نازک پیاری — پہنے ہوئے فطرتی منقش ساری
پھرتی ہے کہ برق کی طبیعت کا ابھار — تیزی ہے کہ آنکھ کو تعاقب دشوار
جو فاصلہ کر لیا ہے باہم قائم — وہ بھی ہے بلا زیادت و کم قائم

گو تاریخ جوش برق پردازی ہیں
دونوں کے خطوط لیک متوازی ہیں

کیونکر میں کہوں کہ یہ نظر بندی ہے
اللہ اللہ کیا ہنر مندی ہے

کس بزم سے ایسا ناچ سیکھ آئی ہیں
پریاں اندر کی جس سے شرمائی ہیں

اِس سمت اگر خیال انساں بڑھ جائے
دامانِ نظر پہ رنگ عرفاں چڑھ جائے

(اکبرؔ)

۷۷۔ بلبلِ زمزمہ ساز

میں ہوں چہکنے والی بلبل ہے نام میرا
پھولوں کو دیکھنا ہے گلشن میں کام میرا

چھوٹا سا ایک پنچھی ہوں دیکھنے میں بیشک
رونق نہیں ہے کچھ بھی صحن چمن میں مجھ بن

ہوں شاخ گل پہ اپنا میں آشیاں بناتی
شام و سحر گلوں کو ہوں گیت میں سناتی

گل میرے زمزموں پر جب کان ہیں لگاتے
سُن سُن کے میرا گانا پھولے نہیں سماتے

بخشی صدا اثر ملی مجھ کو مرے خدا نے
بھاتے ہیں آدمی کو دل سے مرے ترانے

(محرومؔ)

۷۸۔ چڑیاں

چڑیوں کا اِدھر اُدھر سے آنا — چھوٹے چھوٹے پھلوں کا کھانا
کچھ سبز ہیں جن کے لال سر ہیں — کچھ زرد سنہری جن کے پر ہیں
کچھ جن میں سپیدی اور سیاہی — کچھ جن کے سروں پہ تاج شاہی
کچھ جن کے زمردی ہیں پوٹے — نقطے پوٹوں پہ چھوٹے چھوٹے
پِدّی ہیں اِدھر اُدھر نہا کر — بیٹھیں شاخوں پہ پَر پُھلا کر
مینا کہیں غُل مچا رہی ہے — بُلبل کہیں میٹھی گا رہی ہے
طوطی پیارا زبان شیریں — لہجہ شیریں بیان شیریں
شاماں کی صدا سے رُوح بے چین — چنڈول جو بولے دل نہ لے چین
دہیر کیا خوب نغمہ خواں ہے — بھنگراج ہزار داستاں ہے
رفتار تدرو بانکپن کی — تصویر کھنچی ہوئی پھبن کی

ہر شکل کے ساتھ جلوہ گر حسن
جو کچھ ہے وہ قصہ مختصر حسن

(شوقی قدوائی)

۷۹ - مور

طاؤس کا رقص میں وہ آنا — آواز سے کڑ ما بجانا
وہ تاجِ زمرّدی سروں پر — سونا سا چڑھا ہوا پروں پر
دُم کا پھیلاؤ حسن کی شان — گردن کا تناؤ حسن کی شان
سر پر ہے کہ اُودا ہے دریا ہی — اس میں پھر رنگ سبز کا ہی
کیا لطف دکھا رہی ہے زردی — کیا خوب رنگ ہے لاجوردی
زردی کی چمک سے بڑھ گئی شان — سبزی میں چمک سی پڑ گئی جان
پکھراج اسمیں زبر جد اس میں — کندن کا جڑاؤ بے صدا سمیں

چلنے پھرنے میں دُم پڑی ہے
رقصاں ہے تو پھیلی ہے کھڑی ہے

(شوقؔ قدوائی)

۸۰ - مور

کیا مور ہے بنایا پروردگار تو نے — پنکھے ہیں اس کے کیا کیا نقش و نگار تو نے
گویا کہ بال و پر ہیں گلزار کھل رہا ہے — جو بیل ہے نرالی بوٹا جو ہے نیا ہے
یہ پھول ہیں شگفتہ تن پر جو داغ سے ہیں — چنگاریاں لگائے قدرت نے باغ سے ہیں

یہ تاج اس کے سر پہ کیسا ہے یا الٰہی — بخشی ہے تو نے اس کو گلشن کی بادشاہی
جھم جھم برس چکا ہو سبزہ پہ جب کہ پانی — ہوتی ہے اس کے دل کو اس وقت شادمانی
دل شاد ہو کے بولی تب اپنی بولتا ہے — پر ناچنے کی خاطر اُس وقت کھولتا ہے
دُم کو چنور بنا کر ہے ناچتا خوشی سے — ہے اپنے دوستوں کو دیتا صدا خوشی سے

جس وقت باری باری ہیں ناچنے پہ آتے
جنگل میں مل ملا کر منگل ہیں پھر مناتے

(محمود)

۸۱- کبوتر

تن تن کے ناز ہی سے چلنا — ٹھوکر کبھی کھا کے خود سنبھلنا
انداز سے پاؤں کو اٹھاتا — چلنے میں ادا سے ٹھملاتا
مخمور حسین چلبلی آنکھ — پیاری پیاری وہ شربتی آنکھ
مہندی سی پاؤں میں لگی ہو — ہر ایک ادا میں دلبری ہے
صورت بھی عجب ہے بھولی بھالی — انداز نیا ادا نرالی
گردن کو وہ ناز سے اٹھاتا — وہ دلکش و دل رُبا ترانہ
آواز وہ خوشگوار تیری — گردن وہ صراحی دار تیری
چھوٹی سی سفید سرخ منقار — آجاتا ہے دیکھ کر جسے پیار

وہ جسم میں خوشگوار گرمی — وہ حسن وہ نازکی وہ نرمی
بچّوں کا وہ پیار سے کھلانا — چلنا پھرنا انہیں سکھانا
وہ شفقتِ فطرتی کا اظہار — منقار میں ڈالنی وہ منقار
بازو کی بیان کیا ہو طاقت — عاشق کی بندھی ہو جس سے قسمت
آؤں میں تری جبیں کا بوسہ — قاصد ہے تو بارِ مہ جبیں کا
کیونکر نہ تری ہو دل میں توقیر — ہے ذات تری وفا کی تصویر
دل میں ترے نورِ حق سمایا — دشمن سے رسول کو بچایا
کعبہ کا طواف تجھ کو حاصل — ہے حق کی طرف تمہارا مائل

پایا ہے ضرور تو نے ایماں
لازم ہے کہوں تجھے مسلماں

(محمد عبد الرشید بازید پوری)

۸۲- قمری

ہم نے قمری عجیب پالی ہے — عاشقِ حسنِ لا یزالی ہے
کیا ہی نازوں سے اس کو پالا ہے — قفسِ نقرئی میں ڈالا ہے
جب میں پنجرے کے پاس جاتا ہوں — پیار سے ہاتھ پر بٹھاتا ہوں
پیاری پیاری وہ نور کی گردن — جس پہ قربان حور کی گردن

وہ گلا خوشنما صراحی دار ‌ ‌ ‌ ‌ چاہتا ہوں کہ کروں پہنچ کے پیار
لال لال اس کی نرگسِ گلفام ‌ ‌ ‌ ‌ یا بھرا ہے شرابِ سرخ کا جام
اس پہ طرہ ہے سرخیِ منقار ‌ ‌ ‌ ‌ گل سمجھ کے نہ کرے بلبل پیار
رنگِ منقار ارغواں یکسر ‌ ‌ ‌ ‌ یا دھڑی پان کی ہے ہونٹوں پر
یا کوئی ناخنِ حنائی ہے ‌ ‌ ‌ ‌ ہائے کیا سرخ چونچ پائی ہے
کبھی سرکش گلِ چمن کی طرح ‌ ‌ ‌ ‌ سرنگوں ہے کبھی دلہن کی طرح
زیب و زینت سے اس کو ان بن ہی ‌ ‌ ‌ ‌ سادگی میں ہزار جوبن ہے
جسم نقرہ صفت تمام سپید ‌ ‌ ‌ ‌ صاف براق رنگ قابلِ دید
ہے صدا اس کی مونسِ دلِ زار ‌ ‌ ‌ ‌ ہے تصدق ہزار صوت ہزار
ہائے وہ اس کی مست کن آواز ‌ ‌ ‌ ‌ گویا بابِ سماع ہو گیا باز
گیت توحید کا سناتی ہے ‌ ‌ ‌ ‌ راہِ حق کی طرف بلاتی ہے
بس ہے حق سرہٗ سے کام اسے ‌ ‌ ‌ ‌ وردِ اللہ کا ہے نام اسے
ضرب نامِ خدا لگاتی ہے ‌ ‌ ‌ ‌ دل تو ننھا سا اور یہ چھاتی ہے
شور کرتی ہے غل مچاتی ہے ‌ ‌ ‌ ‌ چپ کبھی تھک کے بیٹھ جاتی ہی
مضطرب ہو کے پھر پکارتی ہے ‌ ‌ ‌ ‌ چونچ کھٹ کھٹ زمیں پہ مارتی ہی

نعرۂ ھو سے دل ہلاتی ہے
کہہ کے حق سرہٗ جگاتی ہے

(آجکل)

۸۳ - ابابیل

جاں ہے ننھی سی تو ننھی تری آواز ہے
ننھے ننھے بال و پر ننھا ترا انداز ہے

آنکھ میں تیری نگاہ سرمۂ دُنبالہ دار
زلف ہے مشکیں تری کالی تری پشواز ہے

سقفِ دیرینہ میں ننھا سا نشیمن ہے ترا
گو فلک تک صبح دم تو مائل پرواز ہے

قوم کو تیری نہیں مال و دولت کی ہوس
ہر مکاں تا کس تمہارا خانہ بلند از ہے

آبِ دریا سے بجھا سکتی نہیں کیا تیری پیاس
ابرِ نیساں کے مقابل تو جود انداز ہے

بازوؤں کو تیرے دم بھی ہیں نہیں تھا سکوں
برق ہے اس میں بھری یا اور کوئی راز ہے

ہے تڑپ تجھ میں بلا کی ہو بہو سیماب ہے
مگر افسوں سا نہ ہے ملتا ترا انداز ہے

تیری حالت میں کبھی دیکھا نہیں کچھ بھی فرق
تیر اکیاں کہتے ہیں انجام اور آغاز ہے

(سیّد نور اللہ شاہ)

۸۴ - چڑیا کے بچّے

دو تین چھوٹے بچّے چڑیا کے گھونسلے میں
چپ چاپ لگ رہے ہیں سینہ سے اپنی ماں کے

چڑیا نے ماتا سے پھیلا کے دونوں بازو
اپنے پروں کے اندر بچوں کو ڈھک لیا ہے
اس طرح روزمرہ کرتی ہے ماں حفاظت
سردی سے اور ہوا سے رکھتی ہے گرم اُن کو
لیکن چڑا گیا ہے چُگّا تلاش کرنے
دانہ کہیں کہیں سے پوٹے میں اپنے بھر کر
جب لائے تو بچے منہ کھول دیں گے جھٹ پٹ
اُن کو بھرائے گا وہ ماں اور باپ دونوں
بچوں کی پرورش میں مصروف ہیں برابر
اور چھوٹے بچے خوش ہیں تکلیف کچھ نہیں ہے
اے چھوٹے چھوٹے بچو تم اونچے گھونسلے سے
ہرگز نہیں گروگے۔ پر اور پرزے اب تک
نکلے نہیں تمہارے اس واسطے ابھی تم
اونچے نہ اُڑ سکوگے۔ ہاں جب تمہارے بازو
اور پَر درست ہوں گے تو دن کی روشنی میں
سیکھوگے تم بھی اُڑنا کرتے پھروگے جیں جیں
اُڑتے پھروگے پھر پھر بھولے چھوٹے بچو لیکن کوّا بڑی بلا ہے اس سے خدا بچائے
(اسمٰعیل)

۸۵۔ کوّا

کوّے ہیں سب دیکھے بھالے — چونچ بھی کالی پر بھی کالے
کالی کالی وردی سب کی — اچھی خاصی انکے ڈھب کی
کالی سینا کے ہیں سپاہی — ایک سی صورت ایک سیاہی
لیکن ہے آواز بری سی — کان میں جا لگتی ہے چھری سی
یوں تو ہے کوّا حرص کا بندہ — کچھ نہ چھوڑے پاک نہ گندہ
اچھی ہے پر اس کی یہ عادت — بھائیوں کی کرتا ہے دعوت
کوئی ذرا سی چیز جو پالے — کھائے نہ جب تک سب کو بلالے
کھانے دانے پر ہے گرتا — پیٹ کے کارن گھر گھر پھرتا
دیکھو یہ وہ دیوار پہ بیٹھا — غلہ کی ہے مار پہ بیٹھا
کیوں کر باندھوں اس پہ نشانہ — بے صبرا چوکتا بیانہ
کائیں کائیں پنکھ پسارے — کرتا ہے یہ بھوک کے مارے
تاک رہا ہے کونہ کھترا — کچھ دیکھو تو نیچے اترا
اس کو بس آتا ہے اچھلنا — جانے کیا دو پاؤں سے چلنا
اچھلا، کودا، لپکا، سرکا — ہاتھ میں تھا بچے کے ٹکڑا
آنکھ بچا کر جھٹ لے بھاگا — واہ رے پھرتی تیری کاگا

ہا ہا کرتے رہ گئے گھر کے — بچا وہ جا چونچ میں بھر کے

پیڑ پہ تھا چڑیا کا بسیرا — اس کو ظالم نے جا گھیرا

ہاتھ لگا چھوٹا سا بچہ — نوچا بیچارا کھا گیا کچا

چڑیا درد جان ہی کھوتی — ہے ظالم کی جان کو روتی

چیں چیں چیں چیں کہے دہائی — اپنی بپتا سب کو سنائی

کون ہے جو فریاد کو پہنچے — بیچاری کی داد کو پہنچے

پکنے پر جب مکا آئی — کوؤں نے جا لوٹ مچائی

دودھیا بھٹا چونچ سے چیرا — بیچ بیچ کا ہے اٹھائی گیرا

رکھوالے نے پائی آہٹ — گوپھن لے کر اٹھا جھٹ پٹ

ہریا ہریا شور مچا کر — ڈھیلا مارا تڑ سے گھما کر

سن کے تڑاتا کوا بھاگا — تھوڑی دیر میں پھر جا لاگا

لالچ خورا ڈھیٹ نڈر ہے — ڈاکو سے کچھ اس میں کسر ہے

ڈاکو ہے یا چور اچکا
پر ہے اپنی دھن کا پکا

(اسمٰعیل)

تمام شد

ضمیمہ

شعرا اور اُن کا کلام

استدعا:۔ ذیل میں شعرا کے متعلق جو جو حالات دریافت طلب ہیں۔ اگر کوئی صاحب ان سے مطلع فرمائیں گے تو باعث مشکوری ہوگا۔ اُمید کہ طبع ثانی میں کل حالات مکمل ہو جائیں گے۔

۱۔ آتش خواجہ حیدر علی صاحب مرحوم

ولادت وطن لکھنؤ وفات ۱۲۶۳ھ مدفن لکھنؤ

(۴۷) جوشِ بہار ....

۲۔ آزاد سید محمد حسین صاحب مرحوم

ولادت ۱۸۳۱ء وطن دلّی وفات ۱۹۱۰ء مدفن لاہور

(۱۳) خوشا وقت تمام ....

(۸۱) تیتریاں . . . .

۶۔ امجد :۔ سید امجد حسین صاحب

ولادت وطن حیدرآباد دکن

(۸۲) قمری . . . .

۷۔ امیر منشی امیر احمد مینائی مرحوم

ولادت ۱۲۴۴ھ وطن لکھنؤ وفات ۱۳۱۸ھ مدفن حیدرآباد دکن

(۲۹) فضائے برشکال . . . .

۸۔ انشا انشاء اللہ خاں مرحوم

ولادت وطن دہلی وفات ۱۲۳۳ھ مدفن لکھنؤ

(۳۰) ابر کی آمد . . . .

(۴۶) بہار . . . .

۹۔ انیس : میر ببر علی مرحوم

ولادت ۱۲۱۶ھ وطن دلی وفات ۱۲۹۱ھ مدفن لکھنؤ

(۱) نور ظہور کا وقت . . . .

(۲) نمود صبح . . . .

۱۰۔ ا۔ ج : محمد یعقوب صاحب گیاوی

ولادت ۱۸۸۳ء وطن

(۲۱) چاندنی . . . .

(۲۲) صبح بہار . . . .

۱۱۔ جلال مرادآبادی قاضی جلال الدین صاحب

ولادت وطن مرادآباد

(۲۶) برسات . . . .

۱۲۔ حالی، خواجہ الطاف حسین مرحوم

ولادت ۱۸۳۷ء وطن پانی پت وفات ۱۹۱۴ء مدفن پانی پت

(۲۳) برکھارُت

(۴۹) گرمی کا موسم

۱۳۔ ذاکر

ولادت وطن

(۵۰) صبح چمن

۱۴۔ سرور جہان آبادی منشی درگا سہائے آنجہانی

ولادت وطن وفات مدفن

(۲۸) فضائے برشکال

۱۵۔ سفیر

ولادت وطن

(٥٠) تتلی

١٦- سودا   مرزا محمد رفیع مرحوم

ولادت ١١٢٥ھ وطن دلّی وفات ١١٩٥ھ مدفن لکھنؤ

(٣٨) جاڑے کا موسم . . . .

١٧- سید نور اللہ شاہ صاحب

ولادت   وطن

(٨٣) ابابیل . . . .

١٨- شباب   محمد سیف الدین صاحب

ولادت   وطن

(١٧) آبشار . . . .

١٩- شوق قدوائی   مولوی احمد علی صاحب

ولادت   وطن

(٧) لطفِ سحر . . . .

(٣٣) بادل کا پھٹنا . . . .

(٣٤) برسات کی شام . . . .

(٤٣) آمدِ بہار . . . .

(٦٤) جنگل کی رات . . . .

۲۰۔ ظفر علی خاں صاحب

ولادت وطن

۲۱۔ عدیل گنتوری مولوی محمد عسکری صاحب

ولادت وطن

۲۲۔ عزیز لکھنوی مرزا محمد ہادی صاحب

ولادت وطن لکھنؤ

۲۳۔ غالب　　مرزا اسد اللہ خاں مرحوم
ولادت ۱۷۹۶ء وطن دلی وفات ۱۸۶۹ء مدفن دلی
(۱۲) طلوعِ آفتاب . . . .
(۴۲) آمدِ بہار . . . .

۲۴۔ فلک　　منشی لال چند صاحب
ولادت　　وطن
(۹) ترانۂ بیداری . . . .

۲۵۔ کامل　　نذیر احمد صاحب
ولادت　　وطن
(۲۹) دریائے بیاس . . . .

۲۶ مائل　　لالہ جینتر داس صاحب دہلوی
ولادت　　وطن
(۴۰) موسمِ خزاں . . . .

۲۷۔ مبارک　　مرزا مبارک بیگ صاحب
ولادت　　وطن

(۴۵) لطفِ بہار . . . .

۲۸۔ محروم منشی تلوک چند صاحب

ولادت وطن

(۱۰) ترانۂ بیداری . . . .

(۱۱) بندرابن کی صبح . . . .

(۶۳) صحرا . . . .

(۷۷) بلبلِ زمزمہ ساز . . . .

(۸۰) مور . . . .

۲۹۔ محسن مولوی محمد محسن مرحوم

ولادت ۱۲۴۲ھ وطن کاکوری وفات ۱۹۰۵ء مدفن مین پوری

(۳) عبادتِ صبح . . . .

۳۰۔ محمد عبدالرشید صاحب بازید پوری

ولادت وطن

(۸۱) کبوتر . . . .

۳۱۔ مرزا شوق نواب مرزا شوق مرحوم

ولادت وطن وفات مدفن

(۵۹) باغ بنگلہ . . . .

(۶۰) آرایشِ باغ . . . .

(۶۲) صحرا . . . .

۳۲۔ مقبول   مولوی محمد عثمان صاحب

ولادت   وطن   وفات   مدفن

(۶۹) گنگا جی . . . .

۳۳۔ میر   میر تقی مرحوم

ولادت سنہ ۱۱۲۵ھ وطن دلی وفات سنہ ۱۲۲۵ھ مدفن لکھنو

(۳۷) میر اپنے گھر کا حال . . . .

۳۴۔ میر حسن   میر غلام حسین مرحوم

ولادت   وطن دلی   وفات   مدفن لکھنو

(۲۲) جنگل کی چاندنی رات . . . .

(۵۷) باغ . . . .

۳۵۔ واسطی   سید علمدار حسین صاحب

ولادت   وطن   وفات   مدفن

(۳۱) پہاڑی بادل . . . .

(۳۶) مینڈک کا راگ

(۵۵) ہندوستان کے پھول . .

کُلیاتِ اختر شیرانی

شاعرِ رومان کا وہ بلند کلام جس کے ایک ایک لفظ میں عشق کی رنگینیاں اسطرح سموئی ہوئی ہیں۔ جس سے دنیائے عشق و محبت کو چار چاند لگتے ہیں۔

اختر شیرانی مرحوم کا یہ کلام فنِ شاعری کا نایاب مُرقع ہے۔ جس کو معنوی و ظاہری خوبیوں سے آراستہ کیا گیا ہے۔

قیمت مجلّد صرف آٹھ روپے

مناظرِ قدرت

حصہ دوم

مُرتّبہ

محمد الیاس برنی

زیر نگرانی

مُسلم احمد نظامی۔ ایم۔ اے

قیمت دو روپے ۲۵ نئے پیسے

مالک

کتب خانہ نذیریہ مسلم منزل کھاری باؤلی دہلی

فہرست مضامین

ہر جلی عنوان سے ایک نیا مضمون شروع ہوتا ہے اور اس کے تحت میں مضامین متجانسہ درج ہیں :-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱- ظہورِ صبح

پھولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زارِ صبح　　گلزارِ شب خزاں ہوا آئی بہارِ صبح
کرنے لگا فلک زرِ انجم نثارِ صبح　　سرگرم ذکرِ حق ہوئے طاعت گزارِ صبح
تھا چرخِ اخضری پہ یہ رنگ آفتاب کا
کھلتا ہے جیسے پھول چمن میں گلاب کا
چلنا وہ بادِ صبح کے جھونکوں کا دم بدم　　مرغانِ باغ کی وہ خوش الحانیاں بہم
وہ آب و تابِ نہر وہ موجوں کا پیچ و خم　　سردی ہوا میں پر نہ زیادہ بہت نہ کم
کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا
تھا موتیوں سے دامنِ صحرا بھرا ہوا

وہ صبحِ نور اور وہ صحرا وہ سبزہ زار — تھے طائروں کے غول درختوں پہ بے شمار
چلنا نسیمِ صبح کا رہ رہ کے بار بار — کوکو وہ قمریوں کی وہ طاؤس کی پکار

وا تھے دریچے باغِ بہشتِ نعیم کے
ہر سو رواں تھے دشت میں جھونکے نسیم کے

آمد وہ آفتاب کی وہ صبح کا سماں — تھا جس کی ضو سے وجد میں طاؤسِ آسماں
قطروں کی روشنی میں ستاروں کا تھا گماں — ہر ذرۂ زمین میں تھی مثلِ کہکشاں

ہر نخل پر ضیائے سرِ کوہِ طور تھی
گویا فلک سے بارشِ بارانِ نور تھی

انیس

۲۔ نسیمِ سحر

اے نسیمِ روح پرور اے ہوائے خوشگوار — کیسی متوالی ہے تیری چال میں تجھ پر نثار
ہر روش پر لغزشِ مستانہ سے رکھنا قدم — اور وہ اٹھلا کے چلنا شوخیوں سے بار بار
تیرے آنے کی خوشی میں قطرۂ شبنم نسیم — گوہرِ نایاب بن کر ہوتے ہیں تجھ پر نثار
سبز شاخوں پہ ہیں تیرے خیر مقدم کو طیور — مرحبا اہلاً و سہلاً کی ہے ہر سو سے پکار

اے نسیمِ صبح بیشک رونقِ گلشن ہے تو
تیرے ہی دم سے ہے وابستہ گلستاں کی بہار

اوج گیاوی

۳- پل پر شامِ تنہائی

ہے پُل پر عجیب لطف دیکھو — منھ جانبِ غرب کر کے بیٹھو
سورج ہے غروب ہوتا جاتا — عالم پہ سکوت سا ہے چھاتا
موجوں سے نسیم کھیلتی ہے — ٹکراتی اور دھکیلتی ہے
پانی کی بچھی ہوئی ہے چادر — مقیش بکھر رہا ہے اس پر
گردوں پہ ہیں رنگ کیسے کیسے — پھیکے اور شوخ بھاری ہلکے
ہر رنگ میں اِک نئی ادا ہے — گلزارِ فلک پہ کھل رہا ہے
پانی جو افق سے جا ملا ہے — نظارہ عجیب ہو رہا ہے
اِک غم زدہ اِک طرف ہے بیٹھا — حیرت سے ہے دیکھتا تماشا
خاطر میں خیال ہے کسی کا — نظروں میں جمال ہے کسی کا

فرقت کی ہے چوٹ اس کے دل پر
آنکھوں کو تلاشِ روئے دلبر

حسرت

۴- لطفِ شب

فلک کواکبِ مہتاب سے ہوا روشن — زمیں پہ لیمپ ہیں جگنو کے جابجا روشن
یہ چاندنی کی بہار اور یہ خوشگوار فضا — یہ دلفریب مناظر یہ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا

چڑھا ہے ایک ردِ پہلا ورق زمانہ پر | برس رہا ہے تجلی کا ابرِ خوش منظر
چمک ستاروں کی اپنی دکھا رہا ہے فلک | نظر اٹھا تو ذرا جگمگا رہا ہے فلک

اٹھو اب زمانہ کا کچھ اور رنگ ہے پیاری
زمانہ دیکھ کے یہ سین دنگ ہے پیاری

(ترجمہ نظم انگریزی طامس ہڈ) عزیز

۵- چاندنی اور خانہ باغ

نظر آئی واں چاندنی کی بہار | کہ آنکھوں نے کی خیرگی اختیار
در و بام یک لخت سارے سپید | ہر اک طاق و محراب صبحِ امید
بلوریں تھے سب ہر طرف سنگِ فرش | کہ جس سے منور ہو رنگِ فرش
ہر اک سمت واں نور کا اژدہام | لگے آئینے قدِ آدم تمام
بہا آب وہ چوپڑ کی پاکیزہ نہر | کٹے چشمۂ ماہ سے جس میں لہر
لبِ نہر پر صاف جو غور کی | تو پٹری تھی وہ ایک بلور کی
پڑے اس میں فوارے چھوٹے ہوئے | ہوا میں وہ موتی سے لٹتے ہوئے
مقرر پڑا اس میں مقیش جو | گرا آ کے واں رشک سے پرنے ہو
پڑے گود مقیش چھوٹے بڑے | ہر اک جا ستارے اڑا دیں کھڑے
غرض اپنی صورت سے تاروں کو توڑ | زمیں کو فلک کا بنایا تھا جوڑ

ہوا میں وہ جگنو سے چمکیں بہم — ملیں جلوۂ مہ کو زیرِ قدم
فقط چاندنی میں کہاں طور یہ — کہ طرّہ نہ جب تک ملے اور یہ
زمانہ درخشاں ہوا دُرفشاں — زمیں سے لگا تا سما دُرفشاں
کھڑا ایک لمگیرۂ آب دار — کہ تھے جس کے جھالر پہ موتی نثار
جڑاؤ وہ استادہ الماس کے — جھلے ایک سانچے کے اک راس کے
کبھی ڈور ہر سمت زر تار کی — لڑی جوں کناری کہ ہوں ہار کی
کہوں کیا میں جھالر کی اس کی پھبن — کہ سورج کی ہو گرد جیسے کرن
مغرق بچھی مسند اک جگمگی — کہ تھی چاندنی جس کے قدموں لگی
نہ چھوٹے سمانے بچھے تکیے دہرے — کہ جیسے وہ فقط حسن ہی کے بھرے
زمیں نور کی آسماں نور کا — جدھر دیکھو ادھر سماں نور کا
چمن سارے داؤدیوں سے بھرے — جوانانِ شبّو کے ہر جا پرے
ستاروں کا مہتاب میں حال یوں — کہ چھوٹے ہیں پانی کے قطرے جوں پھول
اگر کیجیے سایۂ اوپر نگاہ — تو ہے وہ بھی جوں سایۂ مہر و ماہ

کرے ہے نگہ جس طرف کو گزر
بجز نور آتا نہیں کچھ نظر

میر حسن

۶- چاندنی اور تالاب

یک شب جو تھی چاندنی کی بہار
سیرِ دریا کو میں اُٹھا اِک بار

پھٹ گیا ابر ہٹ گیا تھا سحاب
صاف تھا مطلعِ شبِ مہتاب

تھا فلک سے زمیں تلک اک نُور
نُور سے تھا خلا وہ سب معمور

نورُ افشاں تھا چشمۂ مہتاب
نُور آگیں تھا چشمۂ تالاب

تھا جہاں میں کہیں نہ گرد و غبار
ہاں مگر تھا یہ خاطرِ انجار

پہونچا آخر میں طالبِ تالاب
تھا جو تالاب چادرِ مہتاب

[illegible] تھا وہ ہر آئینہ
موجِ تالاب تھی ہر آئینہ

اس میں دیکھتا تھا قدرتِ حق
گو وہ آئینہ تھا مجھے مطلق

آب اس وقت ذوق شوق میں آ
سر کو ہر سنگ پر پٹکتا تھا

موج [illegible] تھی یہ یا وجد اس دم
وجد میں تھی ہر ایک موج اِس دم

مُرغ دریا تھے ذکر میں اس کے
چشم گریاں تھی فکر میں اس کے

دود ماں کا بخارِ اُلفت تھا
دلِ ماہی میں خارِ اُلفت تھا

آئینہ تھی وہاں ہر ایک خزف
چشمِ حق بیں تھی سینہ چاک صدف

جلوہ آرا تھا عالمِ مہتاب
مہ سے تا بماہی تالاب

میر حسن

۷- شبِ تاریک

ہے وہ بھیانک رات اندھیری
تو بھی لے ایزدِ باری

اِکّا دُکّا ہیں کچھ تارے
چھُپ گئے باقی خوف کے مارے

کرتی ہے دنیا سائیں سائیں
صرف درندوں کی ہیں صدائیں

ننگِ عمارت ہے یہ نرالا
جیسے پہاڑ اِک کالا کالا

کوئی سوادِ شب کی حد ہے
گوشہ گوشہ گھر کا لحد ہے

سوچ رہا ہوں باتیں کیا کیا
دیکھ رہا ہوں نقشہ کیسا

عزیزؔ

۸- سمندر کی رات

نصف شب اور اُس پہ کالی رات
ماہِ قمری کی ہے ہلالی رات

سارا عالم ہے خواب میں مدہوش
باسفورس میں ہے نرالا جوش

لہریں پانی کا راگ گاتی ہیں
موجیں اُٹھ اُٹھ کے دف بجاتی ہیں

سطحِ دریا پہ ہے ہمارا جہاز
ہے تلاطم سے محوِ نازو نیاز

موجیں لوری سُنا رہی ہیں اُسے
لہریں جھولا جھلا رہی ہیں اُسے

ننھے ننھے وہ خوشنما تارے چھوٹے چھوٹے وہ دل رُبا تارے
وہ ہمیں دیکھ کر ہیں دُور سے خوش
ہم اندھیرے میں اُن کے نُور سے خوش

(ترجمہ نظم انگریزی) محمد عبدالعزیز شوقؔ

۹۔ لُطفِ برشکال

آتے ہی جہاں میں فصلِ برسات جی اُٹھے زمیں کے سب نباتات
چلنے لگیں دل کُشا ہوائیں اُٹھنے لگیں جھوم کر گھٹائیں
اُمڈے ہیں عجیب دھج کے بادل برسے وہ گرج گرج کے بادل
کویل کی صدا پپیہوں کا شور پر کھول کے ناچتے ہوئے مور
سرسبز وہ جنگلوں میں جھاڑی سبزہ سے ڈھکے ہوئے پہاڑی
خود رو پھولوں کی شوخ رنگت بھینی بھینی وہ مست نکہت
ہے کیسی نظر فریب د مرغوب نازک نازک ہری ہری دوب
خوش پھر رہے ہیں چرند چرتے
ہیں چوکڑیاں غزال بھرتے

عزیزؔ

١٠- برق و باراں

بن گیا ہے کرۂ تاریک بالکل آسماں
بادلوں کو دیکھ کر دل کہہ رہا ہے الاماں

غیر ممکن ہے گرج سن کر کوئی گھبرا نہ جائے
قہر برپا کر دیا ہے بادلوں نے ہائے ہائے

ہو گیا ہے برقِ سوزاں کا فلک پر اقتدار
جھاڑتی پھرتی ہے ظالم ہر طرف اپنا شرار

کوندتی ہے اس طرح ہو ہو کے ہر دم بیقرار
چل رہی ہے تیغ گویا آسماں پر بار بار

ہر طرف معلوم ہوتی ہے لگی اک آگ سی
اللہ اللہ اس قدر سرعت یہ آئی وہ گئی

کیا تعجب ہے دہلتی ہے جو رہ رہ کر زمیں
اڑ گئی ہے آج شاید آسماں کی میخ زیں

دفعتاً آتی ہے پھر اک سرسراہٹ کی صدا
دور کے کھیتوں میں ہے بالکل دھواں چھایا ہوا

رفتہ رفتہ یہ دھواں نزدیک بالکل آ گیا
بڑھ گئی پہلے سے بھی اب سرسراہٹ کی صدا

دیکھتے کیا ہیں کہ بارش سر کے اوپر آ گئی
ہر طرف پڑنے لگیں بوندیں ٹپاٹپ زور کی

دیکھ کر یہ طفل برنا پیر سب مسرور ہیں
یاس و غم راحت کے ہونے سے اب تو کوسوں دور ہیں

ہیں کہیں جھولے کہیں سامان ہیں پکوان کے
دل خوشی سے ہر طرف لبریز ہیں انسان کے

ہادی

۱۱- برسات

آ گئی گھنگھور گھٹا چھا گئے بادل ہر سو — آئیں بگلوں کی قطاریں سوئے دریا اڑ کر
کوئلیں کوکیں پپیہوں نے صدا دی دلکش — ہو کے خوش موروں نے بھی اپنے پھیلا دیئے پر
فاختہ دید میں ہے سرو بھی کے مشغول — مسکراتے ہوئے غنچوں پہ ہے بلبل کی نظر
بھنورے کرنے لگے پھولوں کی بلا گردانی — آ کے سب بیٹھ گئے نغمہ سرا شاخوں پر
بال سنبل کے جو الجھے ہوئے پائے اس نے — شانہ کرنے لگی منقار سے قمری آ کر

آئی برسات ہرے ہو گئے دل کے یہ زخم
باغ میں پھر ہے جنوں خیز ہواؤں کا گزر

نہال عظیم آبادی

۱۲- برسات

امڈ کے آئی ہے گھٹا — سیاہ چھائی ہے گھٹا
جو فرق ہے تو نام میں — سحر میں اور شام میں
غضب ہے رعد کی کڑک — رہا ہے جس سے دل دھڑک

جھڑی لگی ہے زور کی
کچھ انتہا ہے شور کی

وہ ہو رہا ہے شور کچھ — وہ جا رہے ہیں مور کچھ
بنا کے حلقہ ایک دم — یہ کیسے ہو گئے بہم
ہے ایک بیچ میں کھڑا — عجب ادا سے ناچتا
جو تال سم ہیں مل رہے
تو سارے پر ہیں ہل رہے

کہیں جو لال ابر ہے — وہ مایہ سوز صبر ہے
ہے آہ کتنی دل رُبا — فلک میں سُرخیِ حنا
ہے جس کا عکس خوشنما — کچھ یوں زمیں پہ پڑ رہا
کہ ہے نگاہِ عام میں
سحر کا لُطف شام میں

سحر

۱۳۔ برسات

رُت ہے برسات کی بہت پیاری — موج زن جھیلیں ندیاں ساری
کھیت دھانوں کے لہلہے شاداب — کر رہے ہیں نظر کی دلداری
کیا ہری دوب جنگلوں میں ہے — سبز مخمل سے ہے سوا پیاری
ہر طرف کھل رہے ہیں گل بوٹے — جن سے شرمندہ باغ کی کیاری

ننھی ننھی برستی ہیں بوندیں — رُوح پر ہوتی ہے خوشی طاری
سوندی سوندی زمین کی مٹی — بھینی بھینی چمن کی بُو پیاری
کوکلہ بگلہ کو تلیں طاؤس — اپنی تانیں سناتے ہیں پیاری
قازیں مرغابیاں بطیں سُرخاب — جھیلوں کے ساتھ کرتی ہیں یاری
شفقِ سُرخ رنگ لائی ہے — لالہ گوں ہے سپہرِ زنگاری
بدلیاں چھا رہی ہیں گردوں پر — زرد، اودی، سنہری زنگاری
سیر کیجیے بن کی چل کر دیکھیے — کیا نمایاں ہے قدرتِ باری
مچھلیوں کی چمک میں ہے چل بل
جیسے رقصاں بتانِ فرخاری

منیر

۱۴- برسات

پرندوں نے ہر سُو مچائی ہے دھوم — کہ آئے ہیں بادل سیہ جھوم جھوم
جو پر اپنے پھیلا کے ناچے ہے مور — تو مینڈک نے پانی میں ڈالا ہے شور
پپیہوں کی پی پی وہ کوئل کی کوک — کلیجے سے عاشق کے نکلے ہے ہوک
جہاں سارا دم بھر میں جل تھل ہوا
کہ اک چادرِ آب جنگل ہوا

طوس

۱۵- برسات

بجلی چمک رہی ہے بادل بھی چھا رہے ہیں
کیا لطف کا سماں ہے کیا لطف آ رہے ہیں
رفتار بادلوں کی کیا لطف دے رہی ہے
پورب سے آ رہے ہیں پچھم کو جا رہے ہیں
دیوانہ وار بچے پھرتے ہیں شور کرتے
پانی سے کھیلتے ہیں خوش خوش نہا رہے ہیں
ایسا سماں ہے دل کش اس وقت کچھ نہ پوچھو
بادل برس رہے ہیں دل کو لبھا رہے ہیں

حامد

۱۶- برسات

وہ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے گلشن میں
کہ جس کے جھونکوں سے بشاش ہو دلِ بیمار
وہ جھوم جھوم کے آنا گھٹا کا ہر سو سے
وہ شاخِ سرو پہ آمادہ قمریوں کی پکار

وہ بار بار پپیہوں کا "پی کہاں" کہنا
وہ کوئلوں کا درختوں پہ کوکنا ہر بار

وہ سبز سبز ہیں ہر سمت برگ ہائے شجر
گمان جس پہ زمرّد کا ہوتا ہے ہر بار

کہیں ہے جوہی کہیں موتیا کہیں بیلا
کہیں گلاب کہیں نسترن کہیں ہے چُنار

عجیب فصل ہے برسات کی بھی صلِّ علیٰ
درود پڑھنے کے قابل ہے صنعتِ غفار

ادج

۱۷- برسات

پورب سے گھٹائیں کالی کالی
سرسبز زمیں کو کرنے والی

مخلوق کو چین دینے والی
مستوں کی دعائیں لینے والی

مستانہ اُٹھیں بڑھیں اُمنڈ کر
آفاق پہ چھا گئیں سراسر

دل کھول کے بحر و بر پہ برسیں
دم بھر میں تمام جھیلیں بھر دیں

بارش کا جو تار لگ گیا تھا
رحمت کا پیام لا رہا تھا

قطرے جو زمیں پہ ٹوٹتے تھے
فوارے کرو ڑوں چھوٹتے تھے

مخلوق کے دل کو چین آیا — خوش خوش ہے ہر ایک پیر و برنا
اطفال بہم نہا رہے ہیں — پانی کی خوشی منا رہے ہیں
رحمت کا نزول ہو چکا ہے — سرشار ہر اک شجر کھڑا ہے
ہر شاخ نہا نہا کے نکھری — قدرت نے کئے نثار موتی
ہر پھول سے رنگ ہے ٹپکتا — ہر برگ سے زندگی ہویدا
آواز پپیہا دے رہا ہے — خاموش سا ہر شجر کھڑا ہے
عشاق کا دل ہے محوِ تاثیر — سناٹے میں دشت مثلِ تصویر
فریاد میں دردِ دل نہاں ہے — مغموم فغاں سے "پی کہاں" ہے
اِس زور سے چیختا ہے پیہم — رہ جاتا ہے چُپ وہ ہو کے بیدم
کوئل وہ نظیرِ قیس ولیلیٰ — جاں سوختہ سانولی سلونی
پُر سوز و گداز اُس کی آواز — ہجوروں کے دردِ دل کی ہمراز
گلزار ہیں باغ اس کے دم سے — پُرکیف دماغ اس کے دم سے
چوپایوں کے صاف ستھرے گلے — رمنوں میں اِدھر اُدھر ہیں چرتے

سبزے میں سفید اور کالے
بھاتے ہیں نگاہ کو کیسے

حسرت

۱۸- برسات

پانی کھلا ہے اس دم برس کر   دیکھیں تو چل کر جنگل کا منظر
آتا نظر ہے قدرت کا جلوہ   چاروں طرف ہے سبزہ ہی سبزہ
کیسی ادا سے بہتے ہیں جھرنے   پانی کی موجیں نکلی ہیں پھرنے
پانی میں کیسی دولت بہا دی   قدرت نے سبزوں چاندی گلادی
گرتا چٹانوں سے کیسے اُچھل کر   گودی میں سبزہ کی جاتا مچل کر
جانا تو بیزں کو کس گن شاہ   سبزہ کی چادر سے مُنھ کو چھپائے
پانی کے تھمنے سے پھیلا اُجالا   سورج نے پردہ سے منھ نکالا
اُٹھ کر چلے ہیں پانی کے مارے   نالوں کو پھاندا پہنچے کنارے

کب تک نہ بھیگے خود کو سنبھالے
سر پر کھڑے ہیں بادل کے جھالے

فقیر

۱۹- جنگل کی برسات

یہ نظر فریب منظر   یہ فضائے برشگالی
یہ نسیم روح پرور   یہ گھٹائیں کالی کالی

لبِ جو برسنے والی

کہیں مینھ کے ہیں جھالے — کہیں بادلوں کے ہیں دَل
کہیں بہہ رہے ہیں نالے — کہیں روپ پر ہیں جنگل
کہیں کوکتی ہے کوئل

جو اُبل رہے ہیں چشمے — تو چڑھی ہوئی ہیں ندیاں
جو برس گئے ہیں جھالے — تو ہرا بھرا ہے میداں
ہے زمیں کا سبز داماں

کہیں قمریوں کی کوکو — کہیں مور کی صدائیں
کہیں پھر رہے ہیں آہو — کہیں چر رہی ہیں گائیں
کہیں اُٹھتی ہیں گھٹائیں

کہیں بگلوں کی قطاریں — ہیں ہوا میں اونچی اونچی
کہیں مینھ کی پھواریں — لبِ جو ہیں ٹھنڈی ٹھنڈی
کہیں بہہ رہی ہے کشتی

جو چٹک رہی ہیں کلیاں — تو لہک رہا ہے سبزہ
جو ہوا ہے عنبر افشاں — تو مہک رہا ہے صحرا
کہ یہ رُت ہے روح افزا

یہ جلا وطن مسافر — جو میانِ دشت و صحرا

کہ چڑھے ہوئے ہیں دریا ہوئے گوشہ گیر آ کر
یہ ہیں رام اور سیتا

شنکر

۲۰- جھولا

تجھ سے اے جھولے ادائے دلکشی ہے آشکار — تیرے ہی باعث فزوں تر ہے گلستاں کی بہار
آ گئی برسات ساون کا مہینہ ہے شروع — تجھ کو پڑنا چاہیئے شاخِ شجر میں پائدار
تیری ہی خاطر تو سب آئے ہیں جھولے باغ میں — جھولنے کو ہیں حسینانِ جہاں اُمیدوار
سب فراہم ہو گیا ساماں مگر اب ہے تلاش — ہو بڑا سا پیڑ کوئی شاخ کوئی استوار

منتظر ہیں سب پڑے تو پہلے میں ہی بیٹھ جاؤں
جانبِ شاخِ شجر ہے آنکھ اور دل بے قرار

دور کر دہ ایک جا بیٹھی غضب کی شوخ ہے — سب تو منہ تکتے رہے اور یہ ہے جھولے پر سوار
وہ زمیں پہ پینگ کے تلوے بڑھایا اُس نے پینگ — وہ خوش آوازی سے گانے والی ہے کوئی ملہار
پاؤں ہٹنی سے لگانا لازمی ہے پینگ میں — شرط یہ سب جھولنے والوں میں ہے پائی قرار
جان کو دیتی ہے راحت دل کو دیتی ہے سرور — پینگ کے ہمراہ چلتی ہے ہوا جو بار بار

لُطف جھولے کا غرض برسات میں آتا ہے خوب
پھیاں پھیاں پڑ رہی ہے آج کل ہر سو پھوار

محوی

۲۱- اومس

بدلی کے جو گھر آنے سے ہوتی ہے ہوا بند / پھر بند سی گرمی وہ غضب پڑتی ہے یک چند
پھینکے کوئی پگڑی کوئی کھولے ہے کمرا بند / دم رُک کے گھُلا جاتا ہے گرمی سے ہر اک بند

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اومس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اومس

رُکنے سے ہوا کے جو بُرا ہوتا ہے احوال / پنکھا کوئی آنچل کوئی دامن کوئی رومال
دم دھکنے لگتا ہے لُہاروں کی گویا کھال / کچھ رُوح کو بے تابیاں کچھ جان کو جنجال

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اومس
سب چیز تو اچھی ہے پر ایک قہر ہے اومس

ہوتی ہے اُمس جو کبھی اِک رات کو آ کر / کر ڈالتی ہے پھر تو قیامت ہی مقرر
ایدھر تو ہوا بند اُدھر پسّو و مچھر / پانی کوئی پیوے تو اودھن سے بھی وہ بدتر

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اومس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اومس

جس وقت ہوا بند ہو اور آ کے گھٹا چھائے / پھر کہیے دل اس گرمی میں کس طرح نہ گھبرائے
اوڑھو تو پسینہ جو نہ اوڑھو تو غضب آئے / پسّو کبھی مچھر کبھی کھٹمل ہی لپٹ جائے

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اومس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اومس

گر اس میں ہوا کھل گئی اور پانی بھی لائی   تو جی میں جی اور جان میں کچھ جان سی آئی
اور اس میں جو پھر ہو گئی اُمس کی چڑھائی   تو پھر وہی رونا وہی غل شور دہائی

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُمس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اُمس

اِس رُت میں تو واللہ عجب عیش ہے دلخواہ   مینھ برسے ہے اور سرد ہوا آتی ہے ہر گاہ
جنگل بھی ہرے گل بھی کھلے سبزہ چراگاہ   اُمس ہی مگر دل کو ستاتی ہے نظیرؔ آہ

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُمس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اُمس

نظیرؔ اکبرآبادی

۲۲- شہر کی برسات

کتنوں کو محلوں میں جو ہے عیش کا نظارا   یا سائبان ستھرا یا بانس کا اسارا
کرتا ہے سیر کوئی کوٹھے کا لے سہارا   مفلس بھی کر رہا ہے پُورے تلے گزارا
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

مدت سے ہو رہا ہے جن کا مکاں پرانا   اُٹھ کر ہو اُن کو مینھ میں ہر آن چھت پہ جانا
کوئی پکارتا ہے ٹک موری کھول آنا   کوئی کہے ہے چل بھی کیوں ہو گیا دِوانہ
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کوئی پکارتا ہے لو یہ مکان ٹپکا   گرتی ہے چھت کی مٹی اور سائبان ٹپکا
چھلنی ہوئی اٹاری کوٹھا ندان ٹپکا   باقی تھا اِک اُسارا سو وہ بھی آن ٹپکا
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

چھت گرنے کا کسی جا غل شور ہو رہا ہے   دیوار کا بھی دھڑکا کچھ ہوش کھو رہا ہے
در در حویلی والا سر آن رو رہا ہے   مُفلس سو جھونپڑے میں دلشاد ہو رہا ہے
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

ہے جن کنے مُہیا پکا پکایا کھانا   اُن کو پلنگ پہ بیٹھے جھڑیوں کا حظ اُٹھانا
ہے جن کو اپنے گھر میں یاں دن تیل لاتا   ہے سر پہ اُن کے پنکھا یا چھاج ہے پُرانا
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جو اس ہوا میں یارو دولت میں کچھ بڑے ہیں   ہر اُن کے سر پہ چھتری ہاتھی اُپر چڑھے ہیں
ہم سے غریب غربا کیچڑ میں گر پڑے ہیں   ہاتھوں میں جوتیاں ہیں اور پائنچے چڑھے ہیں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کیچڑ سے ہو رہی ہے جس جا زمیں پھسلنی   مشکل ہوئی ہے واں سے ہر اک کو راہ چلنی
پھسلا جو پاؤں پگڑی مشکل ہے پھر سنبھلنی   جوتی گری تو واں سے کیا تاب پھر نکلنی
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنے تو کیچڑوں کے دلدل میں پھنس رہے ہیں   کپڑے تمام گندی دلدل میں بس رہے ہیں
کتنے اُٹھے ہیں مر مر کتنے اُکس رہے ہیں   وہ دُکھ میں پھنس رہے ہیں اور لوگ ہنس رہے ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

نظیر اکبرآبادی

۲۳- خشک سالی

نہ آئی پر نہ آئی پر نہ آئی
گھٹا نے بول دی بالکل صفائی

اگر آئی تو کی لے دے ہوا نے
سواری اور جانب کو بڑھائی

گئے دریا اتر تالاب سوکھے
کجائی ابر دریا دل کجائی

نہ صحرا میں غل آویزی کا انداز
نہ بستاں میں ہوائے دل کشائی

نہ صحنِ باغ میں طوطی کا نغمہ
نہ شاخِ گل پہ بلبل چہچہائی

زمیں چٹیل ہے کورا آسماں ہے
ہوئی اب کی برس اچھی صفائی

نہ رت میں مل کے ساون اور بھادوں
ہوئی ہے ترک باہم آشنائی

نہ تانا شامیانہ ابر تو نے
نہ اب کے رعد نے نوبت بجائی

نہ وہ جگنو نہ وہ راتیں اندھیری
نہ وہ کالی گھٹا گھنگھور چھائی

نہ پرنالے چلے اب کے دھڑا دھڑ
نہ گزری کی سڑک رَو نے بہائی

نہ وہ سن سن نہ وہ جھونکے ہوا کے
نہ بجلی نے چمک اپنی دکھائی

نہ وہ برسات کے کیڑے پتنگے
نہ مینڈک نے زمیں سر پر اٹھائی

کہاں بادل کہاں بجلی کہاں مینہ
پریشانی سی دنیا پہ ہے چھائی

نہ اے بھادوں بھرن برسائی تونے | نہ اے ساون جھڑی تونے لگائی
نہ موروں نے کیا کچھ شور برپا | نہ کوئل ہی نے دھوم اب کے مچائی
نہ زنگا رنگ بادل آسماں پر | نہ چھت پر گھانس دیواروں پہ کائی
نہ کیچڑ ہے نہ پانی ہے نہ سبزہ | نہ مینھ برسا نہ کھیتی لہلہائی
ترستے ہیں برستا ہی نہیں مینھ | سسکتی ہے پڑی ساری خدائی
ہوئی برباد کھیتی تھک گئے بیل | گئی گزری کسانوں کی کمائی
نہیں بیچارے حیوانوں کو چارہ | ہے انسانوں کو فکرِ بے نوائی
بہت مزدور بیٹھے ہیں نکمے | نہیں اب کوئی حیلہ جز گدائی

خدایا رحم کر جاں لب پہ آئی
تری مخلوق دیتی ہے دہائی

اسمٰعیل

۲۴- جاڑا اور کُہر

دفعتہً پیرِ سحر سانس ہے ایسا بھرتا | ق | یا زمانہ پہ وہ کچھ سحر ہے ایسا کرتا
کہ جہاں آنکھوں میں ہوجاتا ہے یکبار سفید | دشت کہسار سے تا در و دیوار سفید
ابر کی طرح بخارات کا گھر کر آنا | برف کے پرت میں وہ روئی وہ دھنکتے جانا

ہلکے ہلکے کبھی مکڑی کے جالے اُڑتے
اور ہوا میں کبھی روئی کے ہیں گالے اُڑتے

[illegible]

۲۵- آمدِ بہار

غنچے نے تاجِ گُل سے کیا پیرہن درست　　شادی بہار کی ہے ہوا ہے چمن درست
پیغام رستخیز ہے آمد بہار کی　　مرکر ہوئی ہے نرگسِ بیمار تندرست
گُل جلوہ گر ہیں آمدِ فصلِ بہار ہے
کر باغباں نشیب و فرازِ چمن درست

نسیمؔ

۲۶- موسم بہار

سجدۂ شکر میں ہے شاخِ ثمردار ہر ایک　　دیکھ کر باغِ جہاں میں کرمِ عزّ وجل
واسطے خلعتِ نوروز کے ہر باغ کے بیچ　　آ بجو قطع لگی کرنے روِشِ پر مخمل
بخشتی ہے گُلِ نورستہ کی رنگ آمیزی　　پوششِ چھینٹ قلمکار بہر دشت وجبل
عکسِ گلبن یہ زمیں بچھے کہ جس کے آگے　　کارِ نقاشیِ مانی ہے دوم دہ اوّل
سایۂ برگ ہرا اس لطف سے ہر اک گل پر　　ساغرِ لعل میں جوں کیجئے زمرّد کو حل
بارسے آبِ رواں عکسِ ہجومِ گل کے　　لوٹنے ہے سبزہ بیاز لیں کہ ہوا ہے بیکل
آب جو گردِ چمن لمعۂ خورشید کے ہے　　خطِ گلزار کے صفحے پہ طلائی جدول
چشمِ نرگس کی بصارت پہ زلیں کہتے ہیں درپے　　غنچۂ لالہ نے سرمے سے بھری ہے مکحل

لڑکھڑاتی ہوئی پھرتی ہے خیاباں میں نسیم
پاؤں رکھتی ہے صبا صحن میں گلشن کے سنبھل

سوداؔ

۲۷۔ جلوسِ بہار

بگھیاں نور کی تیار کرا لے بوٹے سمن   کہ ہَوا کھانے کو نکلیں گے جوانانِ چمن
عالمِ اطفالِ نباتات پہ ہوگا کچھ اور   گورے کالے سبھی بیٹّھیں گے نئے کپڑے پہن
کوئی شبنم سے چھڑک بالوں پہ اپنے پوڈر   کرسی ناز پہ جلوہ کی دکھا دیگا پھبن
اپنے گیلاس شگوفے بھی کریں گے حاضر   غنچہ دہن بھی وہاں کھولیں گے بوتل کی دہن
پتے ہل ہل کے بجا دیں گے فرنگی طنبور   لالہ لا دیگا سلامی کو بنا کر پلٹن
اپنی سنگین چمکتی ہوئی دکھلا دیں گے   آ پڑیگی جو کہیں نہر پہ سورج کی کرن
نے نوازی کے لئے کھول کر اپنی منقار   آ کے دکھا دیگی بلبل بھی جو ہو اس کا فن
آئیگا تدرو شیشہ کی گھڑی لے کے حباب   یاسمن تیوں کی بنتّیں میں چلیگی بن ٹھن
نکہت آوے گی نکل کھول کلی کا کمرہ   ساتھ ہوئیگی نزاکت بھی جو ہو اسکی بہین

حوض صندوق فرنگی سے مُشابہ ہوگا
اس میں ہوئیں گے پریزاد بھی سب عکسِ فگن

انشاؔ

۲۸- آفتِ خزاں

ہیں باغ جتنے یاں کے سو ایسے پڑے ہیں خوار
گل نے بُڑ کا اُن میں نام نہیں پھول در کنار

سوکھے ہوئے کھڑے ہیں درختانِ میوہ دار
کیاری میں خاک دھول روش پر اُڑے غبار

ایسی خزاں کے ہاتھوں ہوئی ہے بہار بند

دیکھے کوئی چمن تو پڑا ہے اُجاڑ سا
غنچہ نہ پھل نہ پھول نہ سبزہ ہرا بھرا

آواز قمریوں کی نہ بُلبل کی ہے صدا
نہ حوض میں ہے آب نہ پانی ہے نہر کا

چادر پڑی ہے خشک تو ہے آبشار بند

نظیر اکبرآبادی

۲۹- گرمی کا موسم

آج کل کچھ گرم ایسا ہو گیا ہے آفتاب
آرہا ہے یاد لوگوں کو قیامت کا عذاب

جس کو دیکھو اپنے بستر پہ پڑا ہے بیقرار
بے بسی میں بے رہا ہے کروٹیں سیماب وار

ہے کسی مضطر کے سر پر تولیہ بھیگا ہوا
دے رہا ہے کوئی منہ پر اپنے چھینٹا آب کا

ہے کسی تفتہ جگر کو ٹھنڈے پانی کی تلاش
برف کی رکھے ہوئے ہے کوئی منہ میں تر قاش

آگ کی مانند پنکھے سے نکلتی ہے ہوا
بادکش کو شعلہ کش گرمی نے بالکل کر دیا

راستے میں دھوپ کے جو پڑ گیا پامال ہے
تاب دوزخ سے مشابہ ہے یہ لو کا حال ہے

لو کے معمولی تھپیڑے میں نکل جاتا ہے دم
ایسی حالت میں کوئی باہر نکالے کیا قدم

ہو گیا ہے جان کو ہر وقت کی آندھی عذاب
گرد کے مارے نظر آتا ہے سارا گھر خراب

آسماں پہ یا الٰہی آگ کیسی لگ گئی
ہوتی رہتی ہے جو یوں بھوبھل کی بارش گرد کی

شدت گرمی سے سونا ہو گیا قطعاً حرام
دیکھئے ہوتا ہے کب تک اس بلا کا اختتام

کیا کہیں کس بیقراری سے بسر ہوتی ہے رات
لو کی آفت سے نہیں اس وقت بھی ملتی نجات

ہو نہیں سکتا ہے اس آفت میں دنیا کاروبار
موسم باراں کا بیحد ہو رہا ہے انتظار

دیکھیں ہادی کب بدلتا ہے فلک کا انتظام
دیکھیں کب لاتی ہے بارش زندگانی کا پیام

ہادی

۳۰ - گرمی کا موسم

کوسوں کسی شجر میں نہ گل تھے نہ برگ و بار
ایک ایک نخل جل رہا تھا صورت چنار

ہنستا تھا کوئی گل نہ لہکتا تھا سبزہ زار
کانٹا ہوئی تھی پھول کی ہر شاخ باردار

گرمی نہ تھی کہ زیست سے دل سب کے سرد تھے
پتّے بھی مثل چہرۂ مدقوق زرد تھے
شیر اُٹھتے نہ تھے دھوپ کے مارے کچھار سے — آہو نہ منھ نکالتے تھے سبزہ زار سے
آئینہ مہر کا تھا مکدر غبار سے — گردوں کو تپ چڑھی تھی زمیں کے بخار سے
گرمی سے مضطرب تھا زمانہ زمین پر
بھُن جاتا تھا جو گرتا تھا دانہ زمین پر

۱ انیس

۳۱ - سیرِ کشمیر

سبزۂ و نسریں و گُل کی سرزمیں کہئے اسے
صفحۂ گیتی پہ یا خُلدِ بریں کہئے اسے
فی المثل تختہ زمرد کا ہے واں اک سبزہ زار — سایہ افگن اس طرح ہیں ہو بہو اُس پر چنار
جھیل کے چاروں طرف جسطرح آتے ہیں نظر — زیر و بالا اونچے نیچے گھر قطار اندر قطار
تھی بنانے سے غرض تیرے یہ اے باغِ نسیم — باغ جنت کا نہ انساں کو رہے کچھ انتظار
چوٹیاں پربت کی ہیں یوں برف میں لپٹی ہوئی — جابجا گویا کھڑے ہیں دیو اور جن پہرہ دار
اِن کی رفعت اور بلندی کی نہیں کچھ انتہا — سینۂ گردوں سے گویا اب نکل جائینگی پار
روز روشن میں جب اُن کا جھیل پر پڑتا ہے عکس
نقرئی پانی کی اس کے پھر کوئی دیکھے بہار

جنت اے کشمیر کوئی تجھ سی دنیا میں نہیں
تو نہیں دیتا بھٹکنے اپنے طالب کو کہیں

ہر چمن یاں پھول سے اور پھل سے مالا مال ہے
ہر چمن میں یاں مہیا ہیں مکاں بہر مکیں

ان مکانوں اور خیابانوں سے جب آگے بڑھے
پھر وہ عالم ہے جہاں غیر از خموشی کچھ نہیں

جیسے ہوتا ہے ابد پر وقت جا کر منتہی
ختم ہو جاتی ہے دنیا بھی یہاں آ کر یونہیں

یعنی اقلیم ابد اور یہ جہانِ خامشی
طاقتِ انساں کی حد سے ہیں پرے دونوں کہیں

طرفہ سناٹا ہے اس سنسان کوہستان پر
جس کی دنیا میں نہیں تمثیل کوئی دلنشیں

ہیں سراسر ناپدید آثارِ انسانی یہاں
منہ لپیٹے ہیں پڑے اسرارِ یزدانی یہاں

حالی

۴۲۔ ڈیرہ دون کی سیر

یہیں بہار کا پہلے پہل ہوا تھا شگون
عجیب خطۂ دلکش ہے شہر ڈیرہ دون

تمام شہر ہے گرد و غبار سے خالی
جدھر نگاہ اٹھے اس طرف ہری ہریالی

گھنے درخت ہری جھاڑیاں ہیں شاداب
لطیف سرد ہوا پاک صاف چشمۂ آب

طلسم حسن کا ہے بیچ میں یہ گلدستہ
کھڑے ہیں کوہ شجر پہلوؤں میں صف بستہ

یہاں جو آ کے مسافر قیام کرتے ہیں
یہ سنتری انھیں پہلے سلام کرتے ہیں

جو دُور جائیے بستی سے اور ہی ہے سماں
یہ سوچتا ہے پہاڑوں کو دیکھ کر انساں
بشر پہ رُعب یہ قدرت کا چھا گیا کیسا
یہ بل زمین کی تیوری پہ آ گیا کیسا
بس ایک عالمِ ہُو چار سمت طاری ہے
نہ شور و شر ہے نہ دنیا کی آہ و زاری ہے
فضائے کوہ میں ایسی ہوا سماتی ہے
بشر کی رُوح کو راحت کی نیند آتی ہے
اثر دکھاتا ہے قدرت کا نغمۂ دل گیر
شجر حجر سے ٹپکتی ہے راگ کی تاثیر
یہ راگ وہ ہے جو مضراب کا اسیر نہیں
یہ صرف کان کے پردوں میں گوشہ گیر نہیں
وہی سُنے گا اسے دل گداز ہے جس کا
ہو دل میں سوز تو رگ رگ میں ساز ہو جس کا

یہ راگ مجھ میں سمایا سرورِ ہو کر
ہوس تھی رُوح کو مل جائے ایسی ہو کر

چکبست

۴۳ - شیلانگ اور کلکتہ

رُخصت اے شیلانگ اے رشکِ گلستانِ ارم
کر چکے تیری فضائے جاں فزا کی سیر ہم
اب کہاں دیکھیں گے تیرے آبشاروں کی بہار
کر سکیں گے اب نظارے کب ترے چشموں کے ہم
ٹھنڈی ٹھنڈی یہ ہوائیں اب کہاں ہوں گی نصیب

اب کہاں ہوگی میسر یہ نسیمِ صبح دم
اب کہاں گرمی کے موسم میں یہ سردی کی بہار
لوٹ کر آجائے جس سے جسم میں مردہ کے جاں
اب کہاں مرغانِ خوش الحاں کے دلکش چہچہے
جن کو سن کر دل سے ہو جاتے تھے سب پراں الم
اب نظر ہر دم نہ آئے گی یہ رُت برسات کی
اب نہ دیکھیں گے برستا رات دن ابرِ کرم
گو جُدا شیلانگ سے ہم ہو رہے ہیں اے نشاط
چھوڑے جاتے ہیں مگر دل کو یہیں بے اختیار
مرتے دم تک دل سے یہ باتیں نہ جائینگی کبھی
ہم کو بھولیں گی نہ یہ دن اور نہ یہ راتیں کبھی
تجھ سے رُخصت ہو کے اے شیلانگ جاتے ہیں جہاں
شہر ہے بے شک اس میں پر نہیں کچھ امن و اماں
لیکن اُن کی نظروں میں جچتا ہے کوئی اور کب
کعب گیا ہو جن کی آنکھوں میں فقط تیرا سماں
گو فلک سے ٹکریں کھاتے ہیں اس کے قصر و بام
چوٹیوں کو تیری پا سکتے ہیں وہ لیکن کہاں

نعمتیں دُنیا کی گو اس میں مہیا ہیں تمام
لیکن آئیں گی کہاں یہ قدرتی دلچسپیاں
گو وہاں ہیں ڈھیر میووں کے کہاں لیکن یہ بات
لُطف دیتی ہیں جو پیڑوں پر تری نارنگیاں
گرد گرمی میں وہاں برسات میں کیچڑ کا زور
رستہ چلنا بھی تو ہو جاتا ہے راہِ ہفتخوان
دھوپ ایسی تیز پڑتی ہے کہ کالے ہوں ہرن
رہتی ہیں جاری پسینہ کی بدن سے ندیاں
اِس غضب کی پیاس لگتی ہے کہ بُجھتی ہی نہیں
چاہے پانی کا بنا لے پیٹ میں کوئی کنواں
ہیضے صاحب کا بھی ہوتا ہے وہاں اکثر نزول
نذر جن کی سیکڑوں ہو جاتے ہیں پیر و جواں
اتفاقاً آ نکلتے ہیں کبھی مسٹر پلیگ
جن کی صورت دیکھ کر اُٹھتا ہے شورِ الاماں
اُٹھتے رہتے ہیں ہمیشہ فتنہ و شر و فساد
آتی ہی رہتی ہے ہر دم ایک بلائے ناگہاں
اس قدر قانون کی پابندیوں کا ہے خیال

پانوں میں انسان کے پڑتی ہیں اکثر بیڑیاں
اٹھیں تھوڑی اگر ہم کو میسر ہو سبھی جائیں
پائیں گے شیلانگ تیری سی کہاں آزادیاں
گو یہ تکلیفیں ہیں کلکتہ کی سب پیشِ نظر
ہیں مگر مجبور کر سکتے نہیں کچھ این و آں
وقتِ رخصت گو نہیں اُٹھتے اُٹھائے سے قدم
ہو رہے ہیں پیٹ کی خاطر یہاں سے ہم رواں
گو جُدا ہوتا ہے تجھ سے زندگی بھر کو نشاط
نام تیرا ہی رہے گا عمر بھر وردِ زباں
مرتے دم تک دل سے جائیں گی نہ یہ باتیں کبھی
ہم کو بھولیں گی نہ یہ دن اور نہ یہ راتیں کبھی

نشاط

۳۴ - دھان کے کھیت

اے تختۂ دلکش تری رنگت یہ ہری ہے — یا قاف کے پردہ میں کوئی سبز پری ہے
مخمل کا کوئی فرش مکلف یہ بچھا ہے — یا قدرتِ صانع کی انوکھی سبزی ہے
دیکھے ہیں چمن جیسوں گلزار ہزاروں — پر تازگی ایسی نہ یہ خوبی نہ تری ہے

آجاتی ہے جس وقت نسیمِ صحت افزا
جنبش وہ تری درخورِ غائر نظری ہے

کیا شان ٹپکتی ہے ترے حسن سے اس دم
کیا لہر سے پیدا تری آبِ خضری ہے

نزہت ہے تری تازگیٔ چشمِ تمنا
گودی تری گلہائے مقاصد سے بھری ہے

کہنے کے لئے دہقاں کی کھیتی ہے ترا نام
خرمن میں نہاں تیرے صدا آسودہ گری ہے

خشکی ہے تری قہرِ الٰہی کی علامت
افلاس ہے ادبار ہے دریوزہ گری ہے

شہاب الدین خاں صاحب

۳۵- پہاڑی ندی کا گیت

ندی ہوں یا نالا ہوں میں
آفت کا پرکالا ہوں میں

نکلی ہوں کہسار کے لب سے
مجھ میں ہیں انداز غضب کے

کچھ تو بلندی پست ہوئی ہے
آبادی کچھ دشت ہوئی ہے

زور پہ اپنے جو اُتر آئے
ہاں وہ میری زد پہ آئے

مدت سے میں خشک پڑی تھی
ریت کے نیچے چپکی لیٹی

پھر موسم برسات کا آیا
دَل بادل کہسار پہ چھایا

ہاں وہ ٹپ ٹپ بوندیں آئیں
خوش خبری سیلاب کی لائیں

لے اپنی تقدیر کے صدقے
اب تو موسلا دھار ہی برسے

کوئی ہے جو سامنے آئے مجھ سے آکر ہاتھ ملائے
کشتی مجھ پہ چل کے دیکھے سینہ میرا دَل کے دیکھے
گرچہ میں ایک قہرِ خدا ہوں آفت ہوں سیلابِ فنا ہوں
مجھ سے ہے سیرابی ساری
ہر سو میرا فیض ہے جاری

محمد شہاب الدین

۳۶- لبِ آبِ جو

یہ فروغِ مہرِ تاباں کہ چمک رہی ہیں کرنیں
لبِ آب ہیں یہ ساماں کہ تڑپ رہی ہیں موجیں
ہے نظر کو ایک حیرت
لبِ جُو یہ سبزہ و گل کہ ہے دلفریب منظر
یہ جھک رہی ہے سنبل کہ دماغ ہے معطّر
چلی آ رہی ہے نکہت
کہیں پھول ہیں کنول کے کہیں نیلگوں ہے پانی

یہ ہوا کے سرد جھونکے یہ حباب کی روانی
کبھی مستِ مے کی صورت

یہ ہوائے روح پرور کہ درخت ہل رہے ہیں
یہ کنارِ آب منظر کہ شگوفے کھل رہے ہیں
کہ ہے دل کو جس سے فرحت

کہیں شاخوں پر ہیں طائر کہیں اُن کے آشیانے
یہ نسیم کیف آور یہ طیور کے ترانے
ہیں پیامِ خوابِ راحت

سفیر

۳۷- کاش میں بُلبُلِ چمن ہوتا

کاش میں بُلبُلِ چمن ہوتا غنچہ و گُل پہ نغمہ زن ہوتا
عارضِ گل کو چومتا پھرتا صحنِ گلشن میں گھومتا پھرتا
دیکھتا میں ادائیں پھولوں کی خوب لیتا بلائیں پھولوں کی
خندۂ گُل پہ لوٹ جاتا میں آپ میں مشکلوں سے آتا میں
صحبتِ گل میں رات بھر رہتا مست نکہت میں تا سحر رہتا
شام سے صُبح صُبح سے تا شام دید گُل کے سوا نہ ہوتا کام

شاہدِ گل کی بزم آرائی — اور وہ میری نغمہ پیرائی
لحنِ دلکش میں یہ غزل گاتا
گل کی نظروں میں بس سما جاتا

اے گل اے مایۂ وقارِ چمن — طرۂ فرق افتخارِ چمن
ختم ہے تجھ پہ صنعتِ صانع — بے بدل ہے تو اے نگارِ چمن
خوبرو کون سا ہے تیرے سوا — نازپروردہ کنارِ چمن
شانِ شاہی خدا نے بخشی ہے — بے گماں ہے تو تاجدارِ چمن
مخملی تیرا فرش پا انداز — جس کو کہتے ہیں سبزہ زارِ چمن
پنکھا جھلتی ہے آ کے بادِ نسیم — پاؤں دھوتی ہے جوئبارِ چمن
ہے ترا چاکرِ درِ دولت
سروِ آزاد پاسدارِ چمن

محمود

۳۸ - بہارِ چمن

آسماں پر تھی شفق چھائی ہوئی — ہو گیا تھا وقت بالکل شام کا
ہر طرف تھا قدرتِ حق کا ظہور — ہر طرف تھا ڈھیر پھولوں کا رکھا
تھا کسی گوشہ میں داؤدی کا زور — تھا کہیں گملوں میں ڈربیا کھلا

اک طرف تھی لطفِ نسیم کی بہار ‏ ایک جانب دیدۂ نرگس تھی وا
جس قدر دنیا میں ہو سکتے ہیں رنگ ‏ فصلِ گُل نے کر دیا تھا ایک جا
دیکھ کر قدرت کی یہ رنگینیاں ‏ دل میں ہر چڑیا کے تھا اک ولولا
چہلیں کرتی پھر رہی تھیں ہر طرف ‏ ایک جا چُپ بیٹھنا دشوار تھا
کہہ رہی تھیں قمریاں حق سرہٗ ‏ پی کہاں کی تھی پپیہوں میں صدا
نالۂ دل دوز کوئل کا کہیں ‏ سُن کے تھا بیتاب قلبِ مبتلا
گُل پہ صدقے ہو رہی تھیں بلبلیں ‏ اُڑ رہا تھا کامرانی کا مزا
بے قرارِ آرزو ہو کر کہیں ‏ گا رہی تھیں طوطے شیریں نوا
پھر رہے تھے مست بھونرے ہر طرف ‏ آ رہی تھی بھنبھناہٹ کی صدا
پھولوں کو گھیرے ہوئے ہر سمت سے ‏ تتلیوں کا خوبصورت جھنڈ تھا

دیکھ کر قدرت کی یہ صناعیاں
بحرِ حیرت میں تھا میں ڈوبا ہوا

ناگہاں دیکھا کہ تھوڑی دور پر ‏ ایک ٹکڑا لان کا تھا خوشنما
اُس کی سبزی کی میں حالت کیا کہوں ‏ فرشِ مخمل کو بھی اس پر رشک تھا
ایک کرسی پر درِ حوض کے قریب ‏ ق ‏ ایک بت خورشید رو شیریں ادا
جلوہ آرا تھی عجب انداز سے ‏ اللہ اللہ حسن کا کیا رعب تھا
جسم پر ساری تھی دھانی رنگ کی ‏ ریشمی فیتہ تھا گرد اس کے ٹکا

سادگی میں اُس کے تھے لاکھوں بناؤ — کوئی زیور جسم پر بھاری نہ تھا
ناک میں تھی خوشنما ہلکی سی کیل — کان میں تھا صرف اک نیلا بڑا
تھیں کلائی میں سُنہری چوڑیاں — موتیوں کا اِک گلے میں ہار تھا
رنگ تھا دلکش اس کے کیا کہوں — تھا صباحت میں ملاحت کا مزا
بائیں رُخ پر اِس کے اک چھوٹا سا تِل — کر رہا تھا کام بالکل سحر کا
ستواں تھی ناک پتلے پتلے ہونٹ — تھی لڑی موتی کی دانتوں پر فدا
گا رہی تھی کچھ دبی آواز میں — جس کی لے میں تھا عجب جادو بھرا

دیکھ کر ہادی یہ حُسن و سادگی
شوق کا میرے عجب عالم ہوا

ہادی

۳۹ - پھولوں کی بہار

دے رہی ہے لُطف گُل مہندی کی ہر جانب قطار
اس کی ہر ہر شاخ پر ہیں پھول بے حد بے شمار
سُرخ ہے کوئی گلابی ہے کوئی، نیلا کوئی
چھوٹی چھوٹی پتیاں ہیں بعض پھولوں پر پڑی
ایک جانب پھول گیندے کے کھلے ہیں زرد زرد

جن کے آگے رنگ سونے کا بھی ہو جاتا ہے گرد
اس کی خوشبو سے معطر دامنِ گلزار ہے
پھول یہ چنپا کا ہے یا طبلۂ عطار ہے
دیکھ کر بشاش ہو جاتا ہے قلبِ پُرمحن
پھول گڑھل کا ہے یا آویزۂ گوشِ چمن
محوِ حیرت ہے لطافت دیکھ کر رنگِ گلاب
یہ وہ گل ہے جس کا مل سکتا نہیں ہرگز جواب
حسن میں ڈوبی ہوئی ہے اس کی ہر ہر پنکھڑی
اس کی خوشبو ہے مشامِ آرزو کی زندگی
صبح کو اس کے لئے کیا کیا ترستی ہے نسیم
کیا قیامت ہے گلِ شبّو کی جاں پرور شمیم
یا الٰہی ان میں یہ باتیں کہاں سے آ گئیں
دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے چشمِ نکتہ بیں

ہادی

۴۰۔ گلاب کا پھول

ہر ایک پھول سے اعلیٰ ہے یہ گلاب کا پھول — کہاں چمن میں ہے اس کے کوئی جواب کا پھول
ریاضِ دہر میں نخلِ طرب مآب کا پھول — بجا ہے اس کو کہیں ہم اگر شباب کا پھول

کہ بادشاہ ہے پھولوں کا یہ گلاب کا پھول
نہ دیکھا ہم نے کوئی ایسی آب و تاب کا پھول

خدا نے دی ہے اسے کیا ہی خوشنما صورت — عیاں ہے جس سے ہر ایک اس کا جلوۂ قدرت
دلوں کو مست کئے دیتی ہے وہ ہے نکہت — کہاں گلوں کو میسر یہ روپ یہ رنگت

کہ بادشاہ ہے پھولوں کا یہ گلاب کا پھول
نہ دیکھا ہم نے کوئی ایسی آب و تاب کا پھول

ہزار پھول ہیں پر سب سے یہ نرالا ہے — اسی کا گلشن عالم میں بول بالا ہے
گلاب چین ہے سورج مکھی ہے لالہ ہے — مگر گلاب کہیں مرتبہ میں اعلیٰ ہے

کہ بادشاہ ہے پھولوں کا یہ گلاب کا پھول
نہ دیکھا ہم نے کوئی ایسی آب و تاب کا پھول

چمن میں صبح کو آتی ہے جب نسیم بہار — بلائیں لیتی ہے منھ چوم چوم کر ہر بار
نثار کرتی ہے شبنم بھی گوہر شہوار — دعائیں دیتی ہیں سب بلبلیں ہزار ہزار

کہ بادشاہ ہے پھولوں کا یہ گلاب کا پھول
نہ دیکھا ہم نے کوئی ایسی آب و تاب کا پھول

دل و دماغ کو بھو بھینی بھینی بھاتی ہے — اسی شمیم سے بوئے بہشت آتی ہے
شگفتگی یہی دلکش فضا دکھاتی ہے — طراوت آنکھوں میں دل میں سرور لاتی ہے

کہ بادشاہ ہے پھولوں کا یہ گلاب کا پھول
نہ دیکھا ہم نے کوئی ایسی آب و تاب کا پھول

۴۱۔ گلاب کا پھول

ہے عجب دلربا گلاب کا پھول
ہے عجب خوشنما گلاب کا پھول

سارے پھولوں کا ہے یہی سرتاج
صحنِ گلشن میں ہے اسی کا راج

غور کرنے پہ ہم اگر آئیں
سینکڑوں قسمیں اس کی گنوائیں

مختصر ہے کوئی کوئی ہے بڑا
ایک کا رنگ دوسرے سے جدا

سُرخ کوئی، کوئی گلابی ہے
ہلکا ہلکا سا کوئی آبی ہے

ہے کسی گل کا زرد زرد لباس
شربتی جامہ ہے کسی کے پاس

اس کے رنگوں میں جو لطافت ہے
اس سے ظاہر خدا کی قدرت ہے

ہے عجب بات اس کی صورت میں
دیکھ کر جس کو دل ہے حیرت میں

بُلبلیں اس کو پیار کرتی ہیں
اس کی ہر ہر ادا پہ مرتی ہیں

ناز کرتی ہے اس پہ فصلِ بہار
اس کی خوشبو سے مست ہے گلزار

اس کی ممنون ہے نسیمِ بہار
ہے چمن کا اسی کے دم سے وقار

اس کی پیاری ادا پہ مرتے ہیں
اس کا بھونرے طواف کرتے ہیں

اس کے جوہر میں کیا لطافت ہے
عطر اس کا غضب ہے آفت ہے

پر اثر اس کی ذات سے ہے دوا
اس میں پنہاں ہے ہر طرح کی شفا

الغرض کچھ عجیب چیز ہے یہ
سب کو ہا آدمی بہت عزیز ہے یہ

سب اداؤں پہ اس کی مرتے ہیں
اِس کی سب دل سے قدر کرتے ہیں
ہے دعا اس کی حق میں اے مولا
اس کو چھوڑے کبھی نہ یا رِ وفا
اس کا کوئی نہ ہو جہاں میں رقیب
دستِ گلچیں نہ آئے اس کے قریب

ھادی

۴۲ - بیلا

کس قدر دلفریب ہے بیلا
خوشنما دل پذیر البیلا
ہے بھرا اس کی ذات سے گلزار
دیدنی شام کو ہے اس کی بہار
اِس کا پودا فلک سے برتر ہے
اِس کا ہر پھول رشکِ اختر ہے
شوق سے اس کو توڑ لاتے ہیں
لوگ ہمدم اسے بناتے ہیں
حسن افزائے مہ جبیناں ہے
رونقِ محفلِ حسیناں ہے
اس سے پاتے ہیں تقویت ارماں
بزمِ عشرت کی ہے یہ روحِ رواں
بوئے خوش اس کی دل کو بھاتی ہے
تازگی اس سے روح پاتی ہے
اس کا رنگِ صبیح آفت ہے
اس کی صورت خدا کی قدرت ہے

ھادی

۴۳- جوہی

پیاری جوہی تجھے خدا کی قسم
تجھ میں ہے کس کے حسن کا عالم
تجھ میں کس شوخ کی صباحت ہے
کس کی زلفوں کی تجھ میں نکہت ہے
تازگی تو نے کس کی پائی ہے
تو یہ صورت کہاں سے لائی ہے
باغ آباد ہے ترے دم سے
تیری خوبی جدا ہے عالم سے
باغ سے تجھ کو توڑ لاتے ہیں
ڈگ سر پہ تجھے بٹھاتے ہیں
ناز بردار ہیں حسین تیرے
خود طلبگار ہیں حسین تیرے
جب تجھے آنکھوں سے لگاتے ہیں
تمکنت ساری بھول جاتے ہیں

گو سمجھتے ہیں ہم رقیب ہے تو
پھر بھی دلکش ہے خوش نصیب ہے تو

ھادیؔ

۴۴- کنول کا پھول

تو وہ چراغ ہے جس کو فروغ آب میں ہے
غضب کا قہر تری چشم نیم خواب میں ہے
عجب بہار ترے حسن لاجواب میں ہے
نہ یاسمن میں نزاکت نہ یہ گلاب میں ہے

ہر ایک پھول سے انداز ہے جدا تیرا
کہ دل نشین ہے عجب کنج پُر فضا تیرا

لبِ نسیمِ سحر پہ ہے گفتگو تیری — کشاں کشاں لئے پھرتی ہے جستجو تیری
ہزار دل سے ہی ہونے کو آرزو تیری — کہ مست رکھتی ہے صہبائے خوش گلو تیری

فضائے آب میں سرمست جام ہے تیرا
شہیدِ لذتِ شربِ مدام ہے تیرا

تیرے چراغ پہ پروانہ وار گرتا ہے — وفورِ شوق سے بے اختیار گرتا ہے
بلائیں لیتا ہے ہو کر نثار گرتا ہے — قریب آ کے ترے بار بار گرتا ہے

یہ بیخودی یہ پرِ دل کی تپش یہ سرعتِ شوق
ذرا سے کیڑے میں ہے کس بلا کی وسعتِ شوق

یہ دھیمی دھیمی فغاں اور یہ ناشکیبائی — یہ جوشِ رمزِ محبت یہ نالہ فرسائی
یہ آستاں پہ ترے شوق ناصیہ سائی — یہ تیرے کنج میں دن بھر نسیم پیمائی

سوادِ شب میں بھی دھن ہے ترے شبستاں کی
مگر تلاش کسی کی ہے حسنِ پنہاں کی

شاکرؔ

۴۵ - انبہ

بارے آموں کا کچھ بیاں ہو جائے — خامہ نخلِ رطب فشاں ہو جائے
نظر آتا ہے یوں مجھے یہ ثمر — کہ دوا خانۂ ازل ہے مگر

آتشِ گل پہ قند کا ہے قوام — شیرکے تار کا ہے ریشہ نام
یا یہ ہوگا کہ فرطِ راحت سے — ق — باغبانوں نے باغِ جنت سے
انگبیں کے بحکمِ رب الناس — بھر کے بھیجے ہیں سربمہر گلاس
یا لگا کر خضر نے شاخِ نبات — مدتوں تک دیا ہے آبِ حیات
تب ہوا ہے ثمر فشاں یہ نخل — ہم کہاں ورنہ اور کہاں یہ نخل
تھا ترنجِ زر ایک خسرو پاس — رنگ کا زرد پر کہاں بو باس
آم کو دیکھتا اگر اک بار — پھینک دیتا طلائے دست افشار
رونقِ کارگاہِ برگ و نوا — نازشِ دودمانِ آب و ہوا
رہروِ راہِ خلد کا توشہ — طوبیٰ و سدرہ کا جگر گوشہ

صاحبِ شاخ برگ و بار ہے آم
ناز پروردۂ بہار ہے آم

غالب

۴۶ - انبہ

شاہ نے دب آم بھری کشتیاں — بحرِ عطا کیا ہی ہوا موجزن
کشتیوں میں آم ہیں جو رنگ رنگ — داغ کا گھر آج ہے رشکِ چمن
سرخ میں ہے لالہ رخوں کی بہار — سبز میں ہے سبز خطوں کی پھبن

زرد ہیں ہے رنگِ گُل زعفراں — گیہری پوشوں کی ہے اک انجمن
ایسے کہاں پریوں کے پر سبز سبز — ایسے کہاں حوروں کے سیبِ ذقن
سونگھو کے ہو جائے معطر دماغ — مفتوں پہ اُن کے ہے گو مشکِ ختن
گر کبھی ان آموں کا رس چوس لیں — ہونٹ ہی چاٹا کریں شیریں دہن
انبہ شیریں جو اسے ہو نصیب — نام بھی شیریں کا نہ لے کوہکن
سینکڑوں قسمیں اسی میوے کی ہیں — پھر ہے یہ افراط کہ لاکھوں ہی من
واقعی ان آموں کی تعریف میں — گم ہیں جہاں تک کہیں اہلِ سخن

مجھ کو یہ مصرع بہت آیا پسند
انبۃ اللہ نباتاً حسن

داغ

۴۷ - انبہ

کیوں نہ درختوں پہ ہو وہ سربلند — اس کا ہے پھل شاہ و گدا کو پسند
ہند کے سب میووں کا سردار ہے — رونقِ ہر کوچہ و بازار ہے
جو صفاہانی اِسے اِک بار کھائے — میوے صفاہاں کے سبھی بھول جائے
اور مٹھائی جو کبھو اک ذری — کھائیے اک بار تو بھر جائے جی
آم میں ہے ایک حلاوت عجب — رہتی ہے اس کی تو ہمیشہ طلب

پیٹ بھرے جی نہ پر اس سے بھرے
آدمی پھر کھائے نہ تو کیا کرے

ہوتا ہے شیریں تو بہت پال کا
ٹپکے ہے ٹپکے کا بھی طرفہ مزا

میووں میں ہے فوقیت اس کے تئیں
باغ میں پھر کیوں نہ ہو بالانشیں

شوخ یہ سندوریئے کا رنگ ہے
سیب سمرقند بھی یاں دنگ ہے

میووں میں ہے بس وہی ہر دلعزیز
سیب غلام اس کا یہی ہے کنیز

۴۸۔ جونپوری خربزہ

سردے کابل کے کھا کے دیکھے
چیلے بھی لکھنؤ کے چکھے

پر دونوں یہ جونپور کے پھل
ہر طرح ہیں ذائقے میں افضل

کھائے ایک قاش تو ہوں لب بند
پہنچے گا نہ اس مٹھاس کو قند

بھینی بھینی وہ میٹھی خوشبو
ہو تازہ دماغ ایسی خوشبو

مرکز ہے بشیر پور مشہور
ہے شہر سے یہ مقام کچھ دور

اس کاشت کو ہے زمیں یہ اکسیر
یا آب و ہوا کی کہئے تاثیر

اس کھیت کا ہے عجیب پانی
جذب اس میں آب زندگانی

کھیت اور بھی یوں تو جابجا ہیں
شکل ایک مگر مزے جدا ہیں

صورت کو نہ دیکھئے پھلوں کی — سیرت کی ملاحظہ ہو خوبی
صورت تو نہیں ہے خوبصورت — سیرت کی فقط ہے قدر و قیمت
جو لطف مزے ہیں کہئے کس سے
چکھے جو کوئی تو یاد رکھے

حفیظ جونپوری

۴۹- ہاتھی

اِس کی گجگاہ کی اللہ رے چہرے پہ لٹک — کہکشاں جوں شبِ یلدا میں نمایاں بہ فلک
بیٹھنے میں ہے وہ کوہ اُٹھنے میں ہے ابرِ سیاہ — عرشِ رفعت میں ہے چلنے میں ہے جوں چرخ اتھک
شجرِ طور کا چہرے پہ ہے اِس کے جلوہ — رنگیں تر ئیں کیلئے جس گھڑی اس کا مستک
جھول پر اس کی ستاروں کا کہوں میں کیا حسن — تارے جس طرح رہیں رات اندھیری میں چمک
لے کے خرطوم میں زنجیر پھرا دے وہ اگر — اِس کے دانتوں کو یہ سمجھے جو کوئی ہو زیرک
لیلیٰ نے ہاتھ نکالے ہیں سیہ خیمے سے — ملنے کو مجنوں سے سُن سلسلۂ پا کی جھنک
روزِ میداں اسے دیکھو تو دلاور اتنا — سرکے واں سے نہ جہاں سے کہ زمیں جائے سرک
چرخی کیا چیز ہے لاوے وہ جسے خاطر میں — بان بجلی کی کڑک کا کبھی پہنچے اس تک
چل لے وہ توڑ کے جوں نیشکر اس کی جڑ کو — پاؤں کھجلانے لگے سونڈ میں لے کر یو لک
بے تکان اس قدر اس کا ہے چلاوا جیسے — ٹھہریں ابر کے سایہ سے ہو سایہ کی ڈھلک

اِس قدر ہے وہ سُبک رو کہ کبھی چلتے وقت
پاؤں کی اس کی دلِ مور کو پہنچے نہ دھمک

سودا

۵۰۔ اونٹ

اونٹ تو ہے بس حلیم و خوش خصال
تربیت میں چھوٹے بچوں کی مثال

تیری پیدائش رفاہِ عام ہے
آدمی کے حق میں اک انعام ہے

لق و دق صحرا ہیں یا میدان ہیں
یا عرب کے گرم ریگستان میں

سایہ افگن ہے نہ واں کوئی چٹان
سرد پانی کا نہ دریا کا نشان

چلچلاتی دھوپ ہے اور چپ ہُوا
واں پرندہ بھی نہیں پر مارتا

تو وہاں کے مرحلے کرتا ہے طے
دن بدن اور ہفتہ ہفتہ پے بہ پے

قیمتی اشیاء ہیں تیری پشت پر
تاجروں کا ریشم اور شاہوں کا زر

تودہ تودہ تیرے اوپر لد رہا
ہے بھرا گویا جہازِ پُر بہا

چند ہفتے جب کہ جاتے ہیں گزر
اور تھکا دیتا ہے راکب کو سفر

اونٹ گھبراتا نہیں تو بار سے
دیکھتا ہے اس کی جانب پیار سے

گویا کہتا ہے کہ اے میرے سوار
ایک دن تو اور بھی ہمت نہ ہار

ہاں نہ ہو بے دل نہ رستے میں بھٹک
صاف سرچشمہ ہے آگے دھر لپک

مجھ کو آتی ہے ہوائے بوئے آب | نا اُمیدی سے نہ کر تو اضطراب
اونٹ تو کرتا ہے اس کی رہبری | یوں بنا دیتا ہے راکب کو جری
آخرش منزل پہ پہنچاتا ہے تو | اور سوکھے خار و خس کھاتا ہے تو
صبر سے کرتا ہے طے راہِ دراز | سچ کہا ہے تو ہے خشکی کا جہاز

الغرض تو ہے حلیم و خوش خصال
تربیت میں چھوٹے بچوں کی مثال

اسمٰعیل

۵۱۔ گھوڑا

نازک مزاج نسترن اندام تیز رو | گردوں مسیر بادیہ پیما و برق دو
اس کا نہ اک قدم نہ زغندیں ہرن کی سو | دو روز سے نہ کاہ ملی تھی اسے نہ جو

رفتار میں ہوا تھا اشارے میں برق تھا
سُرعت میں کچھ کمی نہ تھی چھل بل میں فرق تھا

سمٹا، جما، اُڑا، اِدھر آیا، اُدھر گیا | چمکا، پھرا، جمال دکھایا ٹھہر گیا
تیروں سے اُڑ کے برچھیوں میں بخطر گیا | برہم کیا صفوں کو پرے سے گزر گیا

گھوڑوں کا تن بھی ٹاپ سے اسکے فگار تھا
ضربت تھی نعل کی کہ سروہی کا وار تھا

وہ جست و خیز و سرعت و چالاکی سمند
سانچے میں تھے ڈھلے ہوئے سب اس کے جوڑ بند
سم قرصِ ماہتاب سے روشن ہزار چند
نازک مزاج و شوخ و سیہ چشم و سربلند
گر ہل گئی ہوا سے ذرا باگ اُڑ گیا
پتلی سوار کی نہ پھری تھی کہ مڑ گیا

آہو کی جست شیر کی آمد پری کی چال
کبکِ دری خجل دل طاؤس پائمال
سبزہ سبک روی میں قدم کے تلے نہال
اک دو قدم میں بھول گئے چوکڑی غزال
جو آ گیا قدم کے تلے گرد برد تھا
چھل بل غضب کے تھے کہ چھلاوہ بھی گرد تھا

بجلی کبھی بنا کبھی رہوار بن گیا
آیا عرق تو ابرِ گہر بار بن گیا
گہہ قطب گاہ گنبدِ دوّار بن گیا
نقطہ کبھی بنا کبھی پرکار بن گیا
حیراں تھے اس کے گشت پہ لوگ اس ہجوم کے
تھوڑی سی جا میں پھرتا تھا کیا جھوم جھوم کے

انیسؔ

۵۲ - گھوڑا

آہو کی آنکھ شیر کی چتون غضب کی چال
وہ بال تھے کہ حور نے بکھرا دیئے تھے بال
گردن کے خم کو دیکھ کے ہو سرنگوں ہلال
پوچھے کوئی سوار سے شائستگی کا حال

اُڑ کر زمیں تلک کبھی گردِ قدم گئی
جب بس کہا چمکتی ہوئی برق تھم گئی

جرأت میں رشکِ شیر تو ہیکل میں پیل تن   پوئی کے وقت کبکِ دری جست میں ہرن
بجلی کسی جگہ تو کہیں ابر قطرہ زن   بن بن کے آنے جانے میں طاؤس کا چلن
سیماب تھا زمیں پہ فلک پر سحاب تھا
دریا پہ موج تھا تو ہوا پر عقاب تھا

پیکاں ہیں یا کنوتیاں ہنگام دار و گیر   حلقے سے یوں نکلتا ہے جیسے کماں سے تیر
رو میں وہ نرم جلد وہ باریک بے نظیر   چینی پرند جس سے مقابل نہ ہے حریر
ایسی سبک روی نہیں دیکھی شتاب میں
دوڑے تو فرق آئے نہ مخمل کے خواب میں

خوش خو خوش خرام خوش اندام خوش لگام   خوش رو خوش جمال ادا فہم تیز گام
عال دار شوخ چشم و سعید و خجستہ کام   گل پوش تیز ہوش سمن گوش لالہ فام
غازی تھا سرفراز تھا عالی دماغ تھا
گویا ہوا کے دوش پہ اک زندہ باغ تھا

چالاکیاں کبھی غضب کبھی غربت کبھی جنگ بھی   بالا دوی براق کے دلدل کا ڈھنگ بھی
بر میں اسد کبھی بحر و غا میں نہنگ بھی   گھوڑا کبھی تو شیر نر کبھی ہرن کبھی پلنگ بھی
ہے آگ کا مزاج تو سرعت ہوا کی ہے
اضداد اتنے جمع ہیں قدرت خدا کی ہے

۵۳- گھوڑا

رہوار سبک سیر نسیم سحری تھا ہم پیکرِ طاؤس دمِ جلوہ گری تھا
تن تن کے اُٹھانے میں قدم کبکِ دری تھا کاوے میں جو پرکار تو اُڑنے میں پری تھا
رفتار تو کب اپنی دکھاتا تھا کسی کو
سایہ بھی نہ اس کا نظر آتا کسی کو

غصے میں وہ تن تن کے دہانے کو چباتا اور جوشِ شجاعت میں کف منھ سے گراتا
ہر صف میں کبھی جھوم کے آتا کبھی جاتا تلوار کی زد سے کبھی آقا کو بچاتا
ٹاپوں سے تھلکتی تھی زمیں حشر بپا تھا
اس صف میں جو بجلی تھی تو اُس صف میں ہما تھا

انیس

۵۴- مریل گھوڑا

ہے چرخ جب سے ابلقِ ایام پر سوار رکھتا نہیں ہے دستِ عناں کا یک قرار
جن کے طویلے بیچ کئی دن کی بات ہے ہرگز عراقی و عربی کا نہ تھا شمار
اب دیکھتا ہوں میں کہ زمانے کے ہاتھ سے موچی سے کفش پا کو گٹھاتے ہیں وہ اُدھار
تنہا دہی نہ دہر سے عالم خراب ہے
خست سے اشرفوں نے اُٹھایا ہے ننگ و عار

ہیں گے چنانچہ ایک ہمارے بھی مہرباں
پاوے مزاج اُن کا کوئی نام ہے نہار

نوکر ہیں سو روپے کے دیانت کی راہ سے
گھوڑا رکھیں ہیں ایک سو اتنا خراب و خوار

نہ دانہ و نہ کاہ نہ تیمار نہ سئیس
رکھتا ہو جیسا اسپ گلی طفلِ شیرخوار

ناطاقتی کا اس کے کہاں تک کروں بیاں
فاقوں کا اب ہیں اس کے کہاں تک کروں شمار

اس مرتبہ کو بھوک سے پہنچا ہے اس کا حال
کرتا ہے راکب اس کا جو بازار میں گزار

قصاب پوچھتا ہے مجھے کب کروگے یاد
اُمیدوار ہم بھی ہیں کہتے ہیں یوں چمار

جس دن سے اس قصائی کی کھونٹی بندھا ہے وہ
گزرے ہے اس نمط اسے ہر لیل و ہر نہار

ہر رات اختروں کے تئیں دانہ بوجھ کر
دیکھے ہے آسماں کی طرف ہو کے بیقرار

تنکا اگر پڑا کہیں دیکھے ہے گھاس کا
چڑے کو آنکھ موند کے دیتا ہے وہ پیار

خطِ شعاع کو وہ سمجھ دستۂ گیاہ
ہر دم زمیں پہ آپ کو ٹیکے ہے بار بار

پیدا ہوئی ہے تس پہ اگن باد اس قدر
ہرگز دروغ اس کو تو مت جان زینہار

گزرے وہ جس طرف سے کبھی اُس طرف نسیم
باد سموم ہوئے وہیں گر کرے گزار

دیکھے ہے جب وہ توبڑہ دہقاں کی طرف
کھودے ہے اپنے سم سے کنوئیں ٹاپیں مار مار

نہ استخواں نہ گوشت نہ کچھ اس کے پیٹ میں
دھونکے ہے دم کو اپنے کہ جوں کھال کو کہار

سمجھا نہ جائے یہ کہ وہ ابلق ہے یا سرنگ
خارشت سے زبس کہ ہیں مجروح بے شمار

یہ حال اس کے دیکھ غرض یوں کہے ہے خلق
چینگل سے موذی کے تو چھڑا اسکو کردگار

ہر زخم پر زبس کے بھنکتی ہیں مکھیاں
کہتے ہیں اس کے رنگ کو مگسی اس اعتبار

لیجادیں چور یا مرے یا ہو کہیں یہ گم
اِن تین بات سے کوئی جلدی ہو آشکار

القصہ ایک دن مجھے کچھ کام تھا ضرور — آیا یہ دل میں جایئے گھوڑے پہ ہو سوار
رہتے تھے گھر کے پاس فقط ارادہ آشنا — مشہور تھا جنھوں کے وہ اسپ نابکار
خدمت میں اُن کی میں نے کیا جا یہ التماس — گھوڑا مجھے سواری کو دو اپنا مستعار
فرمایا تب انھوں نے کہ اے مہربانِ من — ایسے ہزار گھوڑے کروں تم پہ میں نثار
لیکن کسی کے چڑھنے کے لائق نہیں یہ اسپ — یہ واقعی ہے اس کو نہ جانو گے انکسار
بدرنگ جیسے لید ہو بدبوئے چوں پشاب — بدیمن یہ کہ اصطبل اُجڑ کرے ہزار
مانند میخ چوکی لکد زن ہے تھان پر — لاجنب وہ زمیں سے ہے چوں میخ استوار
اتنا وہ سرنگوں ہے کہ سب اُڑ گئے ہیں دانت — جبڑے پہ بس کہ ٹھوکروں کی نت پڑی ہے مار

مانندِ اسپ خانۂ شطرنج اپنے پاؤں
جز دست غیر کے نہیں چلنا ہے زینہار

اِک دن گیا تھا ملنگے یہ گھوڑا برات میں — دولھا جو بیاہنے کو چلا اس پہ ہو سوار
سبزے سے خط سیاہ و بیسے ہوا سفید — تھا سرو سا جو قد سو ہوا شاخ باردار
پہنچا غرض عروس کے گھر تک وہ نوجواں — شیخوخیت کے درجے کر اس طرف گزار

میٹھا تو بس قدر ہے وہ جو کچھ کہ تم سُنا
لیکن اب ایک دن کی حقیقت کہوں میں یار

دلی تک آن پہنچا تھا جس دن مرہٹہ | مجھ سے کہا نقیب نے آکر ہے وقتِ کار
متعہ سے کوڑیوں کو اڑایا ہر گھر میں بیٹھ | ہو کر سوار اب گرد میداں میں کارزار
ناچار ہو کے تب تو بندھایا میں اُس پہ زین | ہتھیار باندھ کر میں ہوا جا کے پھر سوار
جس شکل سے سوار تھا اُس دن میں کیا کہوں | دشمن کو بھی خدا نہ کرے یوں ذلیل و خوار
چابک تھے دونوں ہاتھ میں پکڑے تھا منہ میں باگ | ٹک ٹک سے پاتنہ کے مرے پاؤں تھے فگار
آگے سے تو بڑہ اسے دکھلاتا تھا سئیس | پیچھے نقیب ہانکے تھا لاٹھی سے مار مار
ہرگز وہ اس طرح بھی نہ لاتا تھا دو براہ | ہلتا نہ تھا زمیں سے مانند کوہسار
اس مضحکہ کو دیکھ ہوئے جمع خاص و عام | اکثر مدبروں میں سے کہتے تھے یوں پکار
پہیئے اسے لگاؤ کہ تا ہو دے یہ رواں | یا بادبان باندھو پون کے دو اختیار
کہتا تھا مجھ سے کوئی ہوا تجھ سے کیا گناہ | کتوال نے گدھے پہ تجھے کیوں کیا سوار

اس مخمصہ میں تھا ہی کہ ناگاہ ایک روز
فتنہ کو آسماں نے کیا مجھ سے پھر دوچار

دھوبی کمہار کے گدھے اس دن ہوئے تھے گم | اس ماجرے کو سن کیا دونوں نے واں گزار
ہر کسنے اُس کو اپنے گدھے کا خیال کر | پکڑے تھا دھوبی کان تو کھینچے تھا دم کمہار
دو بلئے کشمکش ہوا اس آن موجزن | تھا عنقریب ڈوبیئے خفت سے ایک بار
بدبختی اس کی دیکھ کے کر خرس کا خیال | لڑکے بھی واں جمع تھے تماشہ کو بے شمار
رکھتا تھا کوئی لا کے سپاری کو منہ کے پاس | مُو اس کے تن سے کوئی اُکھاڑے تھا بار بار

کہتا تھا کوئی مجھ سے کہ تو مجھ کو بھی چڑھا ۔۔۔ دونگا ڈکا تجھے میں نوچندا اتوار
کتے بھی بھونکتے تھے کھڑے اس کے گرد و پیش ۔۔۔ ساتھا اس سمندِ خرس نما کے ہو چشم چار
اُس وقت میں نے اپنی مصیبت پہ کر نظر ۔۔۔ کہنے لگا خدا سے بہ رو رو کے زار زار
جھگڑوں میں دھوبیوں کے کر لڑکوں کو دوں جواب ۔۔۔ کتوں سے یا لڑوں کہ مروں اپنا پیٹ مار

بارے دعا مری ہوئی اُس وقت مستجاب
واں سے بہ نمط کیا جنگ گاہ تک گزار

دستِ دعا اٹھا کے میں پھر وقتِ جنگ کے ۔۔۔ کہنے لگا جنابِ الٰہی میں یوں پکار
پہلے ہی گولا چھوٹتے اس گھوڑی کو لگے ۔۔۔ ایسا لگے یہ تیر کہ ہو وے جگر کے پار
یہ کہہ کے میں خدا سے ہوا مستعدِ جنگ ۔۔۔ اتنے میں مرہٹہ بھی ہوا مجھ آ دوچار
گھوڑا تھا بس کہ لاغر و پست و ضعیف و تنگ ۔۔۔ کرتا تھا یوں خفیف مجھے وقتِ کارزار
جاتا تھا جب ڈپٹ کے میں اُس کو حریف پر ۔۔۔ دوڑوں تھا اپنے پاؤں سے جوں طفلِ نے سوار
جب دیکھا میں کہ جنگ کی یاں بندھی ہے شکل ۔۔۔ لے جوتیوں کو ہاتھ میں گھوڑا بغل میں مار
دھر دھمکا واں سے لڑتا ہوا شہر کی طرف ۔۔۔ القصہ گھر میں آن کے میں نے کیا قرار

گھوڑے مرے کی شکل یہ ہے تم نے جو سنی
اس پر بھی دل میں آئے تو اب ہو جیے سوار

سن کر یہ اُن سے میں نے یہ قصہ دیا جواب ۔۔۔ اتنا بھی جھوٹ بولنا کیا ہے ضرور یار

گفتن ہمیں بس ست کہ اسپ من ابلق ست
سمجھوں گا دل میں اپنے اگر ہوں گا ہوشیار

۵۵- شیر

اے شیر تیرے تن پہ ہے طاقت کا پوستیں — شاہی کے حق میں کوئی بھی ساجھی ترا نہیں
پیدا ہے تیرے رُخ سے تری شوکت اور جلال — ظاہر ہے تیری شکل سے باطن کا تیرا حال
دل تیرا بزدلی و غلامی سے ہے بری — پھٹکے نہ تیرے پاس کبھی خوف اے جری
تیرا حریف کون ہے جو تو ہٹے پیچھے — جھپکے نہ تیری آنکھ نہ گردن تری پچے
حق نے عطا کیا ہے تجھے زور بے خلل — فولاد کی رگیں ہیں تو دل ہے ترا اٹل
گر سورما ہے کوئی میدان کا دھنی — جوشن کہ چار آئینہ یا خود آہنی
حملے سے تیرے بچنے کو کافی نہیں مگر — اللہ رے تیرا حوصلہ بل بے ترا جگر
غرّا کے شیر کرتا ہے جب جوش اور خروش — جنگل تمام ہوتا ہے سنسان اور خموش
پہچانتے ہیں جانور آواز شیر کی — وہ ہولناک ہے کہ دہلتا ہے سب کا جی
جاتی ہے اُن کے پاؤں تلے کی زمیں نکل — ہیں بھاگتے کہ گویا تعاقب میں ہے اجل
اے شیر گرم خطہ ہے تیرے لئے وطن — بیہڑ ہو نیستاں ہو جھاڑی ہو یا ہو بن

اے شیر تو ہے شاہ ترا تخت ہے کچھار
ہے کس کو تیرے ملک میں دعوائے گیرودار

اسمٰعیل

۵۶- ہماری گائے

رب کا شکر ادا کر بھائی
جس نے ہماری گائے بنائی

اُس مالک کو کیوں نہ پکاریں
جس نے پلائیں دودھ کی دھاریں

خاک کو اس نے سبزہ بنایا
سبزہ کو پھر گائے نے کھایا

کل جو گھاس چری تھی بن میں
دودھ بنی وہ گائے کے تھن میں

سُبحان اللہ دودھ ہے کیسا
تازہ گرم سفید اور میٹھا

دودھ میں بھیگی روٹی میری
اُس کے کرم نے بخشی سیری

دودھ دہی اور مٹھا مسکا
دے نہ خدا تو کس کے بس کا

گائے کو دی کیا اچھی صورت
خوبی کی ہے گویا مورت

دانہ دُنکا بھوسی چوکر
کھا لیتی ہے سب خوش ہو کر

کھا کر تنکے اور ٹھیڑے
دودھ ہے دیتی شام سویرے

کیا ہی غریب اور کیسی پیاری
صبح ہوئی جنگل کو سدھاری

سبزہ سے میدان ہرا ہے
جھیل میں پانی صاف بھرا ہے

پانی موجیں مار رہا ہے
چرواہا چمکار رہا ہے

پانی پی کر چارہ چر کر
شام کو آئی اپنے گھر پر

دوری میں جو دن ہے کاٹا
بچے کو کس پیار سے چاٹا

گائے ہمارے حق میں ہے نعمت　　دودھ ہے دیتی کھا کے بنسپت
بچھڑے اس کے بیل بنائے　　جو کھیتی کے کام میں آئے
رب کی حمد و ثنا کر بھائی
جس نے ایسی گائے بنائی

اسمٰعیل

۵۷- ہمارا کتّا ٹیپو

ٹیپو ہمارے گھر کا پُرانا رفیق ہے　　بڈھا ہے باوفا ہے نہایت شفیق ہے
ہم دونوں بھائی بہنوں سے اُلفت ہے اسقدر　　جب دیکھتا ہے دُور سے آتا ہے دوڑ کر
جنگل کو جائیں ڈھور تو جاتا ہے ساتھ ساتھ　　جب گھر کو واپس آئیں تو آتا ہے ساتھ ساتھ
بے چارہ گھر کی چوکسی کرتا ہے رات بھر
اور دن میں کھیلتا ہے مرے ساتھ ادھر اُدھر

اسمٰعیل

۵۸- کتّا اور اُس کا سایہ

مُنھ میں ٹکڑا لئے ہوئے کتّا　　ایک دریا کو تیر کر اُترا
پانی آئینہ سا رہا تھا چمک　　نظر آتی تھی تہ کی مٹّی تک

اپنی پرچھائیں پر کیا جو غور — اُس کو سمجھا کہ ہے یہ کتّا اور
مُنھ میں ٹکڑا دبا رہا ہے یہ — گہرے پانی میں جا رہا ہے یہ
حرص نے ایسا بے قرار کیا — جھٹ سے غرّا کے اُس پہ وار کیا
جونہی ٹکڑے پہ اُس کے مُنہ مارا — اپنا ٹکڑا ابھی کھو دیا سارا
واں نہ ٹکڑا نہ اور کتّا تھا — وہم تھا وہم کے سوا کیا تھا
یونہی جتنے ہیں لالچی ناداں — کرکے لالچ اُٹھاتے ہیں نقصاں

باندھتے ہیں کہاں کہاں کے خیال
اور کھو بیٹھتے ہیں اپنا مال

اسمٰعیل

۵۹- اسلم کی بلّی

چھوٹی سی بلّی کو میں کرتا ہوں پیار — صاف ہے سُتھری ہے بڑی ہے ہوشیار
گود میں لیتا ہوں تو کیا گرم ہے — گالے کے مانند بدن اس کا نرم ہے
میں جو نہ چھیڑوں تو نہ جھلّائے وہ — میں نہ ستاؤں تو نہ غرّائے وہ
کھینچ کے دم اس کی ستاؤنگا میں — گھر میں سے باہر نہ بھگاؤنگا میں
اب نہ ڈرے گی وہ مری مار سے — کھیلینگے ہم دونوں بہت پیار سے
صحن میں گھر میں کبھی میدان میں — کھیلینگے در میں کبھی دالان میں

دُم کو ہلا میرے پڑیگی وہ پاؤں　　بولیگی پھر پیار سے یوں "میاؤں میاؤں"
دوڑ لگائے گیند میں جب آن کر　　جھپٹے گی وہ اس پہ چوہا جان کر
تاک لگائے گی دبوچے گی خوب　　مار نہٹے اسے نوچے گی خوب

ہم نے بڑے پیار سے پالا اسے
کہتے ہیں سب چوہوں کی خالہ اسے

اسمٰعیل

٦٠ - مُرغابی

ڈھل گیا دن اور شبنم ہے زمیں پر قطرہ ریز　　گوشۂ مغرب میں گلگوں ہے شفق سے آسماں
پڑ رہی ہیں دُور تک سورج کی کرنیں زرد زرد　　جا رہی ہے تو اکیلی شام کو اُڑتی کہاں

دیکھتا کیوں ہے عبث صیاد سوئے آسماں　　یاس کی نظروں سے تیری شوکتِ پرواز کو
ارغواں زارِ فلک کے منظرِ خوش رنگ نے　　کر دیا ہے اور دلکش تیرے نقشِ ناز کو

ڈھونڈتی پھرتی ہے کیا کوئی سہانا آبشار　　یا کہ سرگرمِ تلاشِ دامنِ دریا ہے تو
کیا کسی بحرِ تموج خیز کی ہے جستجو　　یوں سکوتِ شام میں کیوں آسماں پیما ہے تو

تو جو بے سنگِ نشانِ جادہ و بے مرحلہ
کر رہی ہے آسماں پر قطعِ طبقات ہُوا
اُڑ سکے بے بدرقہ تو یہ کہاں تیری مجال
کوئی طاقت ہے مگر تیری مقرر رہنما

اے سُبک پرواز تیری سُرعتِ پرواز نے
طے کئے کتنے ہی دن بھر سر دِ طبقاتِ نسیم
ہو کے واماندہ زمیں پر گرنہ شہپر جوڑ کر
شب کی ظلمت کا ہی گرچہ سر پہ طوفانِ عظیم

ہو چکی تیری مشقت ختم تجھ کو عنقریب
گرمیوں کا اِک سہانا گھر ملے گا خوشگوار
گاتی ہوگی چھوٹی چڑیوں میں ہم آہنگی سے تو
اور نشیمن پر ترے ہوگی نیتاں کی بہار

ہو گئی غائب فضائے آسماں میں گرچہ تو
اور اب آنکھوں میں ہی تیرا تصور یادگار
میں نے سیکھا ہی سبق لیکن تری پرواز سے
ہر طریقِ زندگی میں تو مری آموزگار

منطقے سے منطقے تک اے سُبک پروازِ شوق
وسعتِ اوجِ فلک پر ہی جو تیرا راہبر
مجھ کو بھی لے جائیگا وہ منزلِ مقصود تک
جب کرونگا جادۂ ہستی سے میں تنہا سفر

(ترجمہ انگریزی) ——————— سُرورؔ جہاں آبادی

۶۱ - سارس کا جوڑا

کنارِ آبِ ویراں سفر میں شام پڑ جانا
مصیبت خیز تھا سارس کے جوڑی کا بچھڑ جانا

شبِ تاریک فرقت میں بھٹکنا ان غریبوں کا
صدا دینا مگر قسمت کا ایسا پیچ پڑ جانا

کہ یہ اس پار بیٹھا اور اُدھر وہ دوسری جانب
یونہی تدبیر کا ہر بار بن بن کر بگڑ جانا

غرض شب بھر یونہی اک دوسرے کی جستجو کرنا
مقابل کے کناروں سے وہ ان کا ہاؤ ہو کرنا

وہ آغوشِ تمنا کھول کر مجبور رہ جانا
وہ بیتابی سے اظہارِ وفورِ آرزو کرنا

سنانا دور سے وہ داستانِ شوق دونوں کا
وہ اپنی بے بسی بے چارگی پر گفتگو کرنا

مگر آخر نشاں مشرق میں اُٹھنا مہرِ تاباں کا
اِدھر روپوش ہو جانا شبِ تاریکِ ہجراں کا

وہ صبحِ وصل کا آنا وہ ان کا شوق سے ملنا
غمِ دوری کا کٹ جانا نکلنا دل کے ارماں کا

ستائش بخت کی کرتے ہوئے اُٹھنا نشیمن سے
محبت سے نئے سرے سے وہ ہونا عہد و پیماں کا

محروم

۶۲ - بَیا

ایک چھوٹا سا پرندہ دیکھنے میں ہے بیا
پر زمانے بھر کی ہیں موجود اس میں خوبیاں

رہتا ہے بچپن میں بھورا رنگ کچھ بیاہی نُر
اِک برس کے بعد پھر ہوتی ہیں رنگ آمیزیاں

موسمِ باراں میں ڈھل جاتا ہے جب اس کا بلک
ہوتے ہیں اس وقت پیارے رنگ پھر اس کے عیاں

سر کے اوپر کنگھی اور نیچے پیارا زعفرنگ
کلکِ قدرت کی عیاں ہو جاتی ہیں گلکاریاں

بعد بارش پھر دہی ہے رنگ کی اصلی نمود
انقلابِ دہر سے کچھ کم نہیں تبدیلیاں

ہے جفاکش وہ بلا کا ہے غضب کا وہ عقیل
کیسی خوبی سے بناتا ہے وہ اپنا آشیاں

بین کے مانند ہوتا ہے بلا شک گھونسلا
اُس شجر پر جو بلندی میں ہو چھوتا آسماں

نر اُسے تیار کرتا ہے خود اپنی چونچ سے
مادہ لا لا کر دیا کرتی ہے اُس کو تیلیاں

کام میں مشغول گاہے ہے کبھی نغمہ سرا
راگ سے آباد رکھتا ہے وہ اپنا آشیاں

آشیانے میں فقط برسات بھر رہتا ہے وہ
موسمِ گُل میں ہے وہ سیّاحِ گلزارِ جہاں

بچّوں کے رہنے کا گھر بھی وہ بناتا ہے جُدا
اس کی عقل و فہم و دانائی کا ہو کیونکر بیاں

ایک چھوٹا متصل ہوتا ہے بے حد خوشنما
واسطے بچّوں کے ہیں موجود سب دلچسپیاں

گیلی مٹّی گھونسلے میں وہ لگا کر اک طرف
اس پہ اک جگنو بٹھاتا ہے بجائے شمعداں

شمع بزم افروز کہیے کرمکِ شب تاب کو — جس سے ہے پر نور رہتا رات کو اس کا مکاں

سانپ بچوں سے رہا کرتی ہے مادہ رات کو
نر کی جا ہے یا ہنڈولہ یا کہ کنجِ آشیاں

اپنے ہمجنسوں کا ہو جاتا ہے وہ دشمن ضرور — آ گئی گر بات کوئی ناخوشی کی درمیاں
کیا بیاں تم سے کروں جنگ و جدل کا حال میں — کیسی کیسی کرتا ہے وہ معرکہ آرائیاں
گھونسلے کو کاٹ دیتا ہے وہ اپنی چونچ کر — توڑتا ہے انڈوں کو لے لیتا ہے بچوں کی جاں
اپنے آقا سے بھی وہ مانوس ہوتا ہے بہت — سنتے ہی آواز اُس کی سمت ہوتا ہے رواں

جس کی قدرت کا ہے اک ادنیٰ کرشمہ یہ بیا
وہ ہے صناعِ حقیقی خالقِ کون و مکاں

یاسمین۔ بھوانی

۶۳ ۔ تتلیاں

یہ آہ کیسی تتلیاں — ہیں اُڑ رہیں یہاں وہاں
انوکھے جن کے ڈھنگ ہیں — طرح طرح کے رنگ ہیں

یہ کیسے بیل بوٹے ہیں
فلک سے پھول ٹوٹے ہیں

سحر

۶۴ - دو مکھیاں

ایک مکھی کہ ہے نِری احمق
فکرِ انجام اسے نہیں مطلق
کوتہ اندیش لالچی ناداں
دیتی پھرتی ہے مُفت اپنی جاں
گری شیرہ پہ حرص کے مارے
پاؤں اور پر لتھڑ گئے سارے
آنکھ اس کی ہیئے کی پھوٹ گئی
اکھڑے بازو تو ٹانگ ٹوٹ گئی

آخرش پھنس کے رہ گئی مکھی
کیا حماقت کی چاشنی چکھی

ایک مکھی ہے سخت دور اندیش
سوچ لیتی ہے کام کا پس و پیش
اس پہ غالب نہیں ہوسناکی
اُڑتی پھرتی ہے وہ بہ چالاکی
کہیں مصری کی جب ڈلی پائی
تو بآہستگی اُتر آئی
گرچہ اس کام میں لگی کچھ دیر
چاٹ کر ہو گئی مگر وہ سیر

کس مزے سے گزارتی ہے دن
شکر کا گیت گاتی ہے بھن بھن

اسمٰعیل

۶۵ - جھینگر اور شہد کی مکھیاں

شہد کی مکھیوں کے در پر جا   کسی جھینگر نے یوں سوال کیا
مائیو ہوں میں اک غریب فقیر   درد افلاس سے بہت دلگیر
آج کل کس غضب کا پالا ہے   مجھے سردی نے مار ڈالا ہے
تمہیں اللہ نے دیا سب کچھ   بھیک دو مجھ غریب کو اب کچھ

راہِ مولا ذرا سا شہد پلاؤ
دین و دنیا کا تم ثواب کماؤ

مکھیوں نے کہا میاں جھینگر   جسم میں تم ہو ہم سے بڑھ چڑھ کر
دست و پا گر ہلاتے گرمی میں   مرتے ہرگز نہ یوں کے سردی میں
یا کہ برسات کے تھے جب ایام   ان میں محنت سے تم جو کرتے کام

جمع اچھا ذخیرہ ہو جاتا
آج کل وہ تمہارے کام آتا

بولا جھینگر بہت ہوں میں کمبخت   مجھ کو قسمت کی ہے شکایت سخت
جب کہ گرمی تھی یا کہ تھی برسات   میں نے گانے میں کھوئے دن اور رات
نہیں جاڑے کا کچھ خیال آیا   جمع کرتا کہاں سے سرمایہ

اب مجھے کچھ خدا کی راہ پہ دو
بھاگو انو بھلا تمہارا ہو

مکھیاں بولیں اس سے اری جھینگر چین سے جا تو بھائی اپنے گھر
جب جو گاتا رہا تو اب بھی گا اور کھانے کی جا ہوا تو کھا

کل کی جو فکر آج کرتے ہیں
کبھی بھوکے نہیں وہ مرتے ہیں

مھ

۶۶ - جگنو اور بچہ

سناؤں تمھیں بات اک رات کی کہ وہ رات اندھیری تھی برسات کی
چمکنے سے جگنو کے تھا اک سماں ہوا پر اڑیں جیسے چنگاریاں
پڑی ایک بچے کی ان پر نظر پکڑ ہی لیا ایک کو دوڑ کر
چمکدار کیڑا جو بھایا اسے تو ٹوپی میں جھٹ پٹ چھپایا اسے
وہ جھم جھم چمکتا ادھر سے ادھر پھرا کوئی رستہ نہ پایا مگر
تو غمگین قیدی نے کی التجا کہ چھوٹے شکاری مجھے کر رہا

خدا کے لئے چھوڑ دے چھوڑ دے
مرے قید کے جال کو توڑ دے

کروں گا نہ آزاد اس وقت تک کہ میں دیکھ لوں دن میں تیری چمک

چمک میری دن میں نہ دیکھو گے تم
اجالے میں ہو جاتی ہے وہ تو گم

ارے چھوٹے کیڑے نہ دے دم مجھے | کہ ہے واقفیت ابھی کم مجھے
اُجالے میں دن کے کھلے گا یہ حال | کہ اتنے سے کیڑے میں ہے کیا کمال

دھواں ہے نہ گرمی نہ شعلہ نہ آنچ
چمکنے کی تیرے کروں گا میں جانچ

یہ قدرت کی کاریگری ہے جناب | کہ ذرّہ کو چمکائے جوں آفتاب
مجھے دی ہے اسواسطے یہ چمک | کہ تم دیکھ کر مجکو جاؤ ٹھٹک

نہ اُلٹّے پنے سے کرو پائمال
سنبھل کر چلو آدمی کی سی چال

اسمٰعیل

۶۷- برساتی پتنگے

لمپ رکھ کر سامنے کچھ دیر شب کو دیکھئے | سینکڑوں طرح آجاتے ہیں ہر ہر رنگ کے
جمع ہو جاتا ہے پروانوں کا اک جمِّ غفیر | گو بظاہر دیکھنے میں ہیں یہ بالکل ہی حقیر
قدرتِ باری کی ہیں لیکن یہی بہتر مثال | ان کی شکلوں سے ہے ظاہر انکی صانع کا کمال
مونچھیں ہیں منھ پر کسی کی سونڈ رکھتا ہے کوئی | گول صورت ہے کسی کی اور لانبا ہے کوئی
سبز ہے رنگت کسی کی ہے کوئی بالکل سیاہ | وہ چمک ہے دیکھ کر جسکو پھسلتی ہے نگاہ
ہیں کسی پر نیلی پیلی خوبصورت دھاریاں | اور کسی کی پشت پر ہیں چھوٹی چھوٹی چتیاں

کوئی ہو معصوم سیرت اور ستاتا ہے کوئی   کوئی چپ رہتا ہے بالکل بھنبھناتا ہے کوئی

الغرض ظاہر ہے ان سے قدرت پروردگار

اور ان کا موسم باراں پہ ہے دارومدار

ہادی

۶۸- کیڑا

تم اس کیڑے کو دیکھو تو لگاتار   تمہاری راہ میں ہے گرم رفتار
چلا کترا کے کیا کیا پیچ و خم سے   جھجکتا ہے یہ آواز قدم سے
کسی سوراخ میں دن کاٹتا ہے   سویرے اُٹھ کے شبنم چاٹتا ہے
کرو چشم حقیقت بیں سے تمیز   کہ سمجھے ہو جسے تم سخت ناچیز
اسے قدرت نے زیبا پر دیئے ہیں   کچھ اک سبزی و سرخی بھی لئے ہیں
نہیں لگتی ہے اچھی مور کی دُم   کہ خوش ہوتے ہو اس کو دیکھ کر تم
جو دیکھو ناچ اس کا دُور ہی سے   تو اُس پر لوٹ ہو جاتے ہو جی سے
مگر کیڑے کو بھی سمجھو نہ ہیٹا   یہ مانا خاک مٹی میں ہے لیٹا
نہ بے پروائی سے چلئے جھٹک کر   قدم رکھئے ذرا کیڑے سے ہٹ کر
کہ ہیں دونوں ہی دانا دیکھ سکتا   نمونے دو ہیں کاریگر ہے یکتا
ہے دونوں ہی میں یکساں دستکاری   کسے ہلکی کہیں اور کس کو بھاری

اگر ہے خوبصورت مور پیارا
تو کیڑا بے گنہ کیوں جائے مارا
بظاہر کچھ نہیں اس کی حقیقت
مگر جب بے بسی کرتے ہو بڑی گت
تو ہے ننھی سی جاں اس کی تڑپتی
ہے تم جیسا ہی اک جاندار وہ بھی

اسمٰعیل

۶۹- چھوٹی چیونٹی

بڑی عاقلہ ہے بہت دور بیں ہے
کہ فکر اپنی روزی کا تیرے تئیں ہے
اسی دُھن میں پہونچی کہیں سے کہیں
کبھی اپنے دھندے سے غافل نہیں ہے
اری چھوٹی چیونٹی تجھے آفریں ہے

نہیں کام سے شام تک تجھ کو فرصت
ذرا سی تو جان اور اُس پر یہ محنت
بہت جھیلتی ہے مشقت مصیبت
نہیں ہارتی پر کبھی اپنی ہمت
اری چھوٹی چیونٹی تجھے آفریں ہے

کبھی کام تونے ادھورا نہ چھوڑا
کبھی تونے تکلیف سے مُنھ نہ موڑا
بہت کام تونے کیا تھوڑا تھوڑا
ذخیرہ یہ جاڑے کی خاطر ہے جوڑا
اری چھوٹی چیونٹی تجھے آفریں ہے

جو گرمی کی رُت میں نہ کرتی کمائی
تو جاڑے کے موسم میں مرتی بن آئی

تجھے ہوشیاری یہ کس نے سکھائی   سمجھتی ہے اپنی بھلائی برائی
اری چھوٹی چیونٹی تجھے آفریں ہے

نہ کھو وقت سستی میں مہلت ہے تھوڑی   وہی کام کر جس سے مالک ہو راضی
کہ جس نے تجھے زندگانی عطا کی   یہ عمدہ سبق ہم کو دیتی ہے چیونٹی
اری چھوٹی چیونٹی تجھے آفریں ہے

اسمٰعیل

۷۰ - انسان

خدا نے دی ہے اسے ایسی موہنی صورت   کہ جس نے اس کی طرف دیکھا پھر نہ منہ پھیرا
خدائے پاک نے اس کو دیا ہے خلقِ عظیم   یہی تو ہے جو ہوا انسانیت کا اک تحفہ
ہے انس مادہ اس کا محبت اس کا خمیر   یہی سبب ہے جو انسان نام اس کا ہوا
کہاں ہے سرو میں زیبا یہ لطیف رعنائی   اس آدمی کا ہے جیسا حسین قدِ بالا
شباب کی وہ خوش آیند دھوپ ہے منہ پر   کہ جس کی گرمی سے روشن ہے چاند سا چہرا
جوانی ہے کہ وہ آبِ حیات کا چشمہ   اسی سے معتدل اس جسم کی ہے آب و ہوا
اسی سے عقل میں جودت ہے فکر میں تیزی   اسی سے نور ہے آنکھوں میں گوش ہے شنوا
جو تجھ کو کرنا ہے لے دل شباب میں کر لے   کہ جسم پر ابھی قابو ہے چشمِ عقل ہے وا
شباب میں تھے بڑے زور دار ہاتھ مگر   اب ان میں ہیبتِ پیری سے پڑ گیا رعشا

کبھی یہ زور تھا گیندے کی ڈھال چیرتے تھے — یہ حال ہو گیا اب ٹوٹتا نہیں دھاگا
وہ کان سنتے تھے جو پائے مور کی آواز — اب اُن کے سر پہ چلے توپ تو نہ آئے صدا
کشیدہ تھا کبھی مثلِ الف جو قدِ سہی — وہ منحنی ہوا ایسا کہ بن گیا ہمزہ
سمجھ میں کچھ نہیں آتی حقیقت انساں کی — یہ کیا ہے آب ہے آتش ہے خاک ہے کہ ہوا
ابھی ابھی تو یہ سب کچھ ہے پھر یہ کچھ بھی نہیں
عجب طلسم کا سا حال ہے یہ کوئی کیا

سید شاہ محمد اکبر

۱۷ ۔ ایک حسین لڑکی

چہرہ یہ پیارا پیارا آنکھیں یہ کالی کالی — لب گُل کی پتیاں ہیں صورت ہے بھولی بھالی
نازک بدن ہے اس کا یا نخلِ گُل کی ڈالی — چہرہ کا رنگ دیکھو کہہ دو یہ پھول والی
رُخ پر جو آرہی ہیں اُڑ کر لٹیں ہوا سے
سرکا رہی ہے اُن کو کس ناز سے ادا سے
ناز اُس کے قدرتی ہیں یہ اُن سے بے خبر خود — دلکش نظر ہے لیکن واقف نہیں نظر خود
بالوں میں بن رہے ہیں گھونگر اِدھر اُدھر خود — وارفتہ ہو رہا ہے حُسن اُس کی سج پہ خود
کیسا دہن ہے زیبا کتنا ہے تنگ دیکھو
آنکھوں میں لال ڈورے لائے ہیں رنگ دیکھو

کس لطف سے لڑکپن اس کو کھلا رہا ہے چھوٹے سے قد کو کیا کیا چاؤں پہ لا رہا ہے
ملکر کبھی تبسّم ہونٹوں پہ آ رہا ہے ملکر کبھی نظر سے شوخی دکھا رہا ہے

وارستگی تو دیکھو بے خود ہے کسقدر یہ
آنچل زمیں پہ لوٹا لیکن ہے بے خبر یہ

چوٹی نہیں بندھی ہے بال اُڑتے ہیں ہوا سے بُندے اُلجھ گئے ہیں بالوں میں تو بلا سے
بالوں پہ جمتی ہے گرد اڑ اُڑ کے جا بجا سے سر پر چمک رہے ہیں ذرّہ ذرا ذرا سے

کرتا کریب کا ہے کانٹوں پہ ہے وہ اٹکا
دامن پھٹا وہ دیکھو کھینچا جو دیکے جھٹکا

کرتے کو دیکھ کر یہ پہلے تو مسکرائی پھر کچھ جو دھیان آیا حیرت سی رُخ پہ چھائی
پوچھے گی ماں کہاں سے کرتے کو پھاڑ لائی یہ ڈر نہیں تو چھوٹی چہرہ پہ کیوں ہوائی

کرتے کو دیکھتی ہے کانٹوں کو دیکھتی ہے
ماں سے یہ کیا کہے گی بس سونچ اسے یہی ہے

ٹھلی پھر اُٹھ کے اب کچھ تسکین پا رہی ہے رنگت اُڑی ہوئی پھر چہرے پہ آ رہی ہے
چھوٹی سی آرسی کو نظروں میں لا رہی ہے خود منھ چڑا رہی ہے خود مسکرا رہی ہے

لائی ہوا جو اپنے دامن میں گرد بھر کے
آنچل میں منھ چھپایا آنکھوں کو بند کر کے

چل نکلی اور ٹھٹک کر مجھ پر نگاہ ڈالی میں اس کو دیکھتا ہوں یہ بات اس نے پالی

آنکھیں اُٹھا کے دیکھا اور پھر نظر بچا لی　　یہ قدرتی حیا ہے دل کو لبھانے والی

دیکھے جو پھر تو شاید ترچھی نظر سے دیکھے
پھرا ہے رُخ تو شاید مُڑ کر اِدھر سے دیکھے

دیکھا تو اُس نے لیکن گردن جھکا کے دیکھا　　آنچل کو سر پہ ڈالا اور مُسکرا کے دیکھا
کیا ترچھی چتونوں سے آنکھیں چُرا کے دیکھا　　دیکھا پھر اُس نے دیکھو آنچل ہٹا کے دیکھا

پایا بنا جو مجھ کو کچھ شرم آئی اس کو
فطرت کی یہ ادا ہے بننے کا فہم کس کو

چشمے کی راہ لی ہے شاید پئے گی پانی　　پہونچی تو دیکھتی ہے چپ سن کھڑی دِوانی
عکسِ فلک کی رنگت سورج کی ضو فشانی　　پانی تو ہے سنہرا اور نہ ہے آسمانی

لہروں پہ چلتی پھرتی سورج کی جو چمک ہے
اِس سے چمک رہی ہے کیا بجلیوں کی تک ہے

وہ پائنچے سنبھالے پانی تو خیر کم ہے　　ٹخنوں ہی تک ہے گہرا اور چند ہی قدم ہے
لیکن لچک بدن میں چلنے سے دم بدم ہے　　نازک ہیں پاؤں پھسلے پانی میں تو ستم ہے

وہ اوڑھنی نہ سنبھلی پانی سے تر ہوئی ہے
وہ لڑکھڑائی دیکھو دُہری کمر ہوئی ہے

نالا اُتر کے پہونچی زیرِ شجر کھڑی ہے　　ننھے سے دل پہ اُس کے ہمت بہت بڑی ہے
کچھ اوڑھنی بدن پر کچھ خاک پر پڑی ہے　　خوشے پکے ہوئے ہیں اُن سے نظر لڑی ہے

میں جا منہیں گرا دوں بہلے ہیں تو اچھا
کھیلے ہیں تو اچھا ٹہلے ہیں تو اچھا

شوق قدوائی

ایک صبح کی عبادت گزار

(ایک تصویر کا سراپا)

واہ کیا صبح کا عالم ہے خدا کی قدرت
مہرِ خاموشی بس اب توڑنے کو ہے خلقت
جھلملا کر وہ چھپے جاتے ہیں تارے دیکھو
پڑ گئی پھیکی وہ مہتاب کی گہری رنگت
آشیانوں میں چہکنے لگے خوش لہجہ طیور
بے زبانوں کی زباں پر بھی ہے سرِّ وحدت
سنکھ بجنے لگے بجنے لگے گھنٹے گھڑیاں
اٹھی ہر قوم عبادت کو بحسبِ عادت
بندھ گئیں لاکھوں صفیں اس کی حضوری کے لئے
وہ سنی جانے لگی بعد اذاں قد قامت

ایسے عالم میں ہے اک معبدِ عالی کی نمود
سامنے منبر کے استادہ ہے ایک خوش قامت
نیز کیا ہے کہ یہ اک رحل ہے قدِ آدم
ہے کھلی جس پہ کتاب ایک برائے قرأت
پڑھنے والے کا جو انداز ہے وہ کیونکر دکھائیں
موقلم کی نہیں ہے اپنے قلم میں قدرت
بھولی بھالی ہے اک چینی کی مورت گویا
ہے فرشتہ کہ پری کہئے کہ حورِ جنت
کس قدر کھلتا ہے اس جسم پہ یہ گون سیاہ
سینے پر چاک سی جھالر وہ کفوں کی حالت

گورا پیارا سادہ چہرا تو بھولا ہے وہ گول
جس پہ اک اور بھی معصوم پنے کی رنگت

کونون تک آئے ہوئے اس کے سنہری بال
مانگ ہے یا کہ نشانے پہ بیاض قدرت

پتلیاں اٹھی ہوئیں دھیان میں ادپر کی طرف
چلیں نیلم کی یہ دو تیتریاں توڑ کے چھت

لعل رنگین کا دو پلکا کھلے ان ہونٹوں کو
اب کھلی بات کسی طرح ذرا ہو حرکت

جیسے بلور چمکتا ہوا ایسی تھوڑی
مبی گردن سے صراحی کے گلے کو خجلت

چاند سا سینہ بھرا جسم جوانی کا یہ جوش
لطف آ جائے اگر جھومے یہ سر و قامت

دھیان اس وقت ہے معبود کی طاعت کا
بات کرنے کے اشارے نہ زباں میں قدرت

کہنیاں ہاتھوں کی بس رحل کی اوپر ہیں ٹکی
انگلیاں جن کی کمر پینہ ہوئی ہیں آیات

ایسی صورت پہ بھی خالق کو نہ رحم آئے گا
ایسے بندے پہ بھی کیونکر نہ کریگا رحمت

شاعر

۷۳- پاربتی

اس راجہ ہمانچل کے گھر اک بالی سندر بیٹی تھی
مکھ اس کا چندر للسن کا تھا نام اس کا گورا پاربتی
لب لعل یمن اور غنچہ دہن تن برگ سمن قد سرو سہی
پوشاک جھلکتی تاش زری ان گنتی پہنے من موتی

وہ کٹھلے کنگن کنڈن کے وہ بازو چھلے اور مُندری
وہ جھانجن بجنی سونے کی اور چوڑی گھنگرو چوراسی
ماں باپ کی پیاری ناز بھری آنکھوں میں نندن پھرتی تھی
نت رہتی ہاتھوں چاؤں میں اور مانی آس مرادوں کی
سکھ بھوجن نورس اور میوے پکوان مٹھائی دودھ دہی
سو ساتھ سہیلی ساتھ پھریں ہم عمریں بھی بالی بھولی
سب پیار کریں تن من واریں سنگ کھیلیں جسمیں بہلے جی
سب گہنے ہیں سر پاؤں لدیں تن سوہا سالو اور چنری
کوئی اُچھلے کودے سوانگ کرے کوئی ہنس ہنس کرتی اٹکھیلی
دن رات ہنسیں اور چین کریں ہر آن خوبی خوش وقتی
تھی رہتی گورا پاربتی اِن روپ سروپوں ابرن میں
سب طور خوشی سے پھرتی تھی نت اپنے گھر اور آنگن میں

نظیر اکبرآبادی

۷۴ - دوشیزہ

ایک دن جو برائے سیر اُٹھا — دیکھی کوٹھے پہ ایک ماہِ لقا
بام روشن تھا طور کی صورت — سر سے پا تک تھا نور کی صورت

حُسنِ یوسف بھی اس کے آگے ماند
چہرہ زلفوں میں جیسے ابر میں چاند

گُل سے رُخسار گول گول بدن
گال جس طرح قمقمے روشن

جلوۂ حُسن رشکِ شعلۂ طور
چشمِ بد دُور آنکھیں موتی چور

رُخ پہ وہ بکھری بکھری زلف کے بال
رنگِ گُل سے وہ ہونٹ گال بہ لال

ناک میں نیم کا نقطہ تنکا
شوخی چالاکی مقتضا سن کا

آستینوں کی وہ کھنسی کرتی
جسم میں وہ شباب کی پھرتی

قد میں آثار سب قیامت کے
گوری گردن پہ طوق منت کے

رُخ پہ گرمی سے وہ عرق کم کم
جس طرح گُل پہ قطرۂ شبنم

عکسِ رُخ موتیوں کے دانوں میں
بجلیاں چھوٹی چھوٹی کانوں میں

آڑی ہیکل گلے میں ڈالے ہوئے
پیاری پیاری کچیں نکالے ہوئے

سرو سا قد تو گُل سے رُخسارے
شانے باز و بہر نے ہرے سارے

کیا خدا داد حُسن پایا تھا
آپ اللہ نے بنایا تھا

مرزا شوق

۷۵۔ عروس

پر سناروں نے یہ اُس کو بنایا
جہاں میں حورِ جنت کر دکھایا

عجب صورت سے کی بالوں میں کنگھی
کہ بکھرا دیکھ کر ہر ایک کا جی

لپٹ آئی جو یوں زلفوں کی یکبار ہوئی کافور بوئے مشک تاتار
کھجوری گوندھی وہ پاکیزہ چوٹی کہ سب اہل نظر کی جان لوٹی
جب اس کی موتیوں سے مانگ بھر دی فلک نے کہکشاں قربان کر دی
جو ٹیکا اس کے ماتھے پر لگایا قمر نے اپنے دل پر داغ کھایا
برنگِ مہر تاباں تھا جو چہرہ ہوا تارِ شعاعی منہ پہ سہرہ
وہ آنکھیں بند کرنا بھی ادا تھی چقِ مژگاں میں پوشیدہ حیا تھی
جب اُس کے کان میں پہنایا جھمکا پریشاں ہو گیا عقدِ ثریا
پہن کر نتھ خوشی سے رنگ دمکا وہ مکھڑا چاند سا گھونگھٹ میں چمکا
مسی آلودہ دنداں پیارے پیارے چمکتے تھے شبِ یلدا میں تارے
مسی مل کر جب اُس نے پان کھایا یہ مطلع پڑھ کے ناسخ کا سنایا
مسی مالیدہ لب پر رنگِ پاں ہے تماشہ ہے تہِ آتش دھواں ہے
بنایا خال کاجل سے ذقن پر عجب جوبن تھا اُس رشکِ قمر پر
چڑھی مُنھ پر دلہن کے ایسی شیریں کہ پھیکی پڑ گئی نظروں میں شیریں
گلے میں پہنا جب موتی کا مالا بنات النعش کو حیرت میں ڈالا
اگر ہاتھوں میں ہیرے کے کڑے تھے زرِ خالص کے زیبِ پا چھڑے تھے

بہت اس کے سوا بھی اور گہنا
مناسب جس جگہ تھا اُس نے پہنا

۷۶ - خادمہ

اتنے میں گھر سے نکلی اِک عورت سانولا رنگ چُلبلی صورت
لال نیفہ ازار بند بڑا لچھا ایک کنجیوں کا اُس میں پڑا
کھیلتی ہنستی کھلکھلاتی ہوئی آنکھ ایک ایک سے ملاتی ہوئی
چاٹ چوبند سینہ زوری میں پھُول رکھے ہوئے کٹوری میں
آنکھ ایک ایک پر گھلاوٹ کی بات ایک ایک سے لگاوٹ کی
حسن کے دن جوانی زوروں پر رات کی باسی مہندی پوروں پر

یہاں ٹھہری کبھی وہاں ٹھہری
دو دو منھ ہنس لے جہاں ٹھہری

میرزا شوق

۷۷ - ماما

اتنے میں آدمی نے دی یہ خبر اِک سواری کھڑی ہے ڈیوڑھی پر
آئی ماما بھی ایک ہے ہمراہ کتنی چالاک ہے خدا کی پناہ
پوچھتی آئی ہے یہاں تک گھر ہاتھ رکھے کھڑی ہے کوٹھے پر
اپنے سایہ سے بھی بھڑکتی ہے بوٹی بوٹی پڑی پھڑکتی ہے

شرم ہے آنکھ میں نہ دل میں خطر
بھپتیاں کہہ رہی ہیں اِک اِک پر

ہنسی ٹھٹھا جگت ضلع میں طاق
چل رہی ہے زبان تڑاق تڑاق

کھڑی اِک اِک کا منھ چڑاتی ہے
ہنسے دیتی ہے لوٹی جاتی ہے

چوٹی لپٹی ہے باسی ہاروں سے
لڑ رہی ہے جُگت کہاروں سے

راستے والے جو گزرتے ہیں
سُن کے کانوں پہ ہاتھ دھرتے ہیں

مرزا شوق

۷۸ - نوشہ کا حمّام

ہوا جب کہ داخل وہ حمّام میں
عرق آگیا اُس کے اندام میں

تنِ نازنیں نم ہوا اُس کا کُل
کہ جس طرح ڈوبے ہے شبنم میں گُل

پرستار باندھے ہوئے لنگیاں
مَلے وہ بھرے طاش لیکر وہاں

لگے ملنے اُس گلبدن کا بدن
ہوا اُڈھا آب سے وہ چمن

نہانے میں یوں تھی بدن کی دمک
برسنے میں بجلی کی جیسے چمک

لبوں پر جو پانی پڑا سر بسر
نظر آئے جیسے دو گلبرگ تر

ہوا قطرۂ آب یوں چشم بوس
کہے تو پڑے جیسے نرگس پہ اوس

لگا ہونے ظاہر یہ اعجازِ حُسن
ٹپکنے لگا اِس سے اندازِ حُسن

گیا حوض میں جب شہِ بے نظیر
پڑا آب میں عکسِ ماہِ منیر

وہ گورا بدن اور بال اُس کے تر
کہے تو کہ ساون کی شام و سحر

زمیں پر تھا اک موجۂ نور خیز
ہوا جب وہ فوارہ ساں آب ریز

زمرد کے لے ہاتھ میں سنگ پا
کیا خادموں نے وہ آہنگِ پا

ہنسا کھلکھلا کر گلِ نو بہار
لیا کھینچ پاؤں کو بے اختیار

عجب عالم اُس نازنیں کا ہوا
اثر گدگدی کا جبیں پر ہوا

ہنسا اس ادا سے کہ سب ہنس پڑے
ہوئے جی سے قربان چھوٹے بڑے

دُعائیں لگے دینے بے اختیار
کہا خوش رکھے تجھ کو پروردگار

کہ تیری خوشی سے ہے سب کی خوشی
مبارک تجھے روز و شب کی خوشی

نہ آوے کبھی تیری خاطر پہ میل
چمکتا رہے یوں فلک کا سُہیل

کیا جب غسل اس لطافت کے ساتھ
اڑھا کھیس لائے اسے ہاتھوں ہاتھ

نہا دھو کے نکلا وہ گل اس طرح
کہ بدلی سے نکلے ہے مہ جس طرح

میر حسن

۷۹۔ شادی کی دھوم

بڑی خواہشوں سے جب آیا وہ روز
چڑھا بیاہنے وہ مہِ شب فروز

محل سے نکل جب ہوا وہ سوار
بجے شادیانے بہم ایک بار

کوئی دوڑ گھوڑے کو لانے لگا — کوئی ہاتھیوں کو بٹھانے لگا
سپر اور قبضے کھڑکنے لگے — سواروں کے گھوڑے بھڑکنے لگے
ٹکورے وہ نوبت کے اور اُن کے بعد — گرجنا وہ دھوسوں کا مانند رعد
دو رستہ جو روشن چراغاں ہوئے — تلنگے خوشی سے غزلخواں ہوئے
براتی اِدھر اور اُدھر جوق جوق — وہ آوازِ سرنا وہ آوازِ بوق
وہ ابرک کی ٹٹی وہ بینے کی جھاڑ — کہے تو کہ تنکے کے اوجھل پہاڑ
دو رستہ برابر برابر وہ تخت — کسی پر کنول اور کسی پر درخت
اناروں کا دغنا بھچپنے کا زور — ستاروں کا چھٹنا پٹاخوں کا شور
وہ مہتاب کا چھوٹنا بار بار — ہر اک رنگ کی جس پہ دونی بہار
جب آئی وہ دولہن کے گھر پر برات — کہوں واں کے عالم کی کیا تجھ سے بات
بلوریں دھرے شمعدان بے شمار — چڑھیں بتیاں موم کی چار چار
نئے رنگ کے اور نئے طور کے — دھرے ہر طرف جھاڑ بلور کے
تماشائیوں کی یہ کثرت کہ بس — ملے ایک سے ایک سب پیش و پس
وہ دولہا کا مسند پہ جا بیٹھنا — برابر رفیقوں کا آ بیٹھنا
ہوا جب نکاح اور بٹے ہار پان — پلا سب کو شربت دیئے ہار پان
وہ سب ہو چکے جب کہ رسم و رسوم — سواری کی ہونے لگی پھر تو دھوم
سحر کا وہ ہونا وہ ٹونے کا وقت — وہ دولہن کی رخصت وہ رونے کا وقت

وہ دُلہن کا رو رو کے ہونا جُدا　　وہ ماں باپ کا اور رونا جُدا
نکلتے وہ جانا محل سے جہیز　　کہ جوں چشم سے اشک ہو موج خیز
یہاں موت ہے اہل عرفان کو　　کہ جانا ہے اک دن یونہی جان کو
وہ جو دردی مندی سے ہیں آشنا
وہ شادی کا لیتے ہیں غم سے مزا

میر حسن

۸۰ - جلوس

زبس تھا سواری کا باہر ہجوم　　ہوا جبکہ ڈنکا پڑی سب میں دھوم
برابر برابر کھڑے تھے سوار　　ہزاروں ہی تھیں ہاتھیوں کی قطار
سنہری روپہلی وہ عماریاں　　شب و روز کی سی طرحداریاں
چمکتے ہوئے بادلے کے نشان　　سواروں کے غٹ اور بانوں کی شان
ہزاروں ہی اطراف میں پالکی　　جھلا بور کی جگمگی تالکی
کہاروں کی زربفت کی کرتیاں　　اور اُن کے دیے پاؤں کی پھرتیاں
بندھی پگڑیاں طاش کی سر اوپر　　چمکتا چونا ہیں جس سے آئے نظر
وہ ہاتھوں میں سونے کے موٹے کڑے　　جھلک جن کی ہر ہر قدم پر پڑے
وہ ماہی مراتب وہ تخت رواں　　وہ نوبت کہ دولہ کا جیسے سماں

وہ شہنائیوں کی صدا خوشنما　　سہانی وہ نوبت کی دھیمی صدا
وہ آہستہ گھوڑوں پہ نقارچی　　قدم با قدم با لباسِ زری
بجاتے ہوئے شادیانے تمام　　چلے آگے آگے ملے شادکام
سوار اور پیادے صغیر اور کبیر　　جلو میں تمامی امیر اور وزیر
وہ نذریں کہ جس جس نے تھیں ٹکانیاں　　شہ و شاہزادے کو گزرانیاں
ہوئے حکم سے شاہ کے پھر سوار　　چلے سب قرینے سے باندھے قطار
سجے اور سجائے سبھی خاص و عام　　لباسِ زری میں ملبّس تمام
طرق کے طرق اور پرے کے پرے　　کچھ ایدھر اُدھر کچھ ورے کچھ پرے
وہ فیلوں کی اور میگڈمبر کی شان　　جھلکتے وہ منقش کے سائبان
چلے پایۂ تخت ہو کے قریب　　بدستورِ شاہانہ بنتی جریب
سواری کے آگے پئے اہتمام　　لیے سونے روپے کے علمے تمام
نقیب اور جلودار اور چوبدار　　یہ آپس میں کہتے تھے ہر دم پکار
اسی اپنے معمول و دستور سے　　ادب سے تفاوت سے اور دور سے
بلا توجوانوں بڑھے جائیو　　دو جانب سے باگیں لیے آئیو
بڑھے جانے آگے سے چلنے قدم　　بڑھے عمر و دولت قدم با قدم
غرض اس طرح سے سواری چلی　　کہے تو کہ بادِ بہاری چلی
تماشائیوں کا جدا تھا ہجوم　　کہ ہر طرف تھی لاکھ عالم کی دھوم

لگا قلعے سے شہر کی حد تلک دکانوں پہ تھی بادلے کی جھلک
کیا تھا زبس شہر آئینہ بند ہوا چوک کا لطف واں چار چند
رعیت کی کثرت ہجومِ سپاہ گزرتی تھی رک رک کے ہر جا نگاہ
ہوئے جمع کوٹھوں پہ جوں مرد و زن ہر اک سطح تھی جوں زمینِ چمن
لگا لنج سے تا نحیف و ضعیف تماشے کو نکلے وضیع و شریف
نظر جس کو آیا وہ ماہِ تمام کیا اس نے جھک جھک کے اس کو سلام
دعا شاہ کو دی کہ بارِ الٰہ
سدا یہ سلامت رہے مہر و ماہ

میر حسن

۱۸۔ شیو شنکر جی کی برات

جب رات ہوئی تب شیو شنکر خوش وقتی سے اسوار ہوئے
سب آگے پیچھے دولہا کے دل شاد براتی ساتھ چلے
فانوسیں رنگیں جھلملیاں اور جھاڑ بڑی گل کاری کے
ہر آن جڑاؤ چنور ڈھلیں اور سیس کے اوپر چتر پھرے
وہ پریاں ناچیں تختوں پر پوشاکیں گہنے جھمک رہے
نقارے نوبت طبل نشاں الغوزے بجتے اور ڈفلے

ہر سرنا بیں دُھن بیں بیں کی اور کرنا تری جھانجھ بڑے
کر دھونسے دھوں دھوں باج رہے اور تاسے بجتے کڑ کڑ کڑ سے
مردنگ مند یلے تال بجیں اور سارے گھنگرو بھی جھنکے
وہ ڈھول دھما دھم شور کریں اور جھنپے بھی چھم چھم کرتے
وہ ہاتھی گنجل اور کتنے انباری ہو دے اور نیزگلے
وہ جھومتے چلتے قدم قدم اور بجتے جاتے گھنٹا لے
وہ جھاڑ اور مشعلیں پنجشاخے سب روشن اونچے شعلوں کے
وہ صحرا جمکا کوسوں تک ہر ٹھورا جالے جا پہونچے
وہ گھوڑے میانے گھوڑ بہلیں رتھ اونچے پئے ڈھلتے تھے
سب باجے بجتے جاتے تھے اور ہولے ہولے چلتے تھے
جس آن برات آئی دریہ خوبی ٹھہری زیب بھری
وہ پریاں ناچیں تختے پر جھنکاریں مار مجیروں کی
وہ ڈنکے لگتے دھونسے پر دُھن کرنا سرنا کی اونچی
دروازے کوٹھے گونج رہے آواز سہانی اُن کی تھی
کل زیب براتی چار طرف اور بیچ سواری دولہا کی
سب چھجے چھجے کوٹھوں پر واں دیکھی زینت اور خوبی
سب واہ کریں اور چاہ کریں، اور ٹھاٹھ کو دیکھیں کھڑی کھڑی

ہوں دیکھ کے صورت دولہا کی واں سو سو دل سے بلہاری
وہ آئی تھی جو سانٹھ لدی اور آتشبازی چھٹتی تھی
مہتاب انار اور پھلجڑیاں سہت پھول ہوائی خوب کڑی
اک پہر تلک دروازے پر واں پھول رہی پھلواری سی
سب ہاتھی گھوڑے بیل اچھلیں غل شور رہا اور دھوم مچی
وہ طبل بجیں اور ڈفلے بھی نقارے تاشے اور ترئی
وہ ڈھول اور جھلنی باج رہے اور گھر گھر میں آواز گئی
سب شاد ہوئے خوش وقت ہوئے یہ دیکھ تماشے خوبی کی
کر وصف بہت بلہار ہوئے اس دولہا کی محبوبی کے

نظیر اکبرآبادی

۸۲ - شادی کی محفل

جو بانے جھاڑے خار و خس اور بادل پانی چھڑکائے
بانات قناتیں شمیانے دل بادل تنبو تنوائے
نمگیرے جھالر موتی کے کمخواب مشجر جھلکائے
گل فرش حریر اور دیبا کے خوش رنگ چمکتے بچھوائے
مقیش زری کے لچھے بھی پھر جا گہ جا گہ لٹکائے

گل عطر و گلاب اور پان دھرے کستوری عنبر رکھوائے
پھر تھال الائچی لونگوں کے پھر خوب طرح سے چنوائے
چنگیر دھرے سو زیب بھرے اور طرّہ ہار بھی گندھوائے
ہر چار طرف تیاری کی اسباب طرب کے ٹھہرائے
جو ٹھاٹھ پڑے ہیں شادی کے اک پل بھر میں سب جمگائے

نظیر اکبرآبادی

۸۳۔ دُلہن کا جہیز

جس آن ہوئے شبو چلنے کو تب لا کر یہ اسباب دھرے
پوشاکیں رنگیں زیب بھریں ہر تار پڑا جن کا چمکے
زر زیور کے واں ڈھیر لگے جو باہر ہووے گنتی سے
وہ موتی ہیرے انمولے وہ لعل زمرّد کے ڈبے
وہ کلے بٹے چاندی کے وہ تھال کٹورے سونے کے
وہ فرش سنہرے نقش بھرے جو بچھتے محلوں بیچ پڑے
وہ چیرے خوب لباسوں کے اور گنتی میں بھی بہتیرے
وہ چیریاں اچھی صورت کی سر پاؤں تلک زیور پہرے
وہ کنچل جھول جھلکتی کے انباری جن پر اور ہودے

وہ گھوڑے گلگوں مثل ہُوا اور دوزی جن پر زین بندھے
چنڈول جھلکتے وہ جن پر بانات زری کے تھے پردے
رتھ بہلیں اور گھڑ بہلیں وہ ٹھاٹھ چمکتے جن کے تھے
وہ رنگیں جھالر دار رتھیں وہ بیل بہت جن کے اونچے
یہ ٹھاٹھ رکھا دروازے پر اور بغدے بوجھ اُٹھانے کے
تھے جتنے شادی بیاہ نمت سامان جو واں تیار ہوئے
ہر ٹھاٹھ کے واں دروازے پر ہر جانب سو انبار ہوئے

نظیر اکبر آبادی

۸۴ - دُلہن کی رُخصت

جب ڈیوڑھی سے چنڈول بڑھا دروازے پر سو خوبی سے
نو چھاور اتنی کی اُس پر کل موتی پھول زری بکھرے
اُس وقت بہت خوش وقتی سے شیو شنکر بھی اسوار ہوئے
وہ خوبی قسمت چار طرف سب ساتھ براتی زیب بھرے
اسواری دولہا کی آگے چنڈول دُلہن کا تھے پیچھے
وہ باجے لائے ساتھ جو تھے سب ہر دم بجتے ساتھ چلے
اسباب دیئے جو راجہ نے تھے اس کے جاتے اونٹ لدے

وہ جتنے چیرا چیری تھے سب رتھ اور میانوں میں بیٹھے
وہ ہاتھی گھوڑے ہر جانب انباری زین جھلکتے تھے
اِس دیس کے رہنے والے بھی سب دیکھنے نکلے گھر گھر سے
ہر کوٹھے کوٹھے بھیڑ لگی اور رستے رستے لوگ بھرے
غل شور خوشی کے چار طرف سب دیکھیں ان وہ ٹھاٹھ بڑے
جب اس طور خوشی سے بیاہنے کو شیو آئے گھر میں راجہ کے
پھر ویسی ہی خوش وقتی سے کیلاس کے اوپر جا پہنچے

نظیر اکبر آبادی

۸۵ ۔ مجمع احباب

خوش گزرتے تھے اس طرح ایام — عیش رہتا تھا صبح سے تا شام
جمع رہتے تھے بزم میں وہ حسیں — نہ ہوئے ہیں نہ ہوئینگے جو کہیں
خوبرو کوئی نازنیں کوئی — مہروش کوئی مہ جبیں کوئی
شوخ چالاک خوش مزاج ذہین — سن جوانی کا سب کے سب شوقین
خوشنما خوش مزاج خوش اسلوب — ایک ایک اپنے طرز پر محبوب
آشنا دوست سب کے سب ہمراز — خوش بیاں کوئی کوئی خوش آواز
شہرہ پایا تھا خوش جمالی سے — سب کے سب خاندان عالی سے

شوخ ہر ایک کی طبیعت تھی — طرفہ یادش بخیر صحبت تھی
شوق ہر ایک فن کا رہتا تھا — چرچا شعر و سخن کا رہتا تھا
کھانا بے دل لگی نہ پچتا تھا — میلا ٹھیلا کوئی نہ بچتا تھا
روز رہتا تھا لطفِ سیر و شکار — شب کو بجتی تھی بین دن کو ستار
وضع کی سب کو گو تھی پابندی — پر نہ بچتی تھی کوئی نوچندی
دوست جتنے تھے رہتے تھے ہمراہ — کربلا میں کبھی کبھی درگاہ
رہتا تھا تیرہویں کا جلسہ یاد — شام سے جاتے تھے حسین آباد
لوگ پہلے سے واں پہ چلتے تھے — فرش تالاب پر بچھاتے تھے
صحبتِ عیش گرم رہتی تھی — کچھ نہ آپس میں شرم رہتی تھی
رات ہنس بول کے گزارتے تھے — صبح سب اپنے گھر سدھارتے تھے
ہوش باقی نہ رہتا تھا تن کا — آتا تھا جب مہینہ ساون کا
دل کے ارمان سب نکالتے تھے — جھولے باغوں میں جا کے ڈالتے تھے
جمع ہوتے تھے سینکڑوں محبوب — خوش گلو خوش مزاج خوش اسلوب
لذتِ زندگی اٹھاتے تھے — ہنستے تھے گاتے تھے بجاتے تھے
خوش گلو جب کہ تان لیتے تھے — دل تو کیا چیز جان لیتے تھے
پرزے پرزے اڑاتے تھے دل کے — کوکتے تھے مثال کوئل کے
لطفِ صحبت کا جو اٹھاتے تھے — بن بلائے سب آپ آتے تھے

جمع ہونے لگے جو غربت حور — صحبت اپنی بھی ہو گئی مشہور
دیکھ بے طرح ہم فقیروں کو — رشک آنے لگا امیروں کو

حق تو یہ ہے کہ جانے حیرت تھی
کچھ عجیب نکھری نکھری صحبت تھی

مرزا شوق

۸۶ - میلے کی سیر

آج میلے کا یاں جو ساماں ہے — آئے ہیں دور دور سے انساں
کوئی درشن کوئی دعائیں مانت — سب کی ہوتی ہیں مشکلیں آساں
ہر طرف کھل رہے گل و ریحان — ہار بدھی مٹھائی اور پکوان
بھیڑ انبوہ غل دکان دکان — اور یہی شور ہر گھڑی ہر آن

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلہ ہے

لوگ چاروں طرف کے آتے ہیں — آ کے عیش و طرب مناتے ہیں
دل سے سب درشنوں کو جاتے ہیں — اپنے دل کی مرادیں پاتے ہیں
جھانجھ مردنگ دف بجاتے ہیں — راس منڈل بھجن سناتے ہیں
دل میں پھولے نہیں سماتے ہیں — سب یہ ہنس ہنس کے کہتے جاتے ہیں

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

صحن مندر کا سب سے ہے اعلیٰ
اس کا گنبد ہی عالم بالا ہے
ہو رہا جھانکیوں کا اُجیالا
پڑدے جیسے ہیں چاند پر ہالا
ہے کوئی درشنوں کا متوالا
کوئی جپتا ہے دھیان میں مالا
کوئی ڈنڈوتیں کر رہا لالا
کوئی جے جے کرے ہے دُھن والا

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

ناچ اور راگ کے کھڑاکے ہیں
گھنگرو اور تال کے جھناکے ہیں
نقلیں قصے کہانی ساکے ہیں
کھنڈ دُہرے کبت کتھا کے ہیں
آرتی کی کہیں مچی ٹھن ٹھن
کہیں گھنٹوں کی ہو رہی ٹن ٹن
تال مردنگ جھانجھ کی جھن جھن
خاص پرشاد مصری اور ماکھن

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

اتنے لوگوں کے ٹھٹھ لگے ہیں آ
جو کہ تل دھرنے کی نہیں ہے جا
لے کے مندر سے دو دو کوس لگا
باغ و بن بھر رہے ہیں سب ہر جا
ہیں ہزاروں بساطی اور سودا
لاکھوں بکتے ہیں گہنے اور مالا

بھیڑ انبوہ اور دہوم دھکا — جس طرف دیکھئے اہا ہا ہا

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

ہیں ہزاروں ہی جنس کے ہٹے — موتی مونگا اور آرسی بٹے
پیڑے لڈو جلیبی اور گٹے — کوے نارنگی سنگترے کھٹے
کوئی تو کر رہا ہے چھل بٹے — کوئی چڑہتا ہے کھیر کے چٹے
پر ہیں مندر کے کوٹھے اور اٹے — بوڑھے لڑکے جوان اور کٹے

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

لاکھوں بیٹھے بساطی اور منہار — اپنا سب گرم کر رہے بازار
چوڑی بنگڑی کی اک طرف جھنکار — نوگری پونچھی انگوٹھی چھلے ہار
ٹوٹے پڑتے گنواری اور گنوار — جس گنواری کو چاہئے دھکا مار
گر کے دے گالی یوں کہی ہر پکار — "کیسو اٹھلا چلے ہے داری جار"

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

مٹی اور کاٹھ کے کھلونے ڈھیر — کوئی لیوے ہے کوئی دیوے پھیر
کوئی کمہاری کے کر رہا ہے پھیر — کوئی کا چھن کے چن رہا ہی بیر

کوئی کنجڑن سے لڑ رہا مُنھ پھیر　　کوئی بنئے کو مارتا ہے سیر
گالی ڈک، مار کوٹ سانجھ سویر　　لاٹھی پاٹھی ہی شور غل اندھیر

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

نظیر اکبرآبادی

۸۷۔ محرّم کا اکھاڑہ

میں شاعرانہ روش پر نہیں قصیدہ نگار　　یہ ایک سادہ گزارش ہے یا اُولوالابصار
کہ اب کے ماہِ محرّم کی ساتویں تاریخ　　گیا جو گھر سے قضارا بجانبِ بازار
تو دیکھتا ہوں کہ گزری میں اک اکھاڑہ ہے　　اور اتنی بھیڑ کہ جس کا نہیں حساب و شمار
ہیں دو حریف مقابل لئے پھری گتکا　　ہر ایک فنِ پھکیتی میں طاق اور طرّار
جو اس نے پاؤں بچایا تو اُس سر تا کا　　دکھایا چہرہ تو پہلو پہ جا کیا ہے وار
عجیب ٹھاٹھ نئے پینترے غضب پھرتی　　نرالے ڈھنگ سے کرتب کا کرتے ہیں اظہار

چلا ہے ایک بنیٹی کا باندھ کر چکر
کھڑا ہے ایک لئے سیف لڑ رہا ہے گوار

میں اپنے دل میں لگا کہنے کیا حماقت ہے　　مٹے ہوئے ہیں جو اس فن پہ یہ خدائی خوار
یہ کھیل محض نکما ہے بلکہ بیہودہ　　جو دیکھتا ہے سو ہنستا ہے زیر لب ناچار

سپہ گری کا یہ فن تھا کسی زمانے میں
نہ وہ زمانہ رہا اب نہ صورتِ پیکار
کہاں ہیں اب وہ دلیرانِ صف شکن باقی
کہ ان فنوں پہ جو مٹتے ہیں جانِ دل سے نثار
ہزار سے نہ دبے لاکھ سے نہ منھ موڑا
جو ڈٹ گئے کسی میداں میں کھینچ کر تلوار
نہ اب بکیت کو پوچھے کوئی نہ رادت کو
نہ تیر ہے نہ کماں ہے نہ بانک ہے نہ کٹار
نہ اس کمان کی پرسش نہ اس ہنر کی قدر
نہ جنگ کا یہ طریقہ رہا نہ یہ ہتھیار
نہ جس میں دین کا ہو فائدہ نہ دنیا کا
تو پاس پھٹکے نہ اس کام کے کوئی ہشیار

اسمٰعیل

۸۸- دلّی دربار

سنہ ۱۹۰۲ء

سر میں شوق کا سودا دیکھا
دہلی کو ہم نے بھی جا دیکھا
جو کچھ دیکھا اچھا دیکھا
کیا بتلائیے کیا کیا دیکھا

نظم ہے مجھ کو بارۂ صافی
شغل یہی ہے دل کو کافی
مانگتا ہوں یاروں سے معافی
خراب دیکھئے لطفِ قوافی

جمنا جی کے پاٹ کو دیکھا — اچھے ستھرے گھاٹ کو دیکھا
سب سے اونچے لاٹ کو دیکھا — حضرت ڈیوک کناٹ کو دیکھا

پلٹن اور رسالے دیکھے — گورے دیکھے کالے دیکھے
سنگینیں اور بھالے دیکھیں — بینڈ بجانے والے دیکھے

خیموں کا ایک جنگل دیکھا — اس جنگل میں منگل دیکھا
برہما اور ورنگل دیکھا — عزت خواہوں کا دنگل دیکھا

سڑکیں تھیں ہر کمپ سے جاری — پانی تھا ہر پمپ سے جاری
نور کی موجیں لمپ سے جاری — تیزی تھی ہر جمپ سے جاری

کچھ چہروں پہ مردی دیکھی — کچھ چہروں پہ زردی دیکھی
اچھی خاصی سردی دیکھی — دل نے جو حالت کردی دیکھی

ڈالی میں نارنگی دیکھی — محفل میں سارنگی دیکھی
بے رنگی بارنگی دیکھی — دہر کی رنگارنگی دیکھی

اچھے اچھوں کو بھٹکا دیکھا
بھیڑ میں کھاتے جھٹکا دیکھا
مُنھ کو اگرچہ لٹکا دیکھا
دل دریا رسے اٹکا دیکھا

ہاتھی دیکھے بھاری بھرکم
اِن کا چلنا کم کم تھم تھم
زرّیں جھولیں نور کا عالم
میلوں تک وہ چھم چھم چھم چھم

پرتھا پہلوئے مسجد جامع
روشنیاں تھیں ہر سو لامع
کوئی نہیں تھا کسی کا سامع
سب کے سب تھے دید کے طامع

سُرخی سڑک پہ کُٹتی دیکھی
سانس بھی بھیڑ میں گھُٹتی دیکھی
آتشبازی چھُٹتی دیکھی
لُطف کی دولت لُٹتی دیکھی

چوکی ایک چولکھی دیکھی
خوب ہی چکھی پکھی دیکھی
ہر سو نعمت رکھی دیکھی
شہد اور دودھ کی مکھی دیکھی

ایک کا حصّہ منّ وسلوے
ایک حصّہ تھوڑا حلوے
ایک کا حصّہ بھیڑ اور بلوے
میرا حصّہ دور کا جلوے

اوج بھی برٹش راج کا دیکھا
پرتو تخت و تاج کا دیکھا
رنگ زمانہ آج کا دیکھا
رخ کرزن مہاراج کا دیکھا

پہنچے پچاند کے سات سمندر
تحت میں اُن کے بیسیوں بندر
حکمت و دانش اُن کے اندر
اپنی جگہ ہر ایک سکندر

اوجِ بخت ملاقی اُن کا
چرخ ہفت طباقی اُن کا
محفل اُن کی ساقی اُن کا
آنکھیں میری باقی اُن کا

ہم تو اُن کے خیر طلب ہیں
ہم کیا ایسے ہی سب کے سب ہیں
اُن کے راج کے عمدہ ڈھب ہیں
سب سامانِ عیش و طرب ہیں

انگریشن کی شان انوکھی
ہر شے عمدہ ہر شے چوکھی
اُقلیدس کی ناپی جوکھی
من بھر سونے کی لاگت سوکھی

جشنِ عظیم اس سال ہوا ہے
شاہی فورٹ میں بال ہوا ہے
روشن ہر اک ہال ہوا ہے
قصۂ ماضی حال ہوا ہے

ہے مشہورِ کوچہ و برزن — بال میں ناچیں لیڈی کرزن
طائرِ ہوش تھے سب کے پرزن — رشک سے دیکھ رہی تھی ہر زن

ہال میں چمکیں آ کے یکایک — زرّیں تھی پوشاک جھکا جھک
محو تھا ان کا اوج سما تک — چرخ پہ زہرہ ان کی تھی گاہک

گو رقاصۂ اوجِ فلک تھی — اس میں کہاں یہ نوک پلک تھی
اِندر کی محفل کی جھلک تھی — بزمِ عشرت صبح تلک تھی

کی ہے یہ بندش ذہنِ رسا نے — کوئی مانے خواہ نہ مانے
سنتے ہیں ہم تو یہ افسانے — جس نے دیکھا ہو وہ جانے

اکبر

۸۹ - دہلی دربار

۱۹۱۲ء

دیکھ آئے ہم بھی دو دن رہ کے دہلی کی بہار — حکم حاکم سے ہوا تھا اجتماعِ انتشار
آدمی اور جانور اور گھر مزین اور مشین — پھول اور سبزہ چمک اور روشنی اور ریل تار

گرد سیل اور برق اور ٹرولیم اور تار چین — موٹر اور ایروپلین اور جھنڈے اور اقتدار
مشرقی پتلوں میں تھی خدمتگذاری کی امنگ — مغربی شکلوں سے شانِ خود پسندی آشکار
شوکت و اقبال کے مرکز حضورِ امپرر — زینت و دولت کی دیبا میں عالی تبار
بحرِ ہستی لے رہا تھا بے دریغ انگڑائیاں — عمر کی امواج جمنا سے ملی تھیں ہمکنار
انقلابِ دہر کے رنگین نقشے پیش تھے — تھی پئے اہلِ بصیرت باغِ عبرت میں بہار
ذرے ویرانوں سے اُٹھتے تھے تماشہ دیکھنے — چشم حیرت بن گئی تھی گردشِ لیل و نہار
مصلحت آمیز ہر طرز و طریق و انتظام — حکمت آگیں ہر ادائے حاکمانِ نامدار
جامے سے باہر نگاہِ نازِ فتاحانِ ہند — حدِ قانونی کے اندر آرزوؤں کی قطار
خرچ کا ٹوٹل دلوں میں چٹکیاں لیتا ہوا — فکرِ ذاتی میں خیالِ قوم نائب ذی‌الفرار
دعوتیں انعام اسپیچیں قواعد فوج کمپ — عزتیں خوشیاں اُمیدیں احتیاطیں اعتبار

پیشِ رو شاہی تھی پھر ہز ہائینس پھر اہلِ جاہ
بعد اس کے شیخ صاحب پیچھے اُن کے خاکسار

اکبر

۹۰ - مراجعتِ وطن

بارے آئی نجات کی باری — کھل گیا عقدۂ گرفتاری
کوچ ٹھہرا مقامِ غربت سے — اب وطن چلنے کی ہے تیاری

کالے پانی سے ہوتے ہیں رخصت — اشک شادی ہیں آنکھوں سے جاری
بیٹھتے ہیں جہازِ دودی پر — اُٹھتے ہیں لنگرِ گرانباری
السّلام اے خروشِ بحرِ محیط — السّفر اے سفینۂ جاری
سامنے ہر طرف سمندر ہے — سایۂ آسمانِ زنگاری
ہمسفر قافلے ہیں موجوں کے — خضر اور نوح کی ہے سالاری
دن کو خورشید کی زر افشانی — رات کو اوس کی گہر باری
پانی کے اُٹھتے ہیں بلند پہاڑ — اس پہ آتی ہے موج کی باری
پانی پہ چڑھ کے پانی بہتا ہے — قدرتِ حق کی ہے نمو داری
نکلے دریائے شور سے صد شکر — بحرِ شیریں کی آگئی باری

نظر آیا سوادِ کلکتہ
شکر ہے شکر حضرتِ باری

منیرؔ

٩١ - سفرنامہ

یادِ توفیق ٹک تو سر کو دھنو — یہ بھی ایک سانحہ ہے میرؔ سنو
ہم کو در پیش تب سفر آیا — جب کہ برسات سر ہی پر آیا
ابر ہونے لگے سفید و سیاہ — پانی دستوں میں تپ کے سلدی راہ

سب کی دریا پہ ہو کے راہ پڑی — پانی کی سطح پر نگاہ پڑی
ہوش جاتا تھا دیکھ جوشِ آب — گوش کرتا تھا گر خروشِ آب
آب تہ دار اور تیرہ بہت — لہر اُٹھتی جو تھی سو خیرہ بہت
پانی پانی تھا شور سے طوفان — دیکھ دریا کو سوکھتی تھی جان
ناؤ میں ہم نے پاؤں بارے رکھا — خوف کو جان کے کنارے رکھا
جب کہ کشتی رواں ہوئی واں سے — جسم گویا کہ تھا تہی جاں سے
کیا کہیں ڈوب ہی چلے تھے ہم — ناخدائی خدا نے کی اُس دم
ریلا پانی کا جب کہ آتا تھا — خوف سے جی ہی ڈوبا جاتا تھا
خطرِ غرق سے تھی طاقت طاق — بیخودی سے ہوا تھا استغراق
بد بلا سے تھے ہمکنار ہوئے — تھا خدا ہی جو بچکے پار ہوئے
کسو درویش کا تھا یمنِ قدم — جا کے پہنچے جو اُس کنارے ہم

ورنہ اعمال نے ڈبویا تھا
گوہرِ جاں سے ہاتھ دھویا تھا

پار کا گنج تھا جو شاہ درا — سب نے رہنا وہیں کا جی میں ٹھہرا
فاصلہ ایک کوس کا تھا بیچ — راہ یاں سے وہاں تلک سب کیچ
تھے بہت بیچ میں نشیب و فراز — پہونچے واں شام کھینچ رنج دراز
جا کے حیران ہوئے کدھر جائیں — سرگشتہ ہیں جگہ کہیں پائیں

تنگ دو دو ہر طرف لگے کرنے   تس پہ پڑتے تھے مینھ کے بھرنے
کوئی میداں میں کوئی چھپر میں   کوئی در میں کوئی سو گھر میں
گھر ملا صاحبو کو ایسا تنگ   جس سے بیت الخلا کو آوے ننگ

بیٹھنے دیں نہ جیب کر ساتھ پا کو
کون پوچھے نفر مصاحب کو

ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے سرا پائی   دیسے گھر چھوڑے دلی پا پائی
رہنا بھٹیاری کا غنیمت جان   جو کہا اس نے ہم گئے سب مان
کچھ پکانے کا جب سوال کیا   میں نے اظہار اپنا حال کیا
یاں جو آئے ہیں مجھ کو اپنا دہ   زندہ کانی مرن پڑت کے ہ تہ
پہونچے ہیں ان کے بدبدو طعام   صبح کا صبح مجھ کو شام کا شام
جو کچھ آیا سو کھا لیا میں نے   کچھ رہا سو اٹھا دیا میں نے
سن کے اک دل کو کھینچی اس نے آہ   اند بولی کہ واہ صاحب واہ
ہم تو جانا تھا آدمی ہو بڑے   چار پانچ آدمی ہیں پاس کھڑے
کچھ یہ کھا دینگے کچھ کھلا دینگے   ہم کچھ ان کے سبب پا دینگے
سو تو نکلے ہو کہ بے بالم تم   ہو گدا جیسے شاہ عالم تم
کھانے پینے کی کچھ نہیں ہے بات   دیکھیے کس طرح سے گزرے رات
صدقے میں لیپے بھی اتارے گے   سو گئے بخت گھر ہمارے کے

میں کہا مہترانی جی کچھ تو | مجھ سے آزردہ دل نہ آئی ہو

بعضے کھلتے ہیں کچھ کھلاتے ہیں | بعضے مجبوری آتے جاتے ہیں

بارے جوں توں ہوئی وہ رات تمام

صبح کو صاحبوں کو ٹھہرا مقام

یہ بھی دن شب ہوا سحر تھا کوچ | غازی آباد کو گئے سب پوچ

صاحب اترے حویلی میں آکر | باغ میں اس کے سب نفر جا کر

واں سے میرٹھ سبھوں کی تھی منزل | کچھ پانی اگرچہ تھا حائل

گرتے پڑتے پہنچ گئے سارے | ہم جھانے سہم کے مارے

واں دلاور تنگ پھر واں سے | جا کے واں تنگ گئے جان سے

اک گھڑی بود و باش کو پائی | کچھ نہ کھانے کو جب بہت کھائی

چھوٹی چھوٹی سی چار دیواری | اور میدان تھی گڈھی ساری

پھر نہ میدان بھی برابر تھا | ہر قدم ایک غار و چقر تھا

کھنڈرے اس میں تین چار مکان | جن کا گرتے بہ سخت ہی میلان

وہ گڈھی ساری کھیتی ناچ کی تھی | برسوں سے تھی بڑی نہ آج کی تھی

وہ رہے جو رکے بہت سے لوگ | یا کوئی جوگی جو کرے واں جوگ

ورنہ مشکل بہت ثبات قدم | دل میں اک ہول ہی رہی ہر دم

بارے دن جو سائیں سائیں کرے

رات ہووے تو بھائیں بھائیں کرے

کتّوں کے چار اور رستے تھے ‏ کتّے ہی واں کہے تو بستے تھے
سانجھ ہوتے قیامت آئی ایک ‏ شور عف عف سے آفت آئی ایک
گلہ گلہ گھروں میں پھرنے لگے ‏ روٹی ٹکڑے کی بو پہ گرنے لگے
جب کہ ہڈّی پہ چار چار لڑیں ‏ گوشت پر بھیڑیئے سے دو دو پڑیں
ایک نے ایک دیگچا چاٹا ‏ ایک آیا سو کھا گیا آٹا
ایک طرف ہے چپڑ چپڑ کی صدا ‏ یعنی کتا ہے چکّی چاٹ رہا
ایک کے منھ میں ہانڈی ہی کالی ‏ ایک نے چھلنی چاٹ ہی ڈالی
تیل کی کپّی ایک لے بھاگا ‏ ایک چکنے گھڑے سے جا لاگا
ایک نے دوڑ کر دیا پھوڑا ‏ پھر پیا آکے تیل اگر چھوڑا
گھورے اک لگا اندھیرا کر ‏ ایک نے اور ایک پھیرا کر
گھر میں چھینکے اگر تھے توڑ دیئے ‏ ہانڈی باسن گرا کے پھوڑ دیئے
جھبڑ جھبڑا دے ہر کان کو کوئی ‏ رو دے ہر اپنی جان کو کوئی
لوگ سوتے ہیں کتے پھرتے ہیں ‏ لڑتے ہیں دوڑتے ہیں گرتے ہیں
سر پہ دربان کے بلا ہی ہے ‏ کتا اک آدھ گھر میں جا ہی رہے
منھ میں کف دور دور کرنے سے ‏ حال بے حال شور کرنے سے
تو کہے سن کے وہ گلا بیٹھا ‏ باؤلے کتے نے اسے کاٹا
جاگتے ہو تو دو بدو کتے ‏ سو کر اٹھو تو رو برو کتے

باہر اندر کہاں نہ تھے کتے — بام و در چھت جہاں تہاں کتے

یار و کتے کی جان کا تھا روگ

جاں بلب ہوں نہ کس طرح سو لوگ

بستی دیکھی تو ایسی تھی آباد — کہ بیابان سخت سے دے یاد

چار چھپر کہیں چماروں کے — سو بھی ٹوٹے گرے بچاروں کے

پھر چلو آگے تو نہیں ہے کچھ — ڈھیر سا اور جو کہیں ہو کچھ

ٹوٹی پھوٹی کوئی حویلی ہے — سو بھی میدان میں اکیلی ہے

ایک دو مردے سے پڑے ہیں واں — زرد زرد ہو گئے ہیں جیسے کسپاں

اور جو چار گھر نظر آئے — ان کی خوبی کھلے وہیں جائے

وہ بھی کوئی چمار تھے کوئی — فاقوں کے زیر بار تھے کوئی

اس سے آگے بڑھے تو دھینور تھے — اجڑے بچھڑے انھوں کے کچھ گھر تھے

صورتیں کالی کالی سوکھے سے — سارے کنگال اور بھوکے سے

اور آگے گئے تو تھا بازار — اس میں بنیوں کی تھیں دکانیں چار

ایک کے پاس دال کچھ آٹا — تس کو بھی مکھیوں نے تھا چاٹا

ایک کے پاس جو کچھ اور چنے — چھبڑوں میں خاک دھول کے تھے سنے

جو تھا باقی رہا سو تھا کنگال — نام کو کہتے ہیں اسے بقال

ایک کنجڑے پہ چار گٹھے پیاز — تس پہ اس کو ہزار فخر و ناز

کیا کہوں عرض حال تھی نہ اور کچھ تھی | اس مچھندر میں کچھ تو بھید رکھا تھی
ایک دو دکان تھی پساری کی | اس نے ہم لوگوں سے بھی یاری کی
جس سے جا کر جو مانگئے یاری | زرد مٹی کو باندھ دے جلدی
دیکھ کر کچھ کہو تو وہ یہ کہے | بس تم اس بستی میں میاں جی رہے
یوں جو کچھ پہ جیتن دیتا ہوں | میں بھی پیسے لگا کے لیتا ہوں
مانگو اس سے جو عرق یا دھنیا | دیوے تو کیا وہ بچا دھنیا
اس بیچ دو دانے اور سب کنکر | دیئے کاغذ میں ہاتھ ملا کر
لونگ چو رب نظر سے منگوایا | لال مرچیں کٹی ہوئی لایا

اور اشیا رہیں سے کریئے قیاس
آگے جاتا نہیں کہا مجھ پاس

آس پاس اس گڑھی کے آئی جھیل | کم برسات میں طریق سبیل
اس سے واں کی ہوا ہے مرطوب | ہووے نزلہ زکام بے اسلوب
کتنے دردوں میں ہوتی ہو کھانسی | ایسی جیسے گلے میں دی پھانسی
کیا کہوں حب چرخ کے نے پھینکا تھا | پر خدا کچھ ہمارا سیدھا تھا
جس نے قدرت نمائی کی اپنی | اس بلا سے رہائی کی اپنی
بدزبانی کا مجھ کو کب ہو دماغ | ایسی باتوں سے میں کیا ہوں فراغ
ہو چکی صاحبوں کی فرمائش | چپ رہ اب بھی زبان آسائش

میر

۹۲ - چور گردی

شہر کے بیچ کیا کہوں میں اب — روزِ محشر کی دھوم ہے ہر شب
آنکھ تو کس بشر کی لاگے ہے — چوروں کے ڈر سے فتنہ جاگے ہے
کتے آہٹ سے اُن کی بھونکتے ہیں — مُردے خوابِ عدم سے چونکتے ہیں
آسماں پر بھی منعدم ہے خواب — کھُلا رہتا ہے دیدۂ مہتاب
بزم میں سب ہر ایک پیر و جواں — بیٹھے ہیں کرکے رزم کا ساماں

شام سے صبح تک یہی ہے شور
دوڑیو گٹھری لے چلا ہے چور

سودا

۹۳ - شہزادے کے گم ہونے پر ماتم

ندامت سے ذلت سے اکراہ سے — جو گزرا تھا آکر کہا شاہ سے
کہا بیدھڑک یہ جو کمبخت سے — تو غش کھا کے وہ گر پڑا تخت سے
دیا پھینک سر سے اُٹھا اپنے تاج — کہا مٹ گئی سلطنت میری آج
کہا رو کے اُٹھے میرے آج بخت — نہ باقی رہا وارثِ تاج و تخت

گھڑی بھر نہیں دل کو آرام ہے | مجھے بادشاہت سے کیا کام ہے
یہی دل میں آتی ہے سن ای وزیر | کہ ہو جاؤں کفنی پہن کر فقیر
وزیروں نے پھر عرض کی ای جناب | ہمارا بھی اس غم سے ہے دل کباب

اک اتنا تو ہے بس کہ ردیا کریں
یہ مرضی ہے اللہ کی کیا کریں

سنا شاہزادے کو جو گم ہوا | عجب اک محل میں تلاطم ہوا
کیا ماں نے اس غم میں اپنا یہ حال | دیئے کھول گھبرا کے سب سر کے بال
گرا غم کا سنکر کسی پر پہاڑ | کسی گل نے گلشن میں کھائی پچھاڑ
کوئی بولی ہے ہے یہ کیا ہو گیا | کہ شادی میں ماتم بپا ہو گیا
کوئی خاک پر کوئی بیہوش ہو | کوئی بیٹھی از خود فراموش ہو
کوئی چپکے آنسو بہانے لگی | کوئی خاک سر پر اُڑانے لگی

کسی کا ہوا چہرہ اس غم سے زرد
کسی کے جگر میں ہوا اُٹھ کے درد

کھڑی کوئی یوں مانگتی تھی دعا | بحق محمد سن اے کبریا
فزوں شاہزادے کا اقبال ہو | کہ بیکا نہ اس کا کوئی بال ہو
کوئی بولی آئے جو وہ مہ لقا | تو کونڈا کروں پیر دیدار کا
تھا جاری کسی کے یہ منھ پر سخن | کہ حامی ترے تن کے ہوں پنجتن

خبر آئے گریاں ترے پاس کی — کروں حاضری حضرت عباس کی
کوئی بولی اس کی خبر میں جو پاؤں — اسی وقت بی بی کی پڑیا منگاؤں
کہا اک نے آئے جو زوجہ مہ لقا — کروں اپنے اللہ کا رت جگا
دکھائے جو شکل اپنی آ کر ابھی
بھروں طاق مسجد کا جا کر ابھی

میر حسن

۹۴- میدانِ جنگ

مہاراجہ پرتھی راج اور سلطان شہاب الدین غوری کی پہلی معرکہ آرائی نہر سرستی پر

لگی چلنے باہم چھری اور کٹار — ہوئے سر تنوں پر سے ہزاروں نثار
پڑا زن سے خنجر تڑپی سن سے تیغ — ہزاروں ہی کشتہ ہوئے بیدریغ
جواں زخم پر زخم کھانے لگے — شجاعت کے جوہر دکھانے لگے
کسی نے رنگے خون میں اپنے ہاتھ — عدم کو گیا کوئی آقا کے ساتھ
زمیں پہ تھا کشتوں کا پشتہ بندھا — ہر اک سمت تھا خوں کا دریا بہا
بدلنے لگا جب لڑائی کا طور — کیا اپنے لشکر پہ راجہ نے غور
یکایک بڑھی ہاتھیوں کی دو صف — جواں نکلے پیچھے سے نیزہ بکف

وہ تھے قوم کے سب کے سب راجپوت — وہ بانکے دلاور بہادر سپوت

گرے فوجِ شہ پر وہ سب ایکبار — ہوئے قلب تیروں سے اُن کی فگار

کمانوں نے گوشے لئے اپنے موڑ — دیا تیروں نے اپنے ترکش کو چھوڑ

جو افغاں تھے فوراً وہ پیچھے ہٹے — اِدھر خلجیوں نے بھی گھونگھٹ لُٹے

لڑائی کا جب یہ ہوا بند و بست — ہوئی فتح سے شاہ کی پھر شکست

شکستہ ہوا میمنہ میسرہ — ہوا قلب کی فوج کا فیصلہ

لڑائی سے تیروں کی عاری ہوئے — نمکخوار سارے فراری ہوئے

نہ مطلق ہوا شاہ غازی ملول — گویا ایسا تھا جیسے کانٹوں میں پھول

نظر کھانڈے راؤ کی اس پر پڑی — سپہدار کی آنکھ اُس سے لڑی

سپہدار نے بھی بجرأت تمام — کیا رستمی کا وہاں پر یہ کام

دیا ہاتھی کے مُنہ میں نیزہ لگا — حریفوں کو دی اپنی جرأت دکھا

کیا کھانڈے راؤ نے پھر اُس پہ وار — تو شانہ نشانہ بنا ایک بار

نہایت ہی سخت اُس کو پہنچا گزند — جُھکا اپنے گھوڑے پہ وہ ارجمند

مدد غیب سے اُس کی فوراً ہوئی — یکایک غلام آن پہنچا کوئی

لیا اپنے مالک کو فوراً سنبھال — کسی پر نہ ہرگز کھلا اس کا حال

سپہدار کا پھر نہ پایا نشاں
نہ آیا نظر کوئی غزنیں جواں

بتا

۹۵- معرکۂ جنگ

(شجاع الدولہ اور رحمت خاں کی لڑائی)

لیکن جو کچھ کہ واقعی دیکھا سو ہم کہیں | آوے تجھے سخن کا ہمارے گر اعتبار
تھی سامنے ہمارے جو فوج بہر ادلی | ہونگے وہ دس ہزار تلک پیادہ سوار
سنتے ہیں اب ہر ایک ہی اس فوج کے یہی | سرکردہ تھے سمیت فرنگی کے پانچ ہزار
محبوب اور بسنت نہ نشانت تھے ایک طرف | یکسو تھا میر سید علی مستعد کار
لیکن انھوں کو آدمی کہئے کہ دیو دد | ان کا قدم دغا میں یہ پایا ہم استوار
ایدھر سے بان در ہکلہ توپ متصل | پڑتی تھی پردہ پڑھتے ہی آتے تھے سرگذار
بڑھ بڑھ کے آخرش وہ لگے توپ داغنے | اس پلے پر جہاں سے جزائرکی ہوئی مار
لیکن میں تجھ سے کیا کہوں ای یار اس گھڑی | دکھلائی تھی اجل نے عجب طرح کی بہار
تھی کرتیاں تلنگوں مانند لالہ زار | تھا دود توپ ابر سیاہ تگرگ بار
ٹوپیاں جو داغتے تھے فتیلوں سے آن آن | رنجک مثال برق چمکتی تھی بار بار
گجنال مثل رعد کے کڑکے تھی دمبدم | آواز شتر نال تھی طاؤس کی جھنکار
فرصت کسو نے اتنی نہ پائی کہ وہ کرے | بندوق و نیزہ و تیغ سے جا ان میں کارزار
ہر ایک جا یہی نظر آیا ہر ایک کو | گھوڑا ادھر جو تڑپے ہے اودھر پڑا سوار
نے لڑنے کے حواس تھے نے بھاگنے کا ہوش | نے سوچ مرنے کا تھا نہ جینے کا کچھ بچار

باور ہی کیجو اس کو تو اے یار اس گھڑی آیا جو کچھ عمل میں نہ تھا اس میں اقتدار
جیدھر کو جس کا منھ اٹھا اودھر کو وہ چلا
سوچے بغیر یہ کہ فلاں جا کروں قرار

سوداؔ

۹۶ - آگرہ اور تاج محل

اے آگرہ کی سر زمیں ہے تو بھی فردوس بریں
نازاں ہیں تیرے دور میں ہندوستاں کی سرزمیں
ہر صفحہ تیرا دل رُبا ہر نقش تیرا دل نشیں
تیرے عماراتِ کہن دیرینہ شوکت آفریں
تیرے خرابے میں نہاں ہیں کیسے کیسے مہ جبیں
اللہ اکبر وہ محل اکبر ہیں جس میں جاگزیں
اب تو ہی اُن کو ڈھونڈ لا ہم کو تو وہ ملتے نہیں
وہ روضۂ کیواں نشاں نقشِ بہشتِ عنبریں
وہ نقشِ دورِ ماضیہ سنگیں ترا حصن حصیں
قبر اعتماد الدولہ کی اک طبقۂ خلدِ بریں
وہ سنگِ مرمر کی چمک جیسے عذارِ حور عین

دنیا میں ہے تو اس طرح — خاتم پہ ہو جیسے نگیں
اور وہ نگیں بھی ضو فگن
جس میں تجلی موجزن

اے یادگارِ رفتگاں — اے روضۂ جنت نشاں
اے روضۂ گردوں حشم — اے جنتِ ہندوستاں
ہر گوشہ گوشہ تیرا ہے — آرام گاہِ قدسیاں
ڈھالا ہے سانچے میں تجھے — اے مرقدِ شاہِ جہاں
اے قبر تیری گود میں — سوتا ہے اک خُلد آشیاں
تیرے محجر کے بناؤ — جیسے فرد رخ کہکشاں
جیسے ستاروں کی جڑت — یوں تیری پرچیں سازیاں
ہر کتبہ سے ہے جلوہ گر — طغرا نویسِ کُن فکاں
افشاں رُخِ قدرت پہ ہے — یا ہیں مُنبت کاریاں
وہ جالیاں ہیں دل رُبا — یا چشمک حورِ جناں
آنکھوں نے دیکھا ہی نہیں — ایسی تجلی کا مکاں
بس بس عزیزِ نکتہ رس — کب تک رہو گے دُر فشاں
ہے منحصر نظارہ پر — اس کی حقیقت کا بیاں
سرمایۂ صد ناز ہے — روضہ ہے یا اعجاز ہے

۹۷- تاج محل آگرہ

روضہ جو اس مکاں میں دریا کنار ہے   خوبی میں سب طرح کا اسے اعتبار ہے
نقشہ میں اپنے یہ بھی عجب خوش نگار ہے

سنگِ سفید سے جو بنا ہے قمر نشاں   ایسا چمک رہا ہے تجلّی سے یہ مکاں
جس سے بلور کی بھی چمک شرمسار ہے

دروازے پر لکھا خطِ طغرا ہے طرفہ کار   ہر گوشہ پر کھڑے ہیں جو مینار اسکے چار ہیں
چاروں طرف سے اوج کی خوبی دوچار ہے

برسوں تک اس میں رہیے تو ہووے نہ جی اداس   آتی ہے ہر طرف سے گل و یاسمن کی باس
ہوتا ہے شاد اس میں جو کرتا گزار ہے

ہر سو نسیم چلتی ہے اور ہر طرف صبا   ہلتی ہیں ڈالیاں سبھی ہر گل ہے جھومتا
کیا کیا روش روش پہ ہجومِ بہار ہے

رابیل و سیوتی سے بھرے ہیں چمن چمن   گلہائے لالہ و گلِ نسرین و نسترن
فوارے چھوٹ رہے ہیں رواں جوئبار ہے

ہے چھاؤں مولسریوں کی سبزہ ہرا بھرا   گل کھل رہے ہیں حوض میں پانی چھلک رہا
ہر جا صدائے بلبل و صوتِ ہزار ہے

جو دیکھتا ہے اس کو یہ ہوتا ہے دلپذیر   تعریف اس مکاں کی میں کیا کروں نظیر

اِس کی صفت تو مشہورِ روزگار ہے

نظیر اکبرآبادی

۹۸ - ریل گاڑی

حیواں ہے وہ نہ انساں جن ہے نہ وہ پری ہے
سینہ میں اُس کے ہر دم اک آگ سی بھری ہے

کھاتی ہے آگ پانی چنگھاڑ مارتی ہے
سر سے دھواں اُڑا کر غصہ اُتارتی ہے

وہ گھورتی گرجتی بھرتی ہے اِک سپاٹا
ہفتوں کی منزلوں کو گھنٹوں میں اُس نے کاٹا

آتی ہے شور کرتی جاتی ہے غل مچاتی
وہ اپنے خادموں کو ہے دُور سے جگاتی

بے خوف بے محابا ہر دم رواں دواں ہے
ہاتھی بھی اُس کے آگے اک مورِ ناتواں ہے

آندھی ہو یا اندھیرا اُس کو سب برابر
یکساں ہیں نور و ظلمت اور روز و شب برابر

اُتر سے لے دکن تک پورب سے پچھاں تک
سب ایک کر دیا ہے پہنچی ہے یہ جہاں تک

ہر آن ہے سفر میں کم ہے قیام کرتی
رہتی نہیں معطل پھرتی ہے کام کرتی

پردیسیوں کو جھٹ پٹ پہنچا گئی وطن میں
ڈالی ہے جان اس نے سوداگری کے تن میں

ہر چیز سے نرالی ہے چال ڈھال اس کی
پاؤ گے صنعتوں میں کمتر مثال اُس کی

برکت سے اس کی پے پر پیداور بن گئی ہیں
ملک اس کے دم قدم سے گلزار بن گئے ہیں

ہم کہہ چکے مفصل جو کچھ ہے کام اس کا
جب جانیں تم بتا دو بن سوچے نام اس کا

ہم ہاں سمجھ گیا میں پہلے ہی بوجھ تاڑی
وہ دیکھو آگرہ سے آتی ہے ریل گاڑی

اسمٰعیل

۹۹ - پن چکّی

نہر پر چل رہی ہے پن چکّی — دُھن کی پوری ہے کام کی پکّی
بیٹھتی تو نہیں کبھی تھک کر — تیرے پہیّے کو ہے سدا چکر
پانی ہر وقت بہتا ہے ڈھل ڈھل — جو گھماتا ہے آ کے تیری کل
کیا تجھے چین ہی نہیں آتا — کام جب تک نمٹ نہیں جاتا
مینھ برستا ہو یا چلے آندھی — تو نے چلنے کی شرط ہے باندھی
پیسنے میں نہیں لگی کچھ دیر — تو نے جھٹ پٹ لگا دیا اک ڈھیر
لوگ لے جائیں گے سمیٹ سمیٹ — تیرا آٹا بھریگا کتنے پیٹ
بھر کے لاتے ہیں گاڑیوں میں اناج — شہر کے شہر ہیں ترے محتاج

تو بڑے کام کی ہے اے چکّی
مجھ کو بھاتی ہے تیری لے چکّی

اسمٰعیل

۱۰۰ - تلوار

بجلی سی تھی چار طرف شعلہ فشاں برق — وہ برق کہ خود مانگتی تھی اُس سے اماں برق
پانی تھی تو طوفاں سیل بھی پال پہ تو داں برق — مُنہ زہر برش قہر بدن آگ زباں برق

سرکش تھا جو ناری یہ جلاتی تھی اُسی کو
لوہے پہ بھی گرتی تھی تو کھاتی تھی اُسی کو
اُٹھ کر کبھی ٹھہری کبھی پھکی کبھی چمکی
سر گر گئے گردن جدھر اس تیغ نے خم کی
سید علی صفِ دشمن کو ملی راہ عدم کی
سیفی تھی کہ گویا دمِ شمشیر پہ دم کی
دم بھر میں صفیں صاف تھیں بیداد گر دنکی
تھی مینھ کی طرح خاک پہ بوچھاڑ سرونکی
تھا صورتِ آئینہ تمام اُس کا بدن صاف
خوں پیتی تھی پر دیکھو تو منھ صاف دہن صاف
چلتی تھی جو بن سن تو نکلتا تھا سخن صاف
ہوں میں تو وہ جاروب کہ کر دیتی ہوں رن صاف
نااہل ہیں نامرد ہیں ناپاک ہیں اعدا
میں برقِ غضب ہوں خس و خاشاک ہیں اعدا
جم خم سے ہلالِ فلکِ نیلوفری تھی
مارا تھا ہزاروں کو مگر خوں سے بری تھی
شوخی تھی نئی اور نئی جلوہ گری تھی
تھی تیغ کے قبضے میں سلیماں کے پری تھی
اک آگ لگی وار جدھر چل گیا اس کا
جو آ گیا سایہ میں بدن جل گیا اُس کا

انیس

۱۰۱۔ تلوار

یاں شور وہاں غُل اِدھر آئی اُدھر آئی
وہ چمکی وہ تڑپی وہ چھپی وہ نظر آئی

وہ تیر گئی خود میں وہ سر میں در آئی ۔ گردن سے بڑھی سینہ لیا تا کمر آئی
بن اس کا گھٹا تھا جو دلیرانہ بڑھا تھا
منھ کی وہی کھاتا تھا جو منھ اسکے چڑھا تھا

چمکی خود سر پہ تو سر سے نکل گئی ۔ شانہ پہ جو پڑی تو جگر سے نکل گئی
سینے میں دم لیا تو کمر سے نکل گئی ۔ حیراں تھا خود بدن کہ کدھر سے نکل گئی
اونچی ہوئی تو فرقِ عدو کو فرد کیا
گر کر اُٹھی تو راکب و مرکب کو دو کیا

دبیر

۱۰۲- عجیب چڑیا

چڑیا ہم نے عجیب پالی ہے ۔ زنجیر اُس کے گلے میں ڈالی ہے
دن رات ہو شام یا سویرا ۔ لیتی ہے وہ جیب میں بسیرا
چڑیا سے بھی قد ہے اس کا چھوٹا ۔ ہے اس کا بدن تمام پوٹا
پوٹے پہ جو غور سے نظر کی ۔ پوٹا نہیں پوٹ ہے ہُنر کی
گویا ہے اگرچہ بے زباں ہے ۔ ناداں ہے مگر حساب داں ہے
دانہ پانی نہیں وہ کھاتی ۔ ہردم ہے خوشی سے چہچہاتی
دن رات میں چھیڑ دو کسی آن ۔ یہ چھیڑ ہے اس کے جسم کی جان

جب تک جیتی ہے جاگتی ہے
لو کام تو چیز کام کی ہے

کہتی ہے کہ وقت کی خبر لو
جو کچھ کرنا ہے جلد کر لو

غفلت کیجئے تو ٹوکتی ہے
عجلت کیجئے تو روکتی ہے

اس طور سے کرتی ہے گزارا
انڈے دیتی ہے دن میں بارہ

پھر اتنے ہی رات کو ہے دیتی
دیتے ہی ہر ایک کو ہے سیتی

انڈے ہیں تمام اُس کے بچے
اک ایک سے نکلے ساٹھ بچے

ہر بچے نے اُگلے ساٹھ دانے
ہر دانے میں بھرے خزانے

جو دانہ گرا سو ہو گیا گم
ڈھونڈا اگر دوبارہ پاؤ گے تم

دانہ کی بتاؤ کیا ہے قیمت
دانا سمجھیں ہے غنیمت

جس نے اسے پا لیا کہا واہ
کیا بات ہے تیری بارک اللہ

سچ سچ تو لعل بے بہا ہے
گویا ہر درد کی دوا ہے

القصہ عجب ہے وہ پرندہ
مُردہ اسے ہم کہیں نہ زندہ

اسمٰعیل

(احقر العباد شگفتہ رقم رامپوری)

ضمیمہ

شعرا اور اُن کا کلام

استدعا۔ ذیل میں شعرا کے متعلق جو جو حالات دریافت طلب ہیں اگر کوئی صاحب اُن سے مطلع فرمائینگے تو باعث مشکوری ہوگا۔ اُمید کہ طبع ثانی میں کُل حالات مکمل ہو جائیں گے

۱۔ آزاد۔ سید محمد حسین صاحب مرحوم

ولادت ۱۸۳۱ء وطن دلّی وفات ۱۹۱۰ء مدفن لاہور

(۲۴) جاڑا اور گُہر

۲۔ اسمٰعیل۔ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم

ولادت ۱۸۴۴ء وطن میرٹھ وفات ۱۹۱۷ء مدفن میرٹھ

(۲۳) خشک سالی

(۵۰) اونٹ

(۵۵) شیر

(۵۶) ہماری گائے

(۵۷) ہمارا کتا ٹیپو

(۵۸) کتا اور اُس کا سایہ

(۵۹) اسلم کی بلی

(۶۴) دو مکھیاں

(۶۹) جگنو اور بچہ

(۶۹) کیڑا

(۶۹) چھوٹی چیونٹی

(۷۸) محرّم کا اکھاڑہ

(۹۸) ریل گاڑی

(۹۹) پن چکی

(۱۰۲) عجیب چڑیا

۳۔ اکبر۔ سید اکبر حسین صاحب

ولادت سنہ ۱۸۴۶ء وطن الٰہ آباد

(۸۸) دلّی دربار

(۸۹) دلّی دربار

۴۔ انشا۔ انشاء اللہ خاں مرحوم

ولادت وطن دلی وفات سنہ ۱۲۳۳ھ مدفن لکھنؤ

(۲۷) جلوس بہار

۵۔ انیس۔ میر ببر علی مرحوم

ولادت سنہ ۱۲۱۶ھ وطن دلّی وفات سنہ ۱۲۹۱ھ مدفن لکھنؤ

(۱) ظہورِ صبح

(۳۶) گرمی کا موسم

(۵۱) گھوڑا

(۵۲) گھوڑا

(۵۳) گھوڑا

(۱۰۰) تلوار

۶۔ اوجؔ۔ محمد یعقوب صاحب گیاوی

ولادت ۱۸۸۳ء وطن گیا

(۲) نسیم سحر

(۱۹) برسات

۷۔ باسطؔ۔ ماسٹر باسط علی صاحب بسوانی

ولادت وطن

(۶۲) بیّا

۸۔ بسملؔ۔ محمد عبدالرحمٰن صاحب

ولادت وطن وفات مدفن

(۴۹) گلاب کا پھول

۹۔ چکبستؔ۔ منشی برج نرائن صاحب

ولادت وطن لکھنؤ

(۳۴) دہرہ دون کی سیر

۱۰۔ حالی۔ خواجہ الطاف حسین مرحوم

ولادت ۱۸۳۷ء وطن پانی پت وفات ۱۹۱۴ء مدفن پانی پت

(۲۱) سیر کشمیر

۱۱۔ حامد۔ حامد حسین صاحب قادری

ولادت وطن بچھراؤں

(۱۵) برسات

۱۲۔ حسرت۔ مولوی حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی

ولادت وطن علی گڑھ

(۳) پل پر شام تنہائی

(۱۶) برسات

۱۳۔ حفیظ

ولادت وطن جونپور

(۷) جونپوری خربزہ

۱۴۔ دبیر۔ مرزا سلامت علی مرحوم

ولادت ۱۲۲۰ھ وطن لکھنؤ وفات ۱۲۹۲ھ مدفن لکھنؤ

(۱۰) تلوار

۱۵۔ سحر منشی اقبال بہادر ورما

ولادت وطن

(۱۳) برسات

(۲۲) تتلیاں

۱۶۔ سرور۔ منشی دُرگا سہائے آنجہانی

ولادت　　وطن　　وفات　　مدفن

(۶۰) مُرغابی

۱۷۔ سفیر

ولادت　　وطن

(۳۹) لبِ آبِ جو

۱۸۔ سودا۔ مرزا محمّد رفیع مرحوم

ولادت ۱۱۲۵ھ وطن دلّی وفات ۱۱۹۵ھ مدفن لکھنؤ

(۳۶) موسم بہار

(۴۹) ہاتھی

(۵۴) مریل گھوڑا

(۹۴) چوہر گردی

(۹۵) معرکۂ جنگ

۱۹۔ سیّد شاہ محمّد اکبر صاحب

ولادت　　وطن

(۷۰) انسان

۲۰۔ شاعر — آغا شاعر قزلباش صاحب

ولادت — وطن دہلی

(۲) ایک صُبح کی عبادت گزار

۲۱۔ شاکر — منشی پیارے لال صاحب

ولادت — وطن

(۹) جنگل کی برسات

(۴۴) کنول کا پھول

۲۲۔ شرر — منشی کندن لال صاحب

ولادت — وطن سہارن پور

(۹) لُطفِ برشگال

۲۳۔ شوق — محمد عبدالعزیز صاحب

ولادت — وطن

(۸) سمندر کی رات

۲۴۔ شوق قدوائی — مولوی احمد علی صاحب

ولادت — وطن

(۱) ایک حسین لڑکی

۲۵۔ شہاب الدین خاں

ولادت — وطن

(۳۴) دھان کے کھیت

(۳۵) پہاڑی ندی کا گیت

۲۶- طور   غلام محمد[۲] مرحوم

ولادت   وطن

(۱۳) برسات

۲۷- عزیز   عزیز الرحمٰن صاحب

ولادت   وطن بلگرام

(۴) لطفِ شب

(۷) شب تاریک

۲۸- عزیز لکھنوی   مرزا محمد ہادی صاحب

(۹۶) آگرہ اور تاج محل

۲۹- غالب   مرزا اسد اللہ خاں مرحوم

ولادت ۱۷۹۶ء وطن دلی وفات ۱۸۶۹ء مدفن دلی

(۵۴) انجم

۳۰- فقیر

ولادت   وطن

(۱۸) برسات

۳۱۔ معدوم — منشی تلوک چند صاحب

ولادت — وطن

(۳۶) کاش میں بلبلِ چمن ہوتا

(۶۱) سارس کا جوڑا

۳۲۔ محوی — محمد حسین صاحب

ولادت — وطن لکھنؤ

(۲۰) جھولا

۳۳۔ مرزا شوق۔ نواب مرزا مرحوم

ولادت — وطن لکھنؤ — وفات — مدفن

(۷۴) دوشیزہ

(۷۶) خادمہ

(۸۸) ماما

(۸۵) مجمع احباب

۳۴۔ سید محمد اسمٰعیل صاحب

ولادت — وطن شکوہ آباد

(۱۳) برسات

(۹۰) مراجعت وطن

۳۵- مہر منشی سورج نرائن

ولادت وطن

(۲۰) جھینگر اور شہد کی مکھی

۳۶- میر میر تقی صاحب مرحوم

ولادت ۱۱۲۵ھ وطن: دلی وفات ۱۲۲۵ھ مدفن لکھنؤ

(۹۱) سفرنامہ

۳۷- میر حسن میر غلام حسین صاحب مرحوم

ولادت وطن دلی وفات مدفن لکھنؤ

(۵) چاندنی اور خانہ باغ

(۶) چاندنی اور تالاب

(۷) عروس

(۸) نوشہ کا حمام

(۹) شادی کی دھوم

(۸۰) جلوس

(۹۳) شہزادے کے گم ہو جانے پر ماتم

۳۸- نسیم پنڈت دیا شنکر انجہانی

ولادت وطن وفات مدفن

(۲۵) آمد بہار

۳۹۔ نشاط۔ میر حید رحسین صاحب

ولادت | وطن امروہہ

(۳۳) شیلانگ اور کلکتہ

۴۰۔ نظیر شیخ ولی محمدؒ مرحوم

ولادت | وطن | وفات | مدفن

(۲۱) ادمس

(۲۲) شہر کی برسات

(۲۸) آمدنِ خزاں

(۷۳) پارتی

(۸۱) شیو شنکر جی کی برات

(۸۲) شادی کی محفل

(۸۳) دُلہن کا جہیز

(۸۴) دُلہن کی رُخصت

(۸۶) میلے کی سیر

(۹۷) تاج محل آگرہ

۴۱۔ نہال

ولادت | وطن

(۱۱) برسات

۴۲۔ ہادی — سید محمد ہادی صاحب بی۔ اے

ولادت ۱۸۹۵ء — وطن مچھلی شہر

(۱۰) برق و باراں

(۲۹) گرمی کا موسم

(۳۸) بہارِ چمن

(۳۹) پھولوں کی بہار

(۴۱) گلاب کا پھول

(۴۲) بیلا

(۴۳) جوہی

(۶۷) برساتی پتنگے

۴۳۔ ع

(۴۷) انبہ

(۹۴) میدانِ جنگ

مناظرِ قدرت

حصّہ سوم

مرتبہ

(محمد الیاس برنی)

زیرِ نگرانی

مسلم احمد نظامی ایم۔اے

قیمت دو روپے ۲۵ نئے پیسے

مالک

کتب خانہ نذیریہ مسلم منزل۔ کھاری باؤلی۔
دھلی

(نیستمو صفحات محبوب المطابع برقی پریس دہلی)

فہرست مضامین

ہر جلی عنوان سے ایک نیا مضمون شروع ہوتا ہے اور اس کے تحت میں مضامین متجانسہ درج ہیں۔

صفحہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مناظرِ قدرت

جلد سوم

۱۔ ماہتاب

افق پر سرِ شام ہی ماہتاب   وہ چمکا اُٹھا کر بسنتی نقاب
درختوں پہ چاندی سی چڑھنے لگی   تجلی بھی اٹھلا کے بڑھنے لگی
روپہلی کرن آسماں پر تمام   اُڑانے لگی ریزۂ سیم خام
پڑی پانی پر چاندنی کی جھلک   دکھانے لگی موجِ دریا چمک
وہ مل مل کے ابرک شعاعِ قمر   چھڑکنے لگی سطحِ آب پر

برسنے لگا نور افلاک سے — تجلی اُبلنے لگی خاک سے
ہوا اس قدر روشنی کا وفور — بنی ہر کرن تارِ بارانِ نور
تجلّی کثافت کو دھونے لگی — مکانوں پہ قلعی سی ہونے لگی
بنے آئینہ سارے دیوار و در
سفیدی پھری ہر در و بام پر

— بے نظیر

۲۔ چاندنی رات

وہ مہتاب کی آسماں پر نمود — زمیں کو کواکب سے چرخِ کبود
وہ کرنوں کی شبنم کے اندر بہار — اُڑایا ہے چاندی کا گویا غبار
لرزتی ہے پانی پہ یہ چاندنی — کہ دریا میں تجلی کی ہے روشنی
وہ لہریں کہیں تلملاتی ہوئیں — چمک آئینے کی دکھاتی ہوئیں
نہیں نام کو بھی کہیں تیرگی — کہ عکسِ تجلی ہے سائے میں بھی
رواں ہیں یہ چاروں طرف موجِ نور — کہ اُڑتے ہیں دن کی طرح کچھ طیور
شعاعوں کی اللہ رے تیزیاں — لہکے وہ جوبن کی نوخیزیاں
مگر چھوٹے چھوٹے ستارے ہیں ماند — کہ آج اپنے جلوہ میں پورا ہے چاند
شعاعوں کا وہ جگمگانا کہیں — ستاروں کا آنکھیں چرانا کہیں

گرا چمن کے پتوں سے نورِ قمر — کہ ہیرے کے ٹکڑے پڑے ہیں اِدھر
ہوا پچی کاری کا یہ اہتمام — کہ مرمر پہ ہے سنگ موسیٰ کا کام
یہ سائے ہیں اوراق سے نور کے — کہ گُل سنگِ موسیٰ پہ بلّور کے
کہیں چہچہاتے ہیں کچھ کچھ طیور — کہیں شور کوّوں کا ہے دُور دُور
ستارے جو رہ رہ کے ٹوٹے اِدھر — وہ مہتاب کے پھول تھے سربسر
ہوئی چاندنی یہ تجلی فشاں — کہ ہے عالمِ وجد میں آسماں
صفا بام و در میں سمائی ہوئی — درختوں پہ حیرت سی چھائی ہوئی

یہ کہتا ہے ہر ایک شجر کا سکوت
فسبحانہٗ الذی لا یموت

بے نظیر

۳۔ چاندنی کی بہار

ہے اس ناز سے چاندنی جلوہ گر — کہ سکتے کے عالم میں ہے ہر شجر
تجلّی سے وادی یہ معمور ہے — کہ موجِ ہوا موجۂ نور ہے
وہ پھول اُجلے اُجلے ہیں جو سامنے — کٹوری سی چاندی کی سر پر لیے
دکھاتے ہیں اس وقت کیسی بہار — کہ ہوں ٹوٹ کر جن پہ تارے نثار
چمک ریگ پر صحن بلّور کی — بچھائے ہوئے چاندنی نور کی

یہ عالم جو دیکھا تو شکل کتاں　　ہوا پارہ پارہ دل عاشقاں
جو بھیگی ہوئی آب رحمت سے رات　　کہ تر دامنوں کی ہو جس سے نجات
وہ شبنم کی خنکی وہ ٹھنڈی ہوا　　وہ اشجار آب رواں کی صفا
وہ شاخوں کا جھکنا لچک کر کہیں　　وہ لہروں کا اٹھنا چمک کر کہیں
وہ میدان میں چاندنی کا سماں　　وہ شبنم کا گرد اس کے کچھ کچھ دھواں
نجوم و قمر کا وہ عکس آب میں　　وہ پانی میں جلتی ہوئی مشعلیں

وہ ہر سمت چھایا ہوا نور بدر
وہ شب لیلۃ القدر کو جس کی قدر

بے نظیر

۴۔ تارے

کہاں ہے تو اے ساقی بزم زیب　　کہ تاروں بھری رات ہے دلفریب
کواکب پر افلاک پھولے ہوئے　　کنول حوض گردوں میں پھولے ہوئے
سمندر میں بہتے ہوئے یہ چراغ　　نئے صحن گردوں میں تاروں کا باغ
نہیں چاند کا گو فلک پر نزول　　کھلے ہیں مگر چاندنی کے یہ پھول
مسہری بنی قدرت پاک کی　　بنی سیج پھولوں سے افلاک کی
قنادیل روشن عجائب نگار　　مصابیح آیات پروردگار

تاروں کا یہ عکس تالاب میں ‏ — ‏ کہ لرزاں ہیں بجلیاں آب میں
تناسب سے قدرت نے چھوٹے بڑے ‏ — ‏ زبرجد کے گنبد ہیں ہیرے جڑے
یہ خورشید تاباں کے تنکے ہوئے ‏ — ‏ گہر جیسے گردوں میں ٹانکے ہوئے
غضب جگمگاتی ہوئیں ذرّیاں ‏ — ‏ بنا کامدانی کا تھان آسماں
بھری بوٹیوں سی روائے فلک ‏ — ‏ بنی بیل خود کہکشاں کی سڑک
شب تار کی شان تانے ہوئے ‏ — ‏ جہاں نیند کی دل میں ٹھانے ہوئے
مگر چشم انجم جھپکتی نہیں ‏ — ‏ ستاروں کی بوندیں ٹپکتی نہیں
کچھ ایسا ہی خوفِ شب تار ہے ‏ — ‏ کہ ہر نجم اک چشم بیدار ہے
کھلے کوڑیالے سر کوہسار ‏ — ‏ کہ شبنم سے بھیگا ہوا سبزہ زار
جو سیّارے رہتے ہیں ان میں رواں ‏ — ‏ وہ ہیں ان کی ترتیب کے پاسباں
جو ثابت ہیں محور بدلتے نہیں ‏ — ‏ کہ گردانے پھرتے ہی چلتے نہیں
مرتب جو یہ شکل تنجیم ہے ‏ — ‏ مہ و سال کی ان سے تقسیم ہے
یہ تو بوجھ سب کا سنبھالے ہوئے ‏ — ‏ فضا میں کُرّوں کو اُچھالے ہوئے
بہم ان میں جو ربط جذبات ہے ‏ — ‏ علیٰ قدر جسم و مسافات ہے
کشش ان میں ہے اور تاثیر بھی ‏ — ‏ جداگانہ تکثیف و تنویر بھی
کچھ آباد کچھ ان میں خالی بھی ہیں ‏ — ‏ جلالی بھی ہیں کچھ جمالی بھی ہیں
وسیع اس قدر ہے فضائے جہاں ‏ — ‏ ہیں ذروں سے کم یہ کرے بیکراں

تپش دن کو خورشید تاباں کی تھی | خبر کس کو اس بزم شاہاں کی تھی
فضا آب انجم سے دھوئی ہوئی
شب ماہ حیرت میں کھوئی ہوئی

بے نظیر

۵۔ دُمدار ستارہ

نہیں تارہ یہ دنبالہ دار نورانی | حقیقت اس کی ہمیں نے ہی خوب پہچانی
جھکا ہے پیر فلک ہاتھ میں چنور لے کر
کرے گا آصفِ ذی جاہ کی مگس رانی

حالی

۶۔ پچھلی رات

وہ بھیگی ہوئی رات پچھلا پہر | سیاہی کے پردے میں نور سحر
شفق کا ابھی گو نہیں کچھ نشاں | سہانا مگر ہو چلا آسماں
پسِ پردہ جو کچھ ہے بازی گری | ہے اب تک نظر بندیوں سے بھری
کوئی دم میں بازی گر آسماں | چھپا دے گا یہ سب ہے جو عیاں
خبر دے رہا ہے یہ رنگ فلک | کہ تاروں نے دیکھی کسی کی جھلک
سمجھتے ہیں یہ سب جو حیران ہیں | فلک پر کوئی دم کے مہمان ہیں

نکلنے پہ آئے گا جب آفتاب — خود اس کی تجلی بنے گی حجاب

ابھی گو گھڑی دو گھڑی رات ہے
مگر عین انوار ظلمات ہے

سید نظیر

۷۔ ڈھلتی رات

ابھی جل رہا ہے قمر کا چراغ — کھلا ہے سرِ چرخ تاروں کا باغ
وہ جو کہکشاں کی سڑک ہے اِدھر — شعاعوں نے چھڑکا اسے رات بھر
ہر اک سمت ہے کیا سہانا سماں — فرح بخش ہے کیسی تاروں کی چھاؤں
وہی مشعلیں جلتی ہیں آب میں — وہی پھول پھولے ہیں تالاب میں
تجلّی کا ہے ہر طرف گو ہجوم — مگر ماند ہونے لگے ہیں نجوم
پڑی ضو ستاروں کی مدھم مگر — ابھی ہنس رہا ہے چراغِ قمر
نہیں اونگھتے ہیں تہجد گزار — پڑے ہیں کہیں مست شب زندہ دار
شعاعوں کا جھونکا جو آنے لگا — چراغِ قمر جھلملانے لگا
شفق آسماں پر ہوئی خیمہ زن — گلابی رنگا چرخ نے پیرہن
دمِ صبح والفجر پڑھنے لگا — اُجالا ابھی رہ رہ کے بڑھنے لگا
پڑا بہتے پانی پہ عکسِ شفق — بنی سطحِ دریا گلابی ورق

شعاعوں کی بڑھنے لگی اب بہار — بنا لالہ زار فلک شعلہ زار

سنہرا ہوا عارضِ چرخِ پیر
نکلنے پہ ہے آفتابِ منیر

بے نظیر

۸۔ نمودِ صبح

نجومِ فلک جھلملانے لگے — چراغِ سحر ٹمٹمانے لگے
وہ ٹھنڈی ہوا اور تاروں کی چھاؤں — نزولِ ضیا کا وہ پیارا سماں
وہ سناٹے کی دھن دلفریب — سہانے سے وہ شادیانے کی زیبا
کھنچے کس لیے دل نہ ہر تان پر — کہ لے لے رہی ہے اثر جان پر
مُرلی صدا ہوش کھونے لگی — ستاروں کو وحشت سی ہونے لگی
وہ بوٹوں میں کلیاں چٹکنے لگیں — وہ شاخوں پہ چڑیاں چہکنے لگیں
وہ شبنم نے چھڑکا چمن پر گلاب — نہ رہ جائے تا کوئی سرگرمِ خواب
نسیمِ سحر گل کھلانے لگی — فضائے چمن رنگ لانے لگی
ضیا آسماں سے اترنے لگی — نظر دور تک کام کرنے لگی
عنادل گلستاں میں گانے لگے — طیورِ سحر دل لبھانے لگے
دعا پڑھ کے واصبح پڑھنے لگی — ضیا دمبدم اور بڑھنے لگی

وہ اللہ اکبر کی آئی صدا — نہا دھو کے مسجد چلے پارسا
وہ سب لوگ اول وقت پڑھ کے نماز — ہوئے محو تنزیل با سوز و ساز
وہ مینا پہاڑی وہ کالا کوا — ہوئے آ کے شاخوں پہ نغمہ سرا
ہوئی آسماں پر وہ سرخی نمود — بنا کان شنجرف یہ چرخ کبود
شعاعیں دکھانے لگیں وہ جھلک — ہوئی زعفرانی قبائے فلک
شفق میں سنہری کرن ضوفشاں — گلے مل رہی ہے بہار و خزاں
وہ ٹھنڈی ہوا اور گرمی ہوئی — پہاڑوں کی چوٹی سنہری ہوئی

مطلا ہوا گنبدِ ہر شجر
برسنے لگا ہر طرف آب زر

بے نظیر

۹۔ سپیدۂ سحر

ریاض سحر میں جو پھولی شفق — ہوا رنگ تاروں کا یک بار فق
نہ وہ چشمکیں ہیں نہ وہ شوخیاں — نہ وہ جھمگھٹے ہیں سر آسماں
ستارے جو چھٹکے تھے افلاک پر — وہ آتے ہیں اب جا بجا کچھ نظر
فراہم تھے پہلے جو انگور سے — وہ اک اک کو تکتے ہیں اب دور دور
سحر کا جو دھڑکا ستانے لگا — فلک اپنی افشاں چھڑانے لگا

ستارے جو تھے زیبِ بزمِ فلک
جھپکتی نہ تھی جن کی اک دم پلک

وہ ایک ایک کر کے روانہ ہوئے
سحر ہوتے ہی سب فسانہ ہوئے

مگر کچھ دیا رنگ تزئینِ صبح
چھپنے لگا انھیں دم میں گلچینِ صبح

سو وہ بھی ہیں کچھ جھلملاتے ہوئے
ندامت سے آنکھیں چراتے ہوئے

ستارے جو باقی ہے خال خال
نہ ان کا رہا کچھ کسی کو خیال

چمن کی طرح جا بجا پا گیا
انھیں چن کے مرغِ سحر کھا گیا

چھپا لی تھی مہتاب گردوں نے رات
اسی کے یہ سب پھول تھے بے ثبات

فلک پر وہ کچھ روشنی صبح کی
وہ ہلکی سی مہتاب کی چاندنی

جو نجمِ سحر بھی بجھانے لگا
فلک اپنا بستر اُٹھانے لگا

شفق چھوڑنے تر رنگ لانے لگی
نئی آگ دل میں لگانے لگی

گھڑی سے الگ شمع بھی کیا ادھر
پتنگوں کے کچھ ڈھیر ہیں آس پاس

اُٹھا ہر طرف رنگِ صبحِ بہار
فلک پر کھلا یک بیک لالہ زار

ہوا جیسے صانع کا جس دم یقیں
تو بستر سے اُٹھنے لگے نازنیں

کسی کو کوئی گدگداتا اُٹھا
کوئی منہ چھپا کر لجاتا اُٹھا

گجر صبح کا غل مچانے لگا
جو سوتے ہیں ان کو جگانے لگا

اذانوں کی آواز آنے لگی
دعا تا بہ عرش جانے لگی

ہوا جب گھڑی کم اذانوں کا شور
اُٹھا دیر سے بید جوانوں کا شور

اُٹھا کوئی سرگرمِ حمد و سپاس
کوئی نیند کی جھونک میں بدحواس

بے نظیر

۱۰۔ نور کا تڑکا

تڑکا نورِ ظہور کا عالم — سر سے پا تک نور کا عالم
جھلمل جھلمل کرتے تارے — جی میں بھاتے لگتے ہیں پیارے
پڑ گئی پھیکی چاندنی بالکل — ہونے کو شمعِ ماہ بھی ہے گُل
نورِ سحر کا مَل کر غازہ — حسن کیا ہے فلک نے تازہ
دی جو نسیمِ سحر نے تھپکی — بیماروں کی آنکھ ہے جھپکی
طائر اپنی اپنی زباں میں — محو ہیں حمدِ خدا کے بیاں میں
آئی صدا مسجد سے اذاں کی — طاعتِ حق کو دوڑے نمازی
سُن کر سنکھ کی دھوتو، دھوتو — جانے لگے مندر کو ہندو
کوئی اُٹھا ہے کلمہ پڑھتا — بیٹھا ہے کوئی ہر ہر کرتا
کوئی اُٹھا انگڑائیاں لیتا — بیٹھا کوئی جمائیاں لیتا
بچے جو اُٹھے روتے روتے — ماؤں نے تھپکے سوتے سوتے
بیلوں کے کندھوں پر ہل رکھ کر — نکلا کسان ہے گھر سے باہر

گلیوں میں بھٹکتی پھرتی ہے کوسن
تازہ تازہ لے لو مکھن

سید علمدار حسین

۱۱۔ بہارِ صبح

یہ اٹکھیلیوں پر نسیمِ سحر
کہ آتے ہیں جھونکوں پہ جھونکے اُدھر

کھلے پھول غنچے چٹکنے لگے
چمن کے چمن تو مہکنے لگے

اُڑی پھرتی ہے آج گل کی شمیم
کھلاتی ہے غنچوں کو موجِ نسیم

یہ سبزے پہ قطرے جو چھائے ہوئے
کہ مخمل پہ موتی بچھائے ہوئے

ٹپکتی ہے شبنم جو وقتِ سحر
ہوئے وجد میں آ گئے گریاں شجر

ہر اک شے پہ چھایا ہے جوبن کا رنگ
ہے سکتہ میں آئینۂ آبِ جو

عجب وقت ہے یہ عجب یہ سماں
کہ حیرت کے عالم میں ہے آسماں

سہانی سحر یہ سہانی فضا
یہ مرغانِ خوش نغمہ خوش نوا

کبھی نغمہ زن طوطیِ خوش مقال
کبھی نالہ کش بلبلِ خستہ حال

اُٹھی ہر طرف چہچہوں کی صدا
فغانِ عنادل نے باندھی ہوا

وہ گلزار میں قمریاں نغمہ زن
وہ صحرا میں فریاد زاغ و زغن

غرض اپنی اپنی زباں میں طیور
ہیں سرگرمِ تسبیحِ ربِ غفور

یہ ہوتا ہے گردِ سحر سے عیاں — کہ آتا ہے کوئی بڑا کارواں
وہ ظلمت کے سائے میں کچھ کچھ اثر — چھپا زیرِ دامانِ گردِ سحر
یہ دیکھا ہی تھا چشمِ ادراک نے — پڑھی آیۂ فتح افلاک نے
سنہری شعاعوں کے نیزے لیے — ہراول بڑھے لشکرِ صبح کے
شفق کے پھریرے اُڑے چرخ پر — شعاعوں نے گاڑے علمہائے زر
لب جو تھا کہرے کا جو کچھ دھواں — چمکنے لگیں اس میں چنگاریاں
شعاعوں کے جاروب نے ایک بار — کیا صحنِ افلاک کو بے غبار
سنہری شعاعوں کا عکس آب میں — کہ جو گھر کرے قلبِ بے تاب میں
چمک کر دکھاتا ہے یہ صاف صاف — کہ آئینے کا ہے سنہری غلاف
یہ نہروں میں عکسِ شفق کا نشاں — لگی آگ پانی میں احمر کی شان
شعاعوں کی پانی پہ چمکاریاں — ہیں سطحِ بلوریں پہ گلکاریاں
درختوں کے سایہ کا حوضوں میں حل — کہ شیشوں میں ڈھالے زمرد کے نخل

کھڑے ہیں خموش اب شجر صف بہ صف
کہ عالم ہے سناٹے کا ہر طرف

بے نظیر

۱۲- صبح صحرا

فلک پر اُڑا وہ سنہرا غبار   منور ہوئے وادی و کوہسار
نجوم اپنی ہستی کو کھونے لگے   تجلی میں روپوش ہونے لگے
سحر لے کے آئینۂ آفتاب   ہوئی جلوہ افگن بصد آب و تاب
مطلا پہاڑوں کی وہ چوٹیاں   دکھاتی ہیں اس وقت کیا کیا سماں
بہے نخل اُن پر زرافشاں کرن   شعاعوں کی وہ کونپلوں پر پھبن
وہ سرسبز پودے طراوت بھرے   وہ شفاف چشمے لطافت بھرے
وہ شبنم کی دھوئی ہوئی ٹہنیاں   زمرد کی وہ قدرتی کلغیاں
وہ پانی کا جھرنا وہ چاندی کے تار   وہ شیشہ کی چادر وہ صاف آبشار
سر شاخ پھولوں کا گہنا کہیں   گلے مل کے نہروں کا بہنا کہیں
کہیں لالۂ سرخ ساغر بدوش   کہیں نرگس مست حیرت فروش
وہ نکھرا ہوا چہرۂ نونہال   وہ بکھرے ہوئے سنبل تر کے بال
کہیں پھول پھولے کہیں مرغزار   ریاحین خودرو کہیں بے شمار
وہ گنجان شاخیں شجر سایہ دار   پہاڑوں کے دامن میں وہ سبزہ زار
جماہر دکوہی کا دنگل کہیں   چرندوں کا جنگل میں منگل کہیں
کہیں طائران سحر نغمہ زن   کہیں چوکڑی بھر رہے ہیں ہرن

کہیں غول کے غول رعنا غزال — پپیہے کے پپیہے ثریا یاقوت بال
پرندوں کا جھرمٹ بہ رنگ سحاب — کہیں جھنڈ چڑیوں کا بالائے آب
وہ دریا کا موجیں کہیں مارنا — کچھاروں میں شیروں کا ڈکارنا
کہیں غار میں جا گزیں تیندوئے — کہیں کھوہ میں بیٹھے ہوئے اژدھے
درندوں کا جنگل میں وہ گھومنا — کہیں ہاتھیوں کا کھڑے جھومنا
کہیں گھاٹیوں پر چرندوں کا زور — کہیں ڈالیوں پر پرندوں کا زور
وہ گلوں کا چرنا چراگاہ میں — بچھا سبز قالین ہر راہ میں
وہ نیلے کا جنگل وہ آب رواں — ترائی میں لاکھوں جڑی بوٹیاں
چٹانوں پہ وہ چادر آب صاف — ہو چاندی کے پتر کا جیسے غلاف

سلیں سنگ مرمر کی با آب و تاب
دکھانے لگیں پرتو آفتاب

بے نظیر

۱۳۔ صبح بہار

اللہ اللہ! لطف صبح بہار — اک عجب کشمکش میں ہے گلزار
پھر رہی ہے نسیم اٹھلاتی — اس طرف آتی اس طرف جاتی
کبھی پھولوں کو چھیڑ آتی ہے — کبھی غنچوں کو جا ہنساتی ہے

کبھی شاخوں کو جا ہلا آئی
گل کو جھولا کبھی جھلا آئی

سبز پتوں پہ قطرے شبنم کے
نظر آتے ہیں صاف موتی کر

نیم وا ہے ابھی کلی کوئی
اور کوئی کھل کے پھول بن بیٹھی

ابتدا میں وہ باہمی الجھاؤ
ایک کا دوسرے کے ساتھ لگاؤ

پھر وہ کھلنے کا خوش نما منظر
پھیلنا پنکھڑی کا تھم تھم کر

بلبلیں چہچہے سناتی ہیں
چڑیاں آپس میں نغمے گاتی ہیں

الغرض ہے عجب سماں ہادی
کیا ہو تعریف اس کی قدرت کی

ہادی

۱۴۔ صبح چمن

دل نے چاہا باغ میں چل کر
دیکھیں قدرت حق کے منظر

صبح چمن میں جس دم پہونچا
عجب وہاں کا نقشا دیکھا

بادِ بہاری ٹھنڈی ٹھنڈی
پھولوں کی خوشبو سے لدی تھی

چھوٹے چھوٹے گلوں کے تختے
صحن چمن میں کھلے ہوئے تھے

دیکھ کے قدرت کی گلکاری
وجد میں تھی خود باد بہاری

پتوں پر شبنم کے قطرے
گویا موتی ٹکے ہوئے تھے

سطحِ چمن پر سبزہ کیا تھا / مخمل کا اک فرش بچھا تھا
ہاتھ میں تھا لالہ کے ساغر / مست نسیم تھی اس کو پی کر
ایک طرف نرگس متوالی / کسی کا رستہ دیکھ رہی تھی
محوِ مسرت شہد کی مکھی / لب پھولوں کے چوس رہی تھی
صحن گلستاں باغِ ارم تھا
اللہ اللہ کیا عالم تھا

ھادی

۱۵۔ صبحِ چمن

ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چمن میں / ڈال رہی ہے جان سی تن میں
باغ کا عالم دیکھئے کیا ہے / صحنِ چمن کیا خوب سجا ہے
قطرے بھی شبنم کے پڑے ہیں / پتوں پہ گویا موتی جڑے ہیں
پٹری پٹری۔ کیاری کیاری / ستھری ستھری۔ پیاری پیاری
جوہی چنبیلی۔ سیوتی۔ بیلا / سب ہی خوبانی کھیلا
اس دم جتنا ملک زمیں ہے / شبنم کے سب زیرِ نگیں ہے
مہک رہا ہے گلشن سارا / بکھرا ہے گویا عنبر سارا
بادِ سحر ہے جھونکا دیتی / ڈال زمیں کا ہے بوسہ لیتی

ڈالی ڈالی ہری بھری ہے   بوٹا ہے یا سبز پری ہے
کتنی ننھی پرے پرندہ
گاتا گیت ثنائے خدا اسکا

سید علمدار حسین

۱۶. صبح بنارس

سہانی ہے کس درجہ تاروں کی چھاؤں   نہانے کی خاطر مچلتے ہیں پاؤں
بچھائے ہوئے مرگ چھالے فقیر   لب نہر تنکے سے ہیں جائے گیر
وہ جوگی بھی دھونی رمائے ہوئے   ہیں پوجے میں آسن جمائے ہوئے
وہ سیلے وہ جوڑے چمکتے ہوئے   وہ کانوں میں مندرے لٹکتے ہوئے
وہ گھنٹہ بجاتے ہوئے برہمن   ہیں بت خانوں میں کس طرح نعرہ زن
نہانے کو وہ نازنینان شہر   چلی آتی ہیں کس طرح سوئے نہر
وہ تھالی میں سیندور چندن لئے   کوئی آ رہا ہے عجب آن سے
بنارس کی وہ ریشمی ساڑیاں   وہ گھونگٹ لٹکتا ہوا الاماں
ہر اک کی نئی دھج نیا ڈھنگ ہے   لب گنگ اس وقت کیا رنگ ہے
نزاکت سے کوئی لچکتی ہوئی   ادھر آ رہی ہے جھجکتی ہوئی
جو اشنان کرتی ہے وہ اک پری   ہے اس کی نظر کیا ہی جادو بھری

جو اُلٹے ہے گھونگھٹ کو وہ اک حسیں / ہے کس درجہ اس گل کی ساڑی حسیں
جو پیش نظر وہ پری زاد ہے / عجب اس کا حسن خدا داد ہے
وہ آتی ہے جو مسکراتی ہوئی / قیامت کا یہ بل دکھاتی ہوئی
جسے دیکھئے وہ پری حور ہے / نہ سنبھلے اگر قلب معذور ہے
جو چھپ چھپ کے وہ دیکھتی ہے اُدھر / چبھوتی ہے در پردہ سو نیشتر
نہا کر جو نکلی ہے وہ سیم تن / ہوئی بھیگ کر ساڑھی جزو بدن
وہ آنچل سے جو چھپائے ہوئے / نگاہیں کسی سے لڑائے ہوئے
وہ آتی ہے اک شوخ رنگیں لباس / کہ ہر فعل جس کا محبت اساس
وہ گنگا سے آ رہی ہے اِدھر / چلے جیسے اٹھلا کے بادِ سحر
وہ ہر بار ٹھکرا کے سیڑھی کوئی / سناتی ہے جھنکار پازیب کی
نہائے ہوئے وہ جو آتا ہے غول / غضب کے سب اعضا ہیں ان کے سڈول
وہ بھیگے ہوئے بال بکھرے ہوئے / وہ چہرے بہت صاف نکھرے ہوئے
کسی کا وہ گورا چھریرا بدن / کوئی دھان پان اور رشک سمن
کوئی زلف ڈالے ہوئے دوش پر / کسی کی نزاکت سے دُہری کمر
کسی کا وہ اترا کے چلنا کہیں / کسی کا وہ گر کر سنبھلنا کہیں
بہت شوخ و مغرور ظاہر ہیں سب / لدیں سر سے پا تک جواہر ہیں سب
کوئی لو لگائے خدا کی طرف / نگاہیں جھکیں پشت پا کی طرف

کٹوری میں کوئی لئے پھول پان — کھڑی ہے وہ مسند میں مسند کی جان
کسی کا حیا سے سر پاک خم — کہ عصمت بھی کھائے اسی کی قسم
چترنی کوئی تو کوئی پدمنی — کوئی ان میں رادھا کوئی جانکی

مہادیو کو جل چڑھا کر تمام
چلی جاتی ہے اپنے گھر شاد کام

بے نظیر

۱۷۔ طلوعِ آفتاب

چڑھا دن۔ کرن پھیلانے لگی — کڑی دھوپ تیزی دکھانے لگی

کمندِ شعاعی پکڑ کر شتاب
سرِ بام وہ چڑھ گیا آفتاب

بے نظیر

۱۸۔ صبح کی چہل پہل

سحر کی لو سورج نے نظر کی — کایا پلٹ دنیا بھر کی
شہر میں دیکھو کوئی گرہستن — دھوتی ہے بیٹھی گھر میں برتن
کوئی اٹھی ہے جھاڑو دے کر — جھاڑ رہی ہے کپڑے بستر

بچوں کا منہ اک نے دھلا کر — رکھ دیا لا کے ناشتہ لا کر
لڑکوں نے لے بغل میں بستہ — گھر سے لیا اسکول کا رستہ
میں آ ۔ تو آ ۔ یہ آ ۔ وہ آ — اگ گئی بازاروں میں رچنا
گھوڑا گاڑی ٹمٹم ۔ یکہ — شکرم ۔ تانگا ۔ بہلی ۔ چھکڑا
جن کے جدھر میں سینگ سماتے — آتے جاتے نظر ہیں آتے
بائی سکل پر کوئی چڑھا ہے — پیدل کوئی آگے بڑھا ہے
منشی بابو فیشن ایبل — دیکھ رہے ہیں ٹائم ٹیبل
میں ہوئی ہے خلقت ساری — کاروبار کی ہے تیاری

کوئی کہاں تک لکھتا جائے
کوزے میں دریا کیسے سمائے

سید علمدار حسینی

۱۹ ۔ گرما

گرمی کا ہوا ہے گرم بازار — جینے سے ہوئی ہے روح بیزار
دیکھو جسے رنگ چہرہ فق ہے — گرمی سے بدن عرق عرق ہے
لالی چہرہ پہ وہ نہیں ہے — نیلم لب لعل نازنین ہے
تسکین پیاس کو نہیں ہے — استسقا ہونے کا یقین ہے

گرمی ازبس کہ بے سری ہے — کیا خاک اُڑاتی سر چڑھی ہے
پانی کے عوض زمیں پہ بارے — گردوں سے برستے ہیں شرارے
کیسا ہی مکان کو بناؤ — اور خس کی بھی ٹٹیاں لگاؤ
چھڑکی جائیں وہ گو دمادم — اور پنکھے بھی چل رہے ہوں پیہم
ہو دھوپ کا بھی بچاؤ ہر چند — رخنے ہوں شعاع آنے کے بند
پانی کی صراحیاں بھری ہوں — اور برف کی قفلیاں دھری ہوں
سامان طرب ہوں گو سراسر — پر چین کہاں جو پائیں دم بھر
جب بادِ سموم آئی سن سے — سنّاٹے نکل گئے بدن سے

رہنے کا کہاں رہے ٹھکانا
تنور ہے جو سرد خانا

سیّد احمد عاشق

۲۰۔ گرما

ہوا میں تمازت کا ہے یہ اثر — کہ اُڑتے ہیں ذرّے برنگ شرر
نہ سایہ نہ سبزہ نہ پانی کہیں — دہکتی ہوئی وہ ریتیلی زمیں
وہ لو اور گرمی خدائی پناہ — کہ ریگ بیاباں کی حالت تباہ
زمیں پر اگر رکھ دے لاکر کوئی — بھری مشک بھی سوکھ جائے ابھی

زرا بھی اگر اس طرف کو اُٹھے — تو پائے نگہ میں پڑیں آبلے
پرندوں کا ہو اس طرف جو گزر
بلندی سے بھُن کر گریں خاک پر

بے نظیر

۲۱۔ آندھی

درختوں پہ سناٹا پیدا ہوا — غبار ایک جانب ہویدا ہوا
ہوا میں بڑھا جس قدر شورش بڑھی — یکایک مگر کوئی ندی چڑھی
کہ اتنے میں جھونکے بھی آنے لگے — درختوں کی گردن جھکانے لگے
بنا صحنِ محشر کا تختہ وہ بن — گرے دُور جا جا کے نخلِ کہن
غضب کی قیامت کی آندھی چلی — کہ رفتار سے رُک گئی ریل بھی
زمین و فلک پر یہ چھایا غبار — کہ یہ وقت ہو رشکِ شبہائے تار
یکایک جو تڑکا ہوا برق کا — تو دی رعد نے بھی گرج کی صدا
بڑے زور سے مینہ برسنے لگا — کسی کے لیے جی ترسنے لگا
وہ سیلاب صحرا وہ ٹھنڈی ہوا — اِدھر اور اُدھر خوب پانی بھرا
اے فضل میں دیر لگتی نہیں
نہ ہو اس سے مایوس کوئی کہیں

بے نظیر

۳۲۔ آندھی

سرخ آندھی بھی کیا قیامت ہے — قہر ہے اک بلا ہے آفت ہے
ہوتا ہے کیا مہیب نظارا — خون بن جاتا ہے افق سارا
گرد کا شامیانا تنتا ہے — اک نیا آسمان بنتا ہے
سرسراہٹ کی اک صدا اُٹھ کر — کرتی ہے سب کو پہلے ہی سے خبر
شور کرتی ہوئی جب آتی ہے — سر پہ دونوں جہاں اُٹھاتی ہے
راہ میں سب کے پیچھے پڑتی ہے — مل گیا جو اسی سے لڑتی ہے
سخت جھونکے جب اس کے آتے ہیں — پاؤں چلنے میں ڈگمگاتے ہیں
خوف کھاتے ہیں بحر و بر اس سے — کانپتے رہتے ہیں شجر اس سے
کہیں رونق چمن کی کھوتی ہے — جا کے کشتی کہیں ڈبوتی ہے
باغ کو کرتی ہے خراب اک لخت — بیخ و بن سے اکھاڑتی ہے درخت
پوری طاقت پہ جب یہ آتی ہے — چلتی ریلوں کو بھی گراتی ہے
کہیں کھپریوں کو گراتی ہے — چھپروں کو کہیں اُڑاتی ہے
گھر پہ ہوتے ہیں اس کے جب حملے — رہنے پاتے نہیں بچا گملے
پٹختی ہے کواڑوں کو آ کر — توڑ دیتی ہے شیشوں کو اکثر
کہیں گلدان میز سے پھینکا — کہیں دو ٹکڑے آئینہ کو کیا

کہیں تصویر آ کے جھڑ سے گری
چمن سے لوٹی کسی جگہ چمنی

پگڑی ٹوپی وہ گیا رومال
بس میں رکھنا ہے ان کا سخت محال

ریت کے فتنے منہ میں آتے ہیں
دانت رہ رہ کے کرکراتے ہیں

سر پہ بالوں کی ہے عجب حالت
جس کو دیکھو ہے بھوت کی صورت

کوئی کپڑوں کو جھاڑتا ہے کھڑا
آنکھیں رہ رہ کے ہے کوئی ملتا

جان کیوں کر نہ اس سے ہو بیزار
گرد کا ہر طرف ہے اک انبار

نہ دری کا پتا نہ قالین کا
خاک کا فرش ہر طرف ہے بچھا

جب یہی آئے دن کا قصا ہے
اس کا ہادی فضول رونا ہے

ھادی

۲۳۔ نمود ابر

ہوا جب جلوہ پیرا خوش نما ابر
پکار اٹھے سبھی احسنت یا ابر

نہ ہو کیوں دل کو ٹھنڈک جسم کو نور
چمکتی برق ہے لو چھا رہا ابر

نضارت بڑھتی جاتی ہے بدن میں
چلا آتا ہے جوں جوں جھومتا ابر

مزے کیا لے رہی ہے روح اپنی
برستا ہے عجب یہ جاں فزا ابر

نکلتے تھے شرارے جس زمیں سے
وہ ہے اب سبزہ زار پر فضا ابر

کے حق سے کیا حشرات پیدا　　یہ اعجاز مسیحائی کیا ابر
نشاط اب مانگ لے حق سے دعا تو
وہ رحمت پر ہے جب ہے یہ گھرا ابر

نشاط

۲۴۔ آمدِ ابر

گھٹا اودی اودی یہ کیا چھا گئی　　بہارِ چمن رنگ پر آ گئی
پروں کو ادھر مور تولے ہوئے　　گھٹائیں اُدھر بال کھولے ہوئے
وہ کوئل غضب کے بجاتی ہوئی　　پپیہوں سے تانیں لڑاتی ہوئی
ہوا دوش پر شال ڈالے ہوئے　　گھٹاؤں کے آنچل سنبھالے ہوئے
گھٹا میں وہ بگلوں کی ہر سو قطار　　کہ ظلمت میں آبِ حیات آشکار
سیہ ابر میں یہ اُجلی اُجلی لکیر　　رواں دامنِ کوہ میں جوئے شیر
یہ کہسار میں رہ جو چھوٹی ہوئی　　شکر سنگِ مرمر کی کوٹی ہوئی
زمین و فلک پر ہے مستی کا شور　　گرجتے ہی بادل کے چلّائے مور
کبھی ابر گریاں کبھی خندہ زن　　ہے بیلولنے کا سوانگ چرخِ کہن
فلک پر گرجتا ہے ابرِ مطیر
زمیں پر نہ کیوں رندگائیں کبیر

بے نظیر

۲۵۔ روانیِ ابر

یہ باریک بوندیں یہ گہری گھٹا — یہ سبزۂ خنک اور ٹھنڈی ہوا
درختوں سے طائر اڑیں کیا مجال — پھواروں نے ڈالا ہے جالی کا جال
یہ نشو و نما کی سبک خیزیاں — نسیم و صبا کی دل آویزیاں
چمن کو گھٹا کا رسالہ چلا — کہ لد کر صبا پر اٹھا لا چلا
گرج بادلوں کی سناتی ہوئی — بہار آئی ڈنکے بجاتی ہوئی
ٹھہرنے کا جو نام لیتا ہے آج — اسے گھڑکیاں رعد دیتا ہے آج
جو کرتا ہے شوخی کچھ ابرِ رواں — لگاتی ہیں کوڑے اسے بجلیاں
گھٹا رقص پروازِ مستی ہے آج — کہ موروں پہ آوازے کستی ہے آج
بلندی کو نظروں میں تولے ہوئے — یہ پریاں اٹھیں بال کھولے ہوئے
ہر ایک اپنی رفعت دکھانے لگی — کہ گردوں میں تھگلی لگانے لگی
ہوا چٹکیوں میں اڑاتی ہوئی — انھیں انگلیوں پر نچاتی ہوئی
گرج شورِ تحسین اٹھائے ہوئے — نویں آسماں پر چڑھائے ہوئے
یہ سرگرم زینت فروشی گھٹا — کہ آنچل لٹکنے نہ پائے ذرا
مگر زورِ مستی سے چلتا نہیں — ہوا میں دوپٹہ سنبھلتا نہیں
گھٹا کو ہے عشرت بجاتی ہوئی — سلامی کی توپیں چلاتی ہوئی

سیہ مست بادل جو چھائے ہیں آج
یہ پابوسِ ساقی کو آئے ہیں آج

بے نظیر

۳۶۔ رونقِ بارش

جو سوکھی زمیں پر ترشح ہوا — نکلتی ہی بو سوندھی سوندھی سی کیا
گرجتے ہیں بادل چمکتی ہے برق — ہوا صحن کا صحن پانی میں غرق
گئی نیند اُچٹ پانی کے شور سے — بہی جاتی ہیں نالیاں شور سے
ٹپکتی ہے بنگلے کی وہ اُولتی — کہ ہے تارِ سیمیں کی چلمن پڑی
ہوا زور سے چلتی ہے بار بار — پہنچتی ہے کمروں کے اندر پھوار
بنا ہے جو دہ ٹین کا سائبان — ہے اس وقت اُرگن کا اس پر گماں
عجب لے سے پانی برستا ہے آج — کہ زاہد بھی مے کو ترستا ہے آج
پرنالوں پہ کیا لطف نظارہ ہے — کہ جو بوند ہے ایک فوارہ ہے
صبا کے طمانچے جو کھائے ہیں آج — تو پودے سروں کو جھکائے ہیں آج
چلی آتی ہے بدلیوں کی قطار — ہوا کے ہیں گھوڑے یہ بادل سوار
دھواں دھار اس وقت چھایا ہے ابر — فلک پر سیہ مست آیا ہے ابر

اٹھی شاخِ گل سبز و پُرشان باغ
ہوا غسل سے ہر شجر کو فراغ

یکایک رکی بوند ٹھیری ہوا
نظر آتی ہے اور ہی کچھ فضا

تر و تازہ ہر نخل ہے شادکام
لبالب ہیں پانی سے تھالے تمام

وہ باغوں میں جھولے پڑے بے شمار
وہ ساون بھی گاتے ہیں گلعذار

وہ آموں کے اشجار پر سامنے
کوئی کوکتا ہے بڑے زور سے

یہ ہے اس صدا کا اثر کان پر
کہ دل لوٹ جاتا ہے ہر تان پر

ادھر کہہ رہا ہے کوئی "پی کہاں"
سنا یہ تو قالب میں پھر جی کہاں

کہیں کوئی چلا رہا ہے کہاں
ذرا دیکھنا اس گھڑی کا سماں

پروں کو سمیٹے ہوئے وہ طیور
درختوں پہ بیٹھے ہیں کیا دور دور

بے نظیر

۲۷۔ بادل کا کھلنا

چھٹا ابر ہیں دھوپ کے کچھ نشاں
پرندے بھی ہونے لگے پرفشاں

وہ ہر شاخ پر کوئلیں بار بار
اُڑاتی ہیں بیٹھی ہوئی کیا ملار

ادھر سے اُٹھا لو پپیہوں کا شور
ادھر تانیں کیا کیا لگاتے ہیں مور

ہے قوسِ قزح چرخ پر جلوہ گر
ابھی تک نہیں آتا سورج نظر

ہوئی شوخ ہر رنگ کی آب بہار
دھنک میں شعاعیں ہوئیں آشکار

پڑیں زرد کرنیں وہ ہر برگ پر
زمرد پہ چڑھنے لگا آب زر

ہوا سے ہٹی ابر کی جو نقاب
یکا یک ہوا جلوہ گر آفتاب

نہ وہ سیل ہے اب نہ چھائی گھٹا
بھری ہیں مگر نالیاں جا بجا

شکایت ہے گلیوں میں کیچڑ کی عام
ہیں پر صاف بستی کی سڑکیں تمام

یہ سب دیکھتے تھے جو لیٹے ہوئے
چلے اب وہ دامن سمیٹے ہوئے

ہوئی رونق تازہ ہر کار میں
نکلنے لگے لوگ بازار میں

کسان اور دہقان بایک دگر
کدال اور ہل رکھ کے خود دوش پر

وہ بیلوں کو اپنے ہنکاتے ہوئے
چلے نٹ ملاری وہ گاتے ہوئے

وہ کیڑے مکوڑے ہزاروں ادھر
لگے رینگنے ہر طرف خاک پر

وہ تالاب اٹی تھی کل جس میں گرد
نکل آئے مینڈک وہاں زرد زرد

وہ کیڑے کہ جو سر بسر خاک تھے
وہ پانی کے پڑتے ہی اب جی اٹھے

سمجھ میں نہیں آتی کچھ اور بات
مگر تھا یہ باران آب حیات

بے نظیر

۲۸۔ برسات

رت ہے برسات کی بہت پیاری — موج زن جھیلیں ندیاں ساری
کھیت دھانوں کے لہلہانے لگے — کر رہے ہیں نظر کی دلداری
بدلیاں چھا رہی ہیں گردوں پر — زرد اُودی سنہری زنگاری
کیا ہری دوب جنگلوں میں ہے — سبز مخمل سے ہے سوا پیاری
ہر طرف کھل رہے ہیں گل بوٹے
جن سے شرمندہ باغ کی کیاری

۹

۲۹۔ برسات کی بہار

برسات ہے کیا بہار آئی — قدرت نے دکھائی کبریائی
ہے ابر سیہ فلک پہ چھایا — رت بدلی، نیا سماں ہے آیا
اب فتح کے بج رہے باجے — دنیا میں ہیں میگھ راج باجے
اس فتح کی ہے کو بکو شادی — عشرت کی ہے چار سو منادی
سبزہ ہے اُگا روش روش پر — قدرت نہیں خار کو خلش پر
قطرے شبنم کے کیا پڑے ہیں — ہیرے الماس پر جڑے ہیں

سبزہ نہیں لہلہاتا بن میں — نکلا ہے زمیں کا پھوٹ جوبن
جب سے پیکِ صبا نے آ آ — مژدہ ہے بہار کا سنایا
غنچے آپس میں مسکرائے — بے ساختہ گل بھی کھلکھلائے
پھولے ایسی خوشی میں آ کر — جامے سے نکل پڑے ہیں باہر
باندھے ہوئے شبنمی عمامہ — پہنے ہوئے سرخ و سبز جامہ
گل مثلِ عروس ہیں سراپا — اور برگ بنے ہوئے ہیں دولہا
طاؤس چنور کئے ہوئے ہم — ہے رقص میں بیخودی سے ہر دم

بھینی بھینی خوشبو
ٹھنڈی ٹھنڈی نسیم ہر سو

سید احمد عاشق

۳۰۔ ساون کا مہینہ

موسمِ برسات آیا دل ہوا پھر نغمہ گر — پھر غمِ حال و گزشتہ سے ہوا دل بے خبر
جھوم کر آنے لگی پچھم سے پھر کالی گھٹا — اب نہیں معلوم ہوتا شام ہے یا دوپہر
پھر لگا پکوان ہونے پھر کڑھائی چڑھ گئی — لڑکیاں آنے لگیں پھر شاد و خرم نظر
کوئی ماں سے کہتی ہے جلدی تو جھولا دیجئے — کوئی کہتی ہے مجھے درکار ہے جھولا پدہ
ہر مکاں سے پھر ہمارے کان میں آنے لگی — "جھولا کن ڈالوری" کی آواز ہر شام و سحر

کیا مزہ ہوتا ہے جب گرتی ہیں جھم جھم سے بوندیں　　اور کھڑی ہو جاتی ہیں جھٹ چھت پہ سب جا کر
الغرض ہر سمت پھیلی خرمی ہے آج کل　　کر رہی ہیں لڑکیاں اٹھکھیلیاں باہم دگر

سچ تو یہ ہے یہ مہینہ ہے نہایت لطف خیز
اس میں شاداں رہتا ہے خواہی نخواہی ہر بشر

عزیزہ خاتون

۳۱۔ جوشِ بارش

کچھ عجب بارش نے آکر جوش پیدا کر دیا
جس طرف دیکھو وہیں ہے غول بچوں کا کھڑا
کودتا ہے شوق میں ہو ہو کے کوئی بے قرار
خود بخود کوئی پھسل کر گر رہا ہے بار بار
مل رہا ہے کچھ اسی تفریح میں ہر کو مزا
ایک کو چاروں طرف دوڑا رہا ہے دوسرا
ہر طرح کی ان میں باہم ہو رہی ہے دل لگی
مار دیتا ہے کسی کو بے خبر پا کر کوئی
دوسرے کا ایک پر جس وقت چل جاتا ہے داؤں
بے تحاشا کھینچ لیتا ہے پکڑ کر اس کا پاؤں

ہیں کہیں جھولے کہیں سامان ہیں پکوان کے
دل خوشی سے آج ہیں لبریز ہر انسان کے
گا رہے ہیں مست ہو ہو کر ترانے شوق کے
چھیلی کرتے پھر رہے ہیں ہر طرف چھوٹے بڑے

ھادی

۳۲ - سوز فرقت اور شب ابر

اٹھی ہے جو کالی گھٹا اس طرح
مجھے کل پڑے بے ترے کس طرح
اندھیرے میں بجلی کا یہ کوندنا
مرے دل کی حسرت کا یہ روندنا
یہ ساون کی راتیں یہ گھر اسا ابر
بھلا کس طرح آئے پھر دل کو صبر
تڑپتا ہوں جز شوق ہے کون ساتھ
نہیں سوجھتا ہاتھ کو آج ہاتھ
پپیہا تا پانی کا ٹھنڈی ہوا
وہ حسرت بھری بانسری کی صدا
جو اٹھتی ہے چاروں طرف یہ گھٹا
انی کی طرح ہوتی ہے دل کے پار
درختوں پہ وہ جگنوؤں کی بہار
گرُ اٹھتے ہیں نالوں سے میرے شرار
میں سکتے میں تھا موروں کے شور سے
گرجنے لگا رعد بھی زور سے
ہوئے جاتے ہیں ایک اب بحر و بر
برستا ہے کیا ابر جی کھول کر

بہت زور سے چل رہی ہے ہوا
عجب کیا کہ چھٹ جائے دم میں گھٹا

ادھر دیکھو وہ کھل چلا آسماں ستارے بھی ہو اک ہوئے ضوفشاں
بڑھانے کو دل کا مرے اضطراب وہ چمکیں شعاعیں میان سحاب
لئے ہاتھ میں نیزہ ہر اک کرن لگی کھولنے بند زخم کہن
نظر آتی ہیں دور جو جھاڑیاں ہے اس دم درندوں کا ان پر گماں
یہ لو چاندنی میں ہوا دشت غرق لگی لوٹنے میرے سینے پہ برق
وہ کوئل پپیہا وہ چلائے مور یہاں بڑھ گیا اور وحشت کا زور
غضب چھوٹی چھوٹی سی ابریں ادھر ہیں آب میں کس طرح جلوہ گر
شب ہجر میں آج یہ چاندنی کھلاتی ہے ہیرے کی مجھکو کنی
جگر پارہ پارہ ہے دل چور ہے بشر ہائے کس درجہ مجبور ہے
نہ ہے چین دل کو نہ آنکھوں میں خواب بنا ہوں میں سرتا بہ پا اضطراب
فلک پر ثوابت نہ سیارے ہیں انگیٹھی ہے گردوں پہ انگارے ہیں

مرے رب مرے ارحم الراحمین
سحر ہو گی اس رات کی یا نہیں؟

بے نظیر

٢٣- برکھا رت اور پردیس

بیزار اک اپنی جان و تن سے … بجھڑا ہوا صحبتِ وطن سے
غربت کی صعوبتوں کا مارا … چلنے کا نہیں ہے جس کو یارا
غم خوار ہے کوئی اور نہ دلجو … اک باغ میں ہے پڑا لبِ جو
ہیں دھیان میں کلفتیں سفر کی … آپے کی خبر ہے اور نہ گھر کی
ابر اتنے میں اک طرف سے اٹھا … اور رنگ سا کچھ ہوا کا بدلا
برق آکے لگی تڑپنے پیہم … اور پڑنے لگی پھوار کم کم
سامان ملے جو دل لگی کے … یاد آئے مزے کبھی کبھی کے
دیکھے کوئی اس گھڑی کا عالم … وہ آنسوؤں کی جھڑی کا عالم
وہ آپ ہی آپ گنگنانا … اور جوش میں آ کبھی یہ گانا
اے چشمۂ آبِ زندگانی … گھٹیو نہ کبھی تری روانی
جاتی ہے جدھر تری سواری … بستی ہے اسی طرف ہماری
پائے جو کہیں مری سبھا کو … دیتا ہوں میں بیچ میں خدا کو
اول کہیو سلام میرا … پھر دیجیو یہ پیام میرا
قسمت میں یہی تھا اپنے لکھا … فرقت میں تمہاری آئی برکھا
آتا ہے تمہارا دھیان جس دم … مرغابیاں تیرتی ہیں باہم

ہم تم یونہیں صبح و شام اکثر — تالاب پہ تیرتے تھے جا کر
جب سبزہ و گل ہیں لہلہاتے — الفت کے مزے ہیں پاتے
ہم تم یونہی ہاتھ میں دیے ہاتھ — پھرتے تھے ہوائیں کھاتے دن رات
جب پیڑ سے آم ہے ٹپکتا — میں تم کو ادھر ادھر ہوں تکتا
رت آم کی آئے اور نہ ہو یار — جی اپنا ہے ایسی رت سے بیزار
ہے سرد ہوا بدن کو لگتی — پر دل میں ہے آگ سی سلگتی
نشتر کی طرح تھی دل میں چبھتی — فریاد یہ دردناک اس کی
تھا سوز میں کچھ ملا ہوا ساز — تڑپا گیا دل کو سن اس کی آواز
حیرت رہی دیر تک کہ آخر — روتا ہے کہاں کا یہ مسافر

پر غور سے اک نظر جو ڈالی
نکلا وہ ہمارا دوست حالی

حالی

۴۳۔ کثرت بارش

کیا کہوں اب کے کیسی ہے برسات — جوش باراں سے بہ گئے ہیں پات
بوند تھمتی نہیں ہے اب کے سال — چرخ گویا ہے آب در غربال
جیسے دریا ابلتے دیکھے ہیں — یاں سو پرنالے چلتے دیکھے ہیں

وہی یکساں اندھیر برسے ہے — آسماں چشمِ وا کو ترسے ہے
ماہ و خورشید اب نکلتے ہیں — تارے ڈوبے ہوئے اچھلتے ہیں
روز و شب یاں ہمیشہ جھمکا ہے — ان دنوں رنگِ برق چمکا ہے
ابرِ رحمت ہے یا کہ زحمت ہے — ایک عالم غریقِ رحمت ہے
نہ ہے جلسہ نہ ربطِ یاراں ہے — شہر میں ہے تو باد و باراں ہے
آدمی ہیں سو کب نکلتے ہیں — مردمِ آبی پھرتے چلتے ہیں
ہر طرف ہیں نظر میں ابرِ سیاہ — پانی ہے جس طرف کو کریے نگاہ

لکھیے کیا میر مینہ کی طغیانی
ہو گئی ہے سیاہی بھی پانی

میر

۳۵۔ برسات میں اپنے گھر کی حالت

جسمِ خاکی میں جس طرح جاں ہے — اس طرح خانہ ہم پہ زنداں ہے
ظلمتیں اس کی سب پہ روشن ہیں — زندہ در گور ہم کئی تن ہیں
ہے جو سر کوب اک بڑی دیوار — واں سے جھانکو تو ہے اندھیر اتار
بختِ بد دیکھ سارے پرنالے — اس کے معمار نے ادھر ڈالے
اب جو آیا ہے موسمِ برسات — دن کو ہے اپنے ہاں اندھیری رات

پر تلک تنکے تھے کچھ ایک نئے
سو وے چڑیوں کے گھونسلوں کو گئے

دل ہے کچھ مکڑیوں کا احسان مند
کہ جنھوں نے کئے ہیں جھانکے بند

پھوس کچھ ہے کہیں سو آتا ہے
بانس کو جھینگروں نے چاٹا ہے

اپنے بندھن سے جو کہ چھوٹا ہے
ہم پہ گویا وہ بانس ٹوٹا ہے

کیا کہوں آہ گھر ہے کہنے کو
باندھتا ہوں مچان رہنے کو

بند جھانکو کو کیجیے تا کے
یاں تو ایک آسمان ٹوٹا ہے

ٹھیکی دینے کو جا رہے ہیں ہم
سر پہ ٹٹر لئے کھڑے ہیں ہم

ٹٹیاں تھیں جو آگے چھپر کے
بہتی پھرتی ہیں صحن میں گھر کے

تا گلے سب کھڑے ہیں پانی میں
خاک ہے ایسی زندگانی میں

اب تو اپنا بھی حال بدتر ہے
سر پہ گھڑی ہے بستہ چھپر ہے

چاک ایسی ڈول سے ہے ہر دیوار
جیسے چھاتی ہو عاشقوں کی فگار

گھر کی صورت جو اور ہوتی ہے
چھت بھی بے اختیار روتی ہے

مینھ یکبارگی جو ٹوٹ پڑا
کڑی تختہ ہر ایک چھوٹ پڑا

وسے پایان کار ٹوٹ بہے
طاقچے بھر رہے تھے پھوٹ بہے

بہ گئے کولے تختے ڈوب گئے
غرض اجزائے سقف جب گئے

اکھڑی دہلیز سب منڈیر گری
لہر پانی کی جھاڑو دیتی پھری

ساری بنیاد پانی نے کاٹی
اینٹ کے گھر کو کر دیا ماٹی

جھک گئے سب ستون دب بیٹھا — وہی چھپر کھڑا ہے گھر بیٹھا
جب اجارے پہ آکے چھت ٹھہری — ہم سبھوں میں یہ مصلحت ٹھہری
آؤ اب چھوڑ کر یہ گھر نکلیں — کسو ٹٹی پہ بیٹھ کر نکلیں
دب کے مرنے سے ڈوب مرنا خوب — ہے کنارا یہاں سے کرنا خوب
گٹھڑی کپڑوں کی میں اٹھائی تھی — سر پہ بھائی کے چارپائی تھی
بوجھ کپڑوں کا جس نے باندھا تھا — اس کا سالنگار کاندھا تھا
ساتھ کوئی چراغ لے نکلا — کوئی سر پہ اجاغ لے نکلا
چھاج کی کوئی کر کے اوٹ چلا — مینھ کے مارے کوئی لوٹ چلا
ایک نے بوریا لپیٹ لیا — اور پایا جو کچھ سمیٹ لیا
اپنا اسباب گھر سے ہم لے کر — انگنی سب کے ہاتھ میں دے کر
صف کی صف نکلی اس خرابے سے — تاک پہونچیں کہیں شتابی سے
جس نے اس وقت آنکھ کو کھولا — ہنس کے بے اختیار وہ بولا
بیرجی اس طرح سے آتے ہیں — جیسے کنجڑے کہیں کو جاتے ہیں
سن کے اس بات کو ترسے ہم — بارے ایک بھائی کے گھر آئے ہم
شب سے رہنے کو اب تلک ہیں خراب — نہیں ملتا ہے گھر بقدر حساب

جس میں خوش یک نفس معاش کریں
طور پر اپنے بود و باش کریں

مبر

۳۶۔ اوائل سرما

نظر آتے ہیں جتنے تالاب خام — وہ اوڑھے ہیں کھنی کی چادر تمام
میسر نہیں یہ بھی کپڑا اگر — سنگھاڑوں کے پتوں سے ڈھکتے ہیں گر
وہ پانی پہ کائی بھی جمنے لگی — وہ کچھ دھار دریا کی تھمنے لگی
وہ ندی کا زوروں پہ بہنا نہیں — وہ پانی بھی جھیلوں کا میلا نہیں
کلنگ اور سرخاب باندھے قطار — گرے آکے جھیلوں پہ وہ بے شمار۔
کنارے کنارے وہ بگلوں کی صف — جو اصلی ہوں لے بیٹھیں ہر طرف
برابر جو بیٹھے صفیں باندھ کر — کہیں جدولیں صفحۂ آب پر

پئے سیر اب لوگ جانے لگے
شکاری بھی جھیلوں پہ آنے لگے

بے نظیر

۳۷۔ موسم سرما

چلی زور سے کیا ہوا رات کو — قیامت کا پالا پڑا رات کو
رضائی میں چھپ کر جو لیٹے ہیں آج — گلوبند سر سے لپیٹے ہیں آج
تھا جن جن کو نازک مزاجی پہ لاف — ہیں لادے ہوئے وہ بھی چار لحاف

گری برف ٹھٹھری جو ٹھنڈی ہوا — رگوں میں لہو اب تو جمنے لگا
دمِ شب ہے زور سردی کا اور — جدھر دیکھو بڑھ جائے وقہوہ کا زور
دوشالے دکھاتے ہیں کیا کیا بہار — کوئی شال اوڑھے کوئی جامہ وار
عمامے کا چلتا نہیں زور و پیچ — ہے سردی کے آگے دلائی بھی ہیچ
وہ گل جن کو ڈھاکے کی ململ تھی بار — نہیں آج کمل سے بھی ان کو عار
قبا تھی گراں جن پہ تنزیب کی — پہنتے ہیں اب کوٹ اچکن وہی
جو کہتے تھے اپنے کو آتش مزاج — چڑھائے ہیں دستانے ہاتھوں پہ آج
کہیں کمرے میں تاپتے ہیں حسین — کوئی ہاتھ ہی سینکتا ہے کہیں
وہ رنگیں کپڑے جھلکتے ہوئے — انگیٹھی میں کوئلے دہکتے ہوئے
نہیں بھاتی معلق درختوں کی چھاؤں — ہوا میں ٹھٹھرتے ہیں اب ہاتھ پاؤں
نہیں پبینٹ سے خالی کوئی دوکان — اُترتے ہیں بانات پھلور کے تھان
نزاکت بھری نکّو کی وہ فرد — کہیں سرخ و سبز اور کہیں زرد و زرد
غرض سب کے لب پہ ہے سردی کا ذکر — مگر فضلِ حق سے یہاں کیا ہے فکر
فقیر اپنے کمل میں بیٹھا ہے مست — پیالے پہ چڑھاتا ہے جامِ الست
ردائے نگاریں ہے لطفِ مجیب — رزائی کی جا ہے رضائے حبیب
تہِ مجمر ہے سینہ تو دم شعلہ بار — ہیں انگارے داغِ غمِ عشقِ یار
لگائے ہوئے سوزِ دل کا الاؤ — فقیر اپنی مونچھوں کو دیتا ہے تاؤ

قریب آٹھ بجنے کے پہنچے مگر ابھی تک نہیں آتا سورج نظر
یہ معلوم ہوتا ہے۔ ہے وقت شام
قیامت کا چھایا ہے کیسا اتمام بے تدبیر

۳۸۔ جاڑے کی بارش

چھپا سورج گھٹا آئی فلک پر
بڑھی سردی ہوا چلتی ہے صرصر
لو اب بوندیں بھی کچھ پڑنے لگی ہیں
مہاوٹ کا مزا دکھلا رہی ہیں
گھٹا میں کچھ ہے بجلی کی چمک بھی
گرج بھی آسماں پہ ہے کڑک بھی
لگے پڑنے ٹپا ٹپ خوب اولے
کوئی سردی میں کیوں کر ہاتھ کھولے
پڑا ہر ایک کو جاڑے سے ہے پالا
ہوا ہے کار کمبل اور دوشالا
بدن پر لاد رکھا ہے اوورکوٹ
نئے ہیں اس میں ہم سردی کی کھا کے چوٹ
نہیں کچھ کام دیتی ہے رزائی
بہت بیرزن تلے ہم نے دبائی
ہوئے سردی سے دونوں ہاتھ لکڑی
کوئی چیز اب نہیں جاتی ہے پکڑی
ہوا ہے تھامنا مشکل قلم بھی
نہیں ہے انگلیوں میں اتنا دم بھی
شکایت ہے بہت سردی کی گھر گھر
سب انساں کانپتے رہتے ہیں تھر تھر
برسے لگتے ہیں بادل آسماں پر
گھٹا سردی کی چھائی ہے جہاں پر

وجاهت

۳۹۔ کہرا

برس مینھ دو دن میں کھل ہی گیا ولیکن ہے کہرا لطیفہ نیا
کہ اندھیر تھا جیسے ظاہر ہو دود ہوئے ہونٹ سردی سے سب کے کبود
دل اس دودِ تیرہ سے گھبرا گیا کہیں آگ دیکھی تو جی آ گیا
یہی چال تھی ایک دو چار کوس جو ٹھنڈی ٹھنڈی پڑی ایسی اوس
تراکم قیامت تھا اشجار کا ستم پھر ہوائے ستمگار کا
کہ اس مرتبہ باد وہ سرد تھی ہوئے سُن مگر برف پرورد تھی
بباد سموم سے کوئی گھبرا پڑے جنھیں دیکھو وے کانپتے ہیں کھڑے
ہوا سرد ہو کر گئی جان مار
اٹھایا بڑا لطفِ سیر و شکار

میر

۴۰۔ دوپہریا

قریب آتی جاتی ہے اب دوپہر پگھلنے لگی برف کہسار پر
صدا پتیوں سے نکلنے لگی ہوا بھی ذرا تیز چلنے لگی
قریب آ گئی وہ درختوں کی چھاؤں ہوئے خوب قابو میں اب ہاتھ پاؤں

چرائی سے پھرنے لگے جانور — وہ پانی پہ گرنے لگے جانور
وہ ہر لہر بجلی دکھانے لگی — نظر پانی پہ تلملانے لگی
بہت صاف ہے گو سپہرِ کہن — وہ منڈلا رہی ہیں مگر کچھ زغن
درختوں پہ بیٹھے ہیں کچھ دُور دُور — وہ اُڑتے ہیں نالوں پہ بھی کچھ طیور
ہرن اور چیتل نکلنے لگے — وہ پی پی کے پانی اچھلنے لگے

ہوئے آبِ شیریں سے جو بہرہ ور
تو کیا کیا کلیلوں پہ ہیں جانور

بے نظیر

۱۴۔ سہ پہر سرما

ڈھلا دن سنہری ہوئی سطحِ آب — پہاڑوں میں چھپنے لگا آفتاب
دکھاتے ہیں چوٹی وہ زرّیں کھجور — گیا بھاگ کر سایہ تاڑوں کا دُور
شعاعوں کے ٹیلوں پہ ہیں کچھ نشان — چلے گاؤں کو گلّے لے کر شبان
وہ مزدور سڑکوں سے آنے لگے — سرا کو مسافر بھی جانے لگے
کھنچا سُرخ پردہ وہ افلاک پر — نہیں آتا اب زرد سورج نظر
وہ جو لکّۂ ابر ہیں دُور تک — ہے ان میں بھی یاقوت کی سی چمک
شفق پھول کر یہ ہوئی خوں فشاں — بنا عرصۂ قتل گہ آسماں

ہوا ہر طرف ایک سکوت آشکار | ہوا کم ہوئی ٹھیری دریا کی دھار
جو تھوڑی سی آتی تھی بدلی نظر | وہ سونے کا پتر بنی سر بسر
ہوا جھٹ پٹا وقت ۔ بدلا سماں | لگا کھولنے جعدِ شب آسماں
نہیں بدلیوں میں بھی اب وہ چمک | بنا گنبدِ سنگِ موسئے فلک
فلک روشنی دن کی کھونے لگا | اندھیرا سا باغوں میں ہونے لگا

درخت اپنے چہرے چھپانے لگے
بخارات دریا پہ چھانے لگے

بے نظیر

فصل سرما

۴۲ -

ڈھکی چوٹیاں برف سے سربسر | کہ چاندی چڑھائی ہے کہسار پر
کھلے پھول گیندے کے وہ زرد زرد | چلی آتی ہے کیا ہوا سرد سرد
وہ گل مہندی پھولی کھلے گلفرنگ | چمکتا ہوا وہ ہزارے کا رنگ
وہ نیلم کے ساغر لئے کاسنی | وہ سورج کی ہم شکل سورج مکھی
وہ گوبھی کے پتے اکڑنے لگے | بتاشے بھی دو چار پڑنے لگے
اناروں میں کلیاں بھی اب آ گئیں | وہ کیلوں کی پھلیاں بھی گدرا گئیں
ہیں سیب امرود پکنے لگے | وہ شاخوں میں کولے چمکنے لگے

وہ پک کر شریفے بھی سب کھل گئے ٹپک پڑتے ہیں جو زرا ہل گئے
لدی ہیں درختوں پہ نارنگیاں جھکی پڑتی ہیں بوجھ سے ڈالیاں
ہزارے لٹکتے ہیں کیا لال لال جڑے ہیں زمرد کے جھاڑوں میں لال
غضب عشق پیچاں کا شاخوں پہ بیل وہ نازک وہ باریک پتی کی بیل
تراشے ہیں قدرت نے کیا بے مثال کرن پھول یاقوت کے لال لال
وہ کچھ پھول سرسوں پہ آنے لگے ذرا کھیت جوبن دکھانے لگے
کہیں چھوٹے چھوٹے وہ چیری کے پھول کہیں اودے اودے وہ السی کے پھول
نظر آتی ہے صنعِ ربِ انام زمرد کی چھڑیوں پہ نیلم کی شام
ہوا جب اڑاتی ہے جنگل کی ریت
تو کیا لہلہاتے ہیں گیہوں کے کھیت

بے نظیر

۴۳ ۔ بہار

بہار آئی اک دھوم سی مچ گئی عروسِ چمن رنگ میں رچ گئی
صبا میں جو کچھ گدگداہٹ سی ہے لبِ غنچہ پر مسکراہٹ سی ہے
ہوا میں یہ کیفِ مئے ناب ہے چمن کا چمن مست و شاداب ہے
غضب بھینی بھینی گلوں کی مہک ستم ہلکی ہلکی ہوا کی سنک

جو گاتے ہیں مرغانِ شیریں زباں
بجاتے ہیں برگِ شجر تالیاں

بے نظیر

۴۴۔ بہار

آئی ہے بہارِ مے گساراں　　پھولے ہیں چمن میں گل ہزاراں
آئی ہے بہارِ ہر خیاباں　　ہے لطف ہوائے گل بداماں
آئی ہے بہارِ مرغِ گلزار　　کرتا ہے نوائے سینہ افگار
لایا ہے بزور اس کا نالہ　　مجھکو بھی برائے سیرِ لالہ
اطرافِ چمن کھلا ہے لالہ　　ہر پھول شراب کا ہے پیالہ
تحریکِ نسیم و صبحدم ہے　　تکلیف ہوائے گل ستم ہے
ہے سرو جوان نشہ در سر　　لوٹے ہیں روش پہ سبزۂ تر
ہر شاخ بشوقِ جام در دست　　نرگس ہے کسو کی نرگسِ مست
ابروں نے بھی کی ہے مے پرستی　　اُٹھتے ہیں بصد سیاہ مستی

لوندوں کا جو لگ رہا ہے جھمکا
رنگِ گل و لالہ زور چمکا

ساقی تنک ایک موسمِ گل کی طرف بھی دیکھ　　ٹپکا پڑے ہے رنگ چمن میں ہوا سے آج

نکلی ہیں اب کے کلیاں اس رنگ سے چمن میں   سر جوڑ جوڑ جیسے مل بیٹھے ہیں احباب

بہار آئی ہے غنچے گل کے نکلے ہیں گلابی سے   نہالِ سبز جھومیں ہیں گلستاں میں شرابی سے

چلتے ہو تو چمن کو چلیے سنتے ہیں کہ بہاراں ہے   پات ہرے ہیں پھول کھلے ہیں کم کم باد و باراں ہے

میر

۴۵۔ بہار

بہار آئی نکھرے نہال چمن   بدلنے لگے نخل رختِ کہن
وہ بوٹوں میں کلیے لگے پھوٹنے   عنادل کے چہکے لگے چھوٹنے
درختوں نے پہنا وہ دھانی لباس   لبِ نہر سبزہ زمرد اساس
نئی پتیاں وہ چمکنے لگیں   وہ کھل کھل کے کلیاں مہکنے لگیں
رہا چمن سر سبز تازہ بہار   وہ پھولی حنا ہر طرف عطر بار
وہ شاخوں پہ کونپل نکلنے لگی   درختوں کی صورت بدلنے لگی
بنفشہ کہیں سنبلِ تر کہیں   کہیں سوسن و گل بہار آفریں
گلستاں میں ہر سو شمیمِ بہار   اُڑی دوشِ بادِ سحر پر سوار
حسینانِ نازک ادا لالہ رو   روش پر ٹہلتے ہیں ہم رنگ و بو

کھلے پھول بیلے کے وہ لاجواب   وہ پھولے ہزاروں طرح کے گلاب
وہ پھولی چنبیلی کھلا موگرا   کھلی چاندنی باغ میں جا بجا
چمن زیورِ گل سے زیبا نگار   وہ نوخاستہ نوعروسِ بہار
یہ فطرت کا ہے قدرتی انتظام   کھلے پھول لاکھوں روپہلے تمام
وہ پھولوں پہ اُڑتی ہوئی تتلیاں   دکھاتی ہیں قدرت کی صنّاعیاں
گریں پھولوں پر شہد کی مکھیاں   وہ چھتوں سے جھکنے لگیں ٹہنیاں
بھری گود شاخوں کی اثمار سے   ٹپکنے لگا شہد اشجار سے
وہ گدرائے پھول رنگ لانے لگے   انار اپنا جوبن دکھانے لگے
وہ انگور وہ رس بھری پھلیاں   لٹکتی ہیں آموں میں وہ کیریاں
تروتازہ سرسبز ہے ہر شجر   لدے ہیں درختوں میں فصلی ثمر
وہ صحرا کی دیکھے کوئی آب بہار   کہ پھولوں سے ہر شاخ ہے شعلہ زار
وہ پھولا ہوا ڈھاک بھی ہر طرف   لگائی ہے اک آگ سی ہر طرف
وہ سُرخی میں سینبھل کے گل بے عدیل   دکھاتے ہیں لطفِ ریاضِ خلیل
وہ سہے کے پھولوں کی بو تیز و تند   جسے سونگھتے ہی کھلے ذہن کند
دکھاتے ہیں اس وقت کیا بانکپن   چمکتی ہو چاندی کی جیسے کرن
کدھر سے یہ آئی ہوا یا عجیب   کہ ہے کرونندے کا جنگل قریب
عجب مست خوشبو ہے پھولوں کی وہ   ہوئی جاتی ہر دل کی حالت تباہ

بہت دُور وہ جھاڑیاں میں مگر — ہوا میں لپٹ آ رہی ہے ادھر
کرن پھول اکو سر لیے بے شمار — دکھاتا ہر چاندی کے گھنگھرو دار
وہ جن کے وش سرخ آتش بگچی کے پھول — املتاس اور ناگنگنی کے پھول
وہ صحرا کا ہر نخل پھولا ہوا — غم با دصر صر کو بھولا ہوا
ہوا میں ہے نشو و نما کا اثر — ہیں مستی پہ وحش و طیور و بشر
نہیں ہوتا یہ زور مستی کبھی — کہ ہر شے پہ چھائی ہے اک بیخودی

میں اس شانِ قدرت پہ ہر دم نثار
دکھائی ہیں جس نے کیا کیا بہار

بے نظیر

۴۶ - برگ گل

ورق مصحفِ حکمتِ رب کا ہے — کہیں برگِ گل کی نہ ہو پائمالی
یہ گل آہ یہ جانِ حسن و نزاکت — یہ صانع کا آئینہ بے مثالی
نثار اس پہ حسنِ حسینانِ عالم — فدا اس پہ شاعر کی نازک خیالی
یہ حب الجمال اس کی خوبی سے ثابت
ادب اس کا تعظیم صناعِ عالی

خاتون از علیگڑھ

۷۴ - ککڑی

کیا پیاری پیاری میٹھی اور پتلی پتلیاں ہیں گنے کی پوریاں ہیں ریشم کی تکلیاں ہیں
فرہاد کی نگاہیں شیریں کی ہنسلیاں ہیں مجنوں کی سرد آہیں لیلیٰ کی انگلیاں ہیں
کیا خوب نرم و نازک اس آگرہ کی ککڑی
اور جس میں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی

کوئی ہے زردی مائل کوئی ہری بھری ہے پکھراج منفعل ہے پنے کو تھرتھری ہے
ٹیڑھی ہے سو تو چوڑی وہ ہیرے کی ہری ہے سیدھی ہے سو وہ یارو رانجھے کی بانسری ہے
کیا خوب نرم و نازک اس آگرہ کی ککڑی
اور جس میں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی

چھونے میں برگ گل ہے کھانے میں کرکری ہے گرمی کے مارنے کو ایک تیر کی سری ہے
آنکھوں میں سکھ کلیجے ٹھنڈک ہری بھری ہے ککڑی نہ کہیے اس کو ککڑی نہیں پری ہے
کیا خوب نرم و نازک اس آگرہ کی ککڑی
اور جس میں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی

بیل اس کی ایسی نازک جوں زلف پیچ کھائی بیج ایسے چھوٹے چھوٹے خشخاش یا کہ رائی
دیکھا اس کی ایسی نرمی باریکی اور گلائی آتی ہے یاد ہم کو محبوب کی کلائی
کیا خوب نرم و نازک اس آگرہ کی ککڑی
اور جس میں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی

لیتے ہیں مول اس کو گل کی طرح سے کھس کے — معشوق اور عاشق کھاتے ہیں دو نوالے
عاشق تو ہیں بجھاتے شعلوں کو اپنے دل کے — معشوق ہیں لگاتے ماتھے پہ اپنے چھلکے
کیا خوب نرم و نازک اس آگرہ کی ککڑی
اور جس میں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی

جو ایک بار یارو اس جا کی کھائے ککڑی — پھر جا کہیں کی اس کو ہرگز نہ بھائے ککڑی
دل تو زلیخا عشق ہے یعنی منگائے ککڑی — ککڑی ہے یا قیامت کیا کہیے ہائے ککڑی
کیا خوب نرم و نازک اس آگرہ کی ککڑی
اور جس میں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی

نظیر

۴۸۔ تربوز

کیوں نہ ہو سبز زمرد کے برابر تربوز — کرتا ہے خشک کلیجے کے تئیں تر تربوز
دل کی گرمی کو نکالے ہے یہ اکثر تربوز — جس طرف دیکھیے بہتر سے ہے بہتر تربوز
اب تو بازار میں بکتے ہیں سراسر تربوز

کتنے کھاتے ہیں نزاکت سے تراش اور چیر کر — تا کہ سینہ ہو خنک شربت سے ٹھنڈا ہو جگر
کتنے شیرینی ہی کے پیتے ہیں کٹورے بھر بھر — کتنے بیجوں کو ٹھونگتے ہیں خوشی ہو ہو کر
کتنے کھاتے ہیں لطافت سے منگا کر تربوز

میٹھے اور سرد ہیں اتنے کہ ذرا نام لئے
ہونٹ چپکے ہیں جدا دانت ہیں کر کر بجتے
شب کو دو تین منگا کر جو ترے اینٹے ہیں نے
کیا کہوں میں کہ مٹھائی میں وہ کیسے نکلے
کوئی اولا کوئی مصری کوئی شکر تربوز

نظیر

۴۹. آموں کی بہار

وہ باغوں میں چھوٹے بڑے بے شمار
وہ ساون بھی گانے لگے گل عذار
ہوا زور سے چلتی ہے سرد سرد
تو ہلتے ہیں کیا آم وہ سرخ و زرد
ہے تشبیہ آموں کی یہ برمحل
زمرد کے پتے زمرد کے پھل
جو سیندوریہ ان میں ہیں بے شمار
ہیں لعل بدخشاں بھی ان پر نثار
پپیہے جو شاخوں میں ہیں بالعموم
ہوئے آ کے وہ پوشش گویا نجوم
وہ ہلتے ہیں زرد آم جو سامنے
لٹکتے ہیں پکھراج کے قمقمے
پڑے ہیں وہ ٹپکے ہوئے بے شمار
زمیں ہو رہی ہے جواہر نگار

بے نظیر

۵۰ ۔ آرائشِ باغ

وہ گلزارِ بے خار نزہت سرشت — زمیں اس کی رشکِ زمینِ بہشت
کہیں لالہ و گل کہیں یاسمن — طرب خیز ہر سو بہارِ چمن
نشاط آفریں شورِ بلبل کہیں — مسرت فزا خندۂ گل کہیں
گلاب اور کیوڑے کی نہریں رواں — روش پر بچھائی ہوئی زعفراں
ملا دو وہ مشک و عنبر کہیں — اسی سے ہے سینچی ہوئی کل زمیں
وہ چاروں طرف چادرِ آبشار — وہ فواروں کی چاندنی میں بہار
وہ ہر شاخ سرمستِ صہبائے عیش — کھلیں جس کے دیکھے سے گلہائے عیش
جواہر نگارِ لبِ آبِ جو — قرینے سے رکھے ہوئے سو بسو
کہیں ارغواں ہے کہیں موتیا — کھلے پھول ہر رنگ کے جا بجا
کہیں مست کن کامنی کی شمیم — کہیں عطر سا کاروانِ نسیم
وہ خوش رنگ پھل زینتِ شاخسار — ہیں روشن کنول یا جواہر نگار
کہیں دانۂ رز چمکتے ہوئے — ثریا سے خوشے لٹکتے ہوئے

ہر اک رنگ کے پھول پھولے ہوئے
حوادث کو یک لخت بھولے ہوئے

بے نظیر

۵۱ ۔ گلگشتِ چمن

جو راہی ہوا کاروانِ نجوم ‏— ہوئی آمدِ مہرِ تاباں کی دھوم
شفق میں چمکنے لگی وہ کرن ‏— سنہری ہوئی سقفِ چرخِ کہن
[illegible] ‏— جگایا اُسے حسن انداز سے
ہے نقشِ سلیماں یہاں ایک باغ ‏— کہ رضواں کا [illegible]
کھلے ہیں ہزاروں طرح کے گلاب ‏— وہاں اور پھولوں کا پھر کیا حساب
چہکتے ہیں کیا بلبلِ خوشنوا ‏— سہانا ہی وقت ہے سیر کا
کہا شہ نے بہتر ہے چلیئے ابھی ‏— وہیں چل کے بہلائیں کچھ دیر جی
یہ کہہ کر اُٹھے دونوں وہ بامُراد ‏— چلے جانبِ باغ مینو سواد
ابھی ہیں وہ گو کچھ گلستاں سے دور ‏— لگا کھینچنے دل نوائے طیور
جو پہنچے در باغ تک شہ و نگار ‏— قدم لینے دوڑی نسیمِ بہار
دعائیں لگے دینے برگِ چمن ‏— گری لوٹ پاؤں پہ شاخِ سمن
ہر اک فرش سبزہ بچھانے لگا ‏— قدم سر پہ جادہ اُٹھانے لگا
پھرے گرد آ آ کے مرغِ ہوا ‏— بلائیں لگی لینے موجِ صبا
روش خاکساری دکھانے لگی ‏— کہیں نرگس آنکھیں بچھانے لگی
پڑھا دیکھ کر بلبلوں نے درود ‏— ہلانے لگی مورچھل شاخِ عود

خوشی سے شگفتہ ہوا ہر اِک گل — بڑھی مستیوں میں لپٹ کے خوشبوئے گل
جھکا کر سرِ گیسوئے پُر شکن — لگا جھاڑنے سنبلِ تر چمن
بچھانے لگی صبح کافورِ ناب — چھڑکنے لگی شبنمِ گل گلاب
بڑھا پیشوائی کو جوشِ نمو — چلی رکھ کے سر خاک پر آب جو
جھکی شاخِ گل رسمِ تسلیم کو — اُٹھے سرو شمشاد تعظیم کو
زرِ گل کیا باغباں نے نثار — تصدق ہوئی نوعروسِ بہار

جما خوب گلشن میں دربارِ عیش
دیا نذرِ قدرت نے گلزارِ عیش

— نظیر

۵۲۔ بسنتی رنگ کی بہار

چلے ساقیا دور گم ہوں حواس — کہ جوبن دکھانے بسنتی لباس
اُٹھا جامِ زریں پلا بے درنگ — کہ عاشق کے حصے میں ہے زرد رنگ
ڈھلے زعفرانی شرابِ نیاز — کہ مستی میں کھولوں میں رازِ مجاز
وہ بور آئے آموں پہ ہے کیا سماں — چٹکتی ہیں کھمراج کی کلیاں
دکھاتے ہیں دُو چار پھول اپنا جھول — ہیں پر دُور تک جھومے سرسوں کے پھول
ہے اس زرد چادر میں اتنا اثر — اِدھر چل کے آتی نہیں پھر نظر

دیا کس نے یہ آب زر سے قیاس — کہ ہر کھیت کا ہے سنہری لباس
یہ زربفت اور کامدانی کا کام — کیا کس نے مخمل پہ یکساں تمام
یہ مستی دکھائی ہے ہر پھول نے — کہ آنکھوں میں سرسوں لگی پھولنے
نظر طرفہ رنگ لانے لگی — ہتھیلی پہ سرسوں جمانے لگی
چلی لوٹنے رنگ عشاق کو — وہ سوجھی یہ سوجھے جو قزاق کو
سنہری ہوئی سن کی پکی پھلی — چھڑے اور چھاگل بجانے لگی
گلے میں کھجوروں کے وہ چمپتی — پنہائی ہے موسم نے چمپاکلی
وہ پھولا کسم غیرت زعفراں — بنا رشک کشمیر ہندوستاں
سنہری امر بیل کی نتھ ببول — وہ پہنے ہے اور کیل ہیں زرد پھول
چمکتی ہے وہ گوندنی دور سے — کہ یہ قدرتی زرد موتی پھلے
چمک میں وہ سینکوں کی ہیں کیا بہار — کہ قدرت نے کھینچے ہیں سونے کے تار
وہ ہلتی ہے سرسے کی سوکھی پھلی — لٹکتی ہے سونے کی یا پچلڑی
جو سبزے میں کچھ اناج کے زر ریز — دکھاتے ہیں سونے کے جگنو کنیز
تتر کی وہ چڑیاں جو بیٹھی تھیں سب — دیئے زر کے جوشن انہیں کس نے اب
وہ کیا کیا چمکتی ہیں ککڑی کی پھانک — بنائی ہے قدرت نے کندن کی ٹانک
وہ نیمو جو تھے کاغذی سبز تر — لٹکتے ہیں ان بن کے تعویذ زر
پہاڑی کسوٹی جو ہے سامنے — بلاق اس کو سونے کے کس نے دیئے

وہ پہنے ہیں انسے کی بھی ڈالیاں　　سنہری کامر بیل کی بالیاں
وہ گیندے کی شاخیں جو ہیں سبز فام　　ہیں لٹکائے کندن کے جھمکے تمام
ہوئی زرد یک کر کلی یاسمین کی　　چمکتی ہیں کیا بجلیاں چمپئی
وہ چمپا کہ خجلت وہ لاجورد　　نما کیا ہے جھومرا سے زعفمہ
اٹھائے ہوئے ہاتھ سوسن جیسکی　　دکھاتی ہے سمنک زرد آرسی
جو داؤدی کے زرد غنچے کھلے　　کرن پھول ان کو کہاں سے ملے
ہری گل دو پہلی کی تھی جو ادھر　　بنی جھاڑ جھمکیں اج کا سربسر
لئے جام زریں بصد آب و تاب　　وہ کیا زرد زرد آج پھولا گلاب
سنہری جو گوبھی میں پھول آئے ہیں　　کٹورے بسنتی کے اوندھائے ہیں
وہ پھولوں پہ ہر سمت چھایا بسنت　　وہ بلبل بھی گاتے ہیں کیا کیا بسنت
درختوں سے وہ اتری آتی ہے دھوپ　　زمیں پر جو سونے کا سا تھی پڑی دھوپ
پڑا زرد کرنوں کا عکس آب میں　　ہوا زرد پانی بھی تالاب میں
بسنتی ہے یہ جامۂ ہر بشر　　کہ ہلدی بھی شرمائی ہے دیکھ کر
ہے معشوق یا صاحب درد ہے　　جسے دیکھئے زرد ہی زرد ہے

نہ کیوں اتنی زردی پہ ہو عقل دنگ
یہ چھایا ہے اُنکے عاشق کا رنگ

بے نظیر

۵۲۔ لمودری

کیا آب و تاب تجھ میں　　نہیر لمودری ہے
پربت کی تو ہے دیوی　　یا قاف کی پری ہے

آبِ حیات ہے تو　　روحِ نبات ہے تو
تو جان و دل کی ٹھنڈک　　اور آنکھ کی تری ہے

تو کھیلتی ہے بن میں　　اور لوٹتی چمن میں
نسرین و نسترن میں　　تیری معموری ہے

گلنار وہ رنگیلی　　شالی وہ پیلی پیلی
ریحاں وہ نیلی نیلی　　کیا صنع داوری ہے

رخشندہ سنگ پارے　　ہیں چاند یا ستارے
تیری یہ کنکری ہے　　الماس سے کھری ہے

لعل و گہر کے معدن — ہیں یا ترے جیب و دامن
اور موتیوں سے ہر دم — جھولی تری بھری ہے

چشمے ترے مقطر — ہیں جام جم سے بڑھ کر
ٹیلوں کی فوج سر پر — سد سکندری ہے

برف آب سے لبالب — ہر دم ہے تیرا ساغر
ساقی بزم تیرا — خورشید خاوری ہے

حسن و جمال تیرا — غنج و دلال تیرا
ہر خط و خال تیرا — طرز ادائے دلبری ہے

ہے تیری دھن نرالی — کیا دل لبھانے والی
جنگل میں کوئی جوگن — محو نواگری ہے

ناظر

۵۴ - حباب

ہر حباب اس کا نزاکت جوش تھا — موج کی تھالی کا وہ سرپوش تھا
یا کہ تھی دریا نے پہنی کہہ کے چاہ — سر پہ شبنم کی فقط سادی کلاہ
یا ہوا نے قصد کر کے خواب کا — تھا وہ بے چوبہ بنایا آب کا
درجِ سیمیں ہوش اس پر کھوتا تھا — گنبدِ گردوں تصدق ہوتا تھا
کس نے دیکھا اس سوا بہتا ہوا — آب پر الٹا کٹورا سیم کا
کس نے غیر از اس کے دیکھی تھا بیاں — آب پر چینی کی الٹی پیالیاں
تھی ہوا اس میں وہ کچھ خوبی بھری — جس طرح ہوتی ہے شیشے میں پری
کیا کہوں اس کی صفائی اور چمک — کاسۂ بلور جاتا تھا ولک
موتیوں پہ جم کے اولے پڑتے تھے — دل میں شیشے کے پھپھولے پڑتے تھے

اب کہوں میں اس کی خوبی تا کجا
بندہ رہی تھی دور میں اس کی ہوا

نظیر

۵۵ . سکون

دلِ صافی پہ ہوائے مہرِ خدا کی رحمت
میں نے محسوس کیا ہے بہت آرام یہاں

گوشۂ عافیت اس کو کہیں تو زیبا ہے
کیسی تسکین کا ہے کیسے سکوں کا یہ مکاں

جس طرح شہر سے کچھ دور کوئی مندر ہو
شارعِ عام سے ہٹ کر نہ ہو بھیڑ جہاں

کوئی جائے بھی جو اس جا تو ارادہ کر کے
یہ نہ ہو ہر کس و ناکس ہو وہاں گشت کناں

جائے تنہا ہو مکاں گوشۂ عزلت سا ہو
جس طرف دیکھو نظر آئے خوشی کا سماں

سایہ فگن ہو کہن سال درخت اس جا پر
ایسی ٹھنڈک ہو کہ بس آئے تو ہاں جلتی میں جاں

صحن میں آبِ مصفا کا بڑا حوض بھی ہو
اور وہ ایسا ہو سکوں کہ نہ ہو جس کا بیاں

گرد میں ہوں روشیں بیش بہا پتھر کی
صاف ایسی کہ نہ تنکا بھی نظر آئے وہاں

سامنے آنکھ کے مندر کا ہو برجِ سنگی
جس کی تعمیر کو برسوں ہوئے ہوں یا صدیاں

غرض ایسا ہو مکاں اور تو واں بیٹھا ہو
اور خموشی و سکوں چار طرف سے ہو عیاں

تو وہاں بیٹھا ہو آرام سے اور تیرے سوا
آدمی زاد کا کوسوں نہ نظر آئے نشاں

دیکھ کر آنکھ میں ہو نور طبیعت میں سرور
تو یہ سمجھے کہ زمیں پر ہے یہی باغِ جناں

ہے یہی حال جو دیکھو تو دلِ صافی کا
وہی تسکین و سکون اور وہی راحت ہے یہاں

وہی ٹھنڈک ہے وہی نور و سرورِ موفور
ہے یہاں بھی وہی تسکین و خموشی کا سماں

میں یہاں بیٹھ کے اے مہر مزے لیتا ہوں
اور سمجھتا ہوں زمیں پر ہے یہی باغِ جناں

مہر

۵۶۔ مقبرہ نور جہاں

کیا اسی بیگم کا ہے یہ خوار خستہ مقبرہ
برسوں ڈنکا جس کا ملکِ ہند میں بجتا رہا

جس کی صورت جلوۂ فردوس کی تصویر تھی
جس کی رنگینی بہایِ خطۂ کشمیر تھی

جس کی رنگین بزم رشکِ روضۂ فردوس تھی
بے کسی سے اس کے روضہ کی ہے کیا صورت بنی

ظالموں نے قبر کا تعویذ تک چھوڑا نہیں
کونسا گوشہ ہے تربت کا کہ جو توڑا نہیں

بد لر بھی سے خجل ہوتی تھی جس کے پھلجڑی
حیف وہ خاموش آغوشِ لحد میں ہے پڑی

قصر میں جس کے تھا بچھتا فرش دیبا و حریر
آہ فرشِ خاک پر سوتی ہے وہ ماہِ منیر

جھرمٹ میں نازنینوں کے جو کرتی تھی بسر
آہ اس کی قبر پر اب بے کسی ہے نوحہ گر

سیج پر پھولوں کے سوتی تھی کبھی جو نازنیں
پھول دو سوکھے بھی اس کی قبر پر چڑھتے نہیں

جس کی پابوسی کی کرتے آرزو گلہائے تر
خشک کانٹوں کا پڑا ہے ڈھیر اس کی قبر پر

تھے میں جلتی تھیں جس کے شمعہائے عنبریں
حیف روشن اک دیا بھی قبر پر اس کے نہیں

نام روشن ہے جہاں میں آہ جس کا سر بسر
نام کو بھی روشنی آئی نہ اس کے قبر پر

کر دیئے جس نے بہت سے صاحب طبل و نشاں
اس شکستہ مقبرہ میں وہ پڑی ہے بے نشاں

جس نے صدہا خلعت دیبا و اطلس دیدیئے
حیف نہ سے اس کی تربت ایک چادر کیلئے

ما نام مرقد پر نشانِ لوح بھی پیدا نہیں
نقشِ نام نیک لوحِ دل سے مٹ سکتا نہیں

گر نہیں ہے گور پر اس کے دیا تو کیا ہوا
ہے جہاں میں نور اس کے نام کا پھیلا ہوا

نیک ناموں کے نشاں باقی رہیں گے حشر تک
کیا ہوا اگر دورِ گردوں نے مٹا دی قبر تک

حسرت

٥٧۔ دہلی کے کھنڈر

جدھر دیکھو اُدھر ویرانہ ہی ویرانہ پاتے ہیں
عجب ہُو حق کا عالم ہے جہاں اوسان جاتے ہیں
عجب عبرت فزا نظّارہ ہے گورِ غریباں کا
نشانِ نیست ان کے ٹھوکروں میں ملتے جاتے ہیں
شکستہ قبریں کچھ ہیں اور گڑھے دو چار باقی ہیں
جو اپنا خندۂ دنداں نما ہم کو دکھاتے ہیں
پڑے پھرتے ہیں دہقاں بے تکلف جن کی قبروں پر
وہ آغوشِ لحد میں بے خبر آرام پاتے ہیں
پڑے ہیں دور آبادی سے وہ اس کس مپرسی میں
ہم اُن کی بے کسی پر یوں کھڑے آنسو بہاتے ہیں
یہی ہیں جو چراغِ خانہ تھے اور بزمِ محفل تھے
اب اس شہرِ خموشاں میں انھیں بے یار پاتے ہیں
وہ دن بھی تھے کہ ان کی بزم میں نقارے بجتے تھے
مگر اب بوم ان کی قبر پر نوبت بجاتے ہیں
کہیں حسرت کہیں شوکت کہیں غفلت برستی ہے
نشانِ رفتگاں خاموش افسانے سناتے ہیں

یہ سناٹا یہ قبریں اور یہ میداں کہہ رہے ہیں کچھ
سنو سب بے ثباتی کے سُریلی راگ گاتے ہیں
یہ دنیا چند روزہ ہے مزے بھی چند روزہ ہیں
غرور و نخوت و دولت بھلا کس کام آتے ہیں
اُٹھو اے سونے والو بادۂ غفلت کے سرشارو
ذرا آنکھیں تو کھولو۔ دیکھو تم کو کیوں جگاتے ہیں
زباں خاموش کیوں ہے کچھ تو بولو کون تھے کیا تھے
پُچھا اپنی تم کہو ہم سے کچھ اپنی ہم سناتے ہیں
نہیں اُٹھتے نہیں سنتے الٰہی کیا قیامت ہے
یہ کیسے سنگدل ہیں اس طرح سے دل دکھاتے ہیں
بھلی معلوم ہوتی ہے تمہاری شان گمنامی
عدم کے رہنے والوں۔ تم سے ملنے ہم بھی آتے ہیں

محمد انعام الحق

۵۸. زلزلہ

بھونچال کا جو حق نے یہ نقشہ جما دیا
قدرت کا اپنی زورِ جہاں کو دکھا دیا
روشن دلوں میں نورِ نظر کا بڑھا دیا
غفلت زدوں کو ملنے کے ٹھوکر جگا دیا

دریا و کوہ و شہر و جنگل سب ہلا دیا
ایک آن میں ہلا دیا اور پھر تھنبا دیا

سنہ بارہ سو اٹھارہ میں یہ واردات تھی — اول جمادی بارہویں تاریخ سات تھی
دن بدھ کا جمعرات کی وہ آدھی رات تھی — بھونچال کیا تھا قدرت حق کی یہ بات تھی

دریا و کوہ و شہر و جنگل سب ہلا دیا
ایک آن میں ہلا دیا اور پھر تھنبا دیا

باہم کواڑ لڑ پڑے زنجیریں ہل گئیں — کڑیاں کڑک کڑک کے چھتوں سے نکل گئیں
چھجے ستون کانپے منڈیریں دہل گئیں — دیواریں جھوم جھوم کے پنکھے سے جھل گئیں

دریا و کوہ و شہر و جنگل سب ہلا دیا
ایک آن میں ہلا دیا اور پھر تھنبا دیا

قدرت کی تیغ کی ہے یہ کچھ آب و روری — کھٹکے ہی سب کے پڑ گئی سینوں میں تھرتھری
دارائی کام آئی نہ کچھ یاں سکندری — یک دم میں تھرتھرا گئی سب خشکی و تری

دریا و کوہ و شہر و جنگل سب ہلا دیا
ایک آن میں ہلا دیا اور پھر تھنبا دیا

بھونچال کی دھمک کا وہ سنتے ہی کھڑکھڑا — جی دھک سے تن میں ہو گیا اور دم نکل گیا
اوروں کے دل کی کیا کہوں جانے وہی خدا — پر میں تو جانا صور سرافیل پھک گیا

دریا و کوہ و شہر و جنگل ہلا دیا
ایک آن میں ہلا دیا اور پھر تھنبا دیا

بھونچال کا تو کہنے کی خاطر ہی نام تھا / یہ زور شور اور کی قدرت کا کام تھا
احکام ذوالمنن کا جہاں اہتمام تھا / یہ لرزہ تو وہاں کا اک ادنیٰ غلام تھا
دریا و کوہ و شہر و جنگل ہلا دیا
ایک آن میں ہلا دیا اور پھر تھنبا دیا

سب سے کرو خدا کے تئیں یارو دمبدم / آخر کریم تھا تو کیا اس نے پھر کرم
باقی تو کچھ رہی نہ تھی پر تھے گڑے قدم / اس آن گھڑی میں نہ پھر تھمتے قدم ہم
دریا و کوہ و شہر و جنگل ہلا دیا
ایک آن میں ہلا دیا اور پھر تھنبا دیا

بھونچال کیا وہ چاہے تو اک پل کے مارتے / کر ڈالے آسماں و زمیں اوپر اور تلے
اُٹھنے لگیں پہاڑ زمیں کی طرح پڑے / قادر قدیم دم میں جو کچھ چاہے سو کرے
دریا و کوہ و شہر و جنگل ہلا دیا
ایک آن میں ہلا دیا اور پھر تھنبا دیا

محکوم سب ہیں اس کے ہے حاکم وہی اکہ / تابع ہیں اس کے حکم کے ماہی سے تا بماہ
جب اس کا حکم آئے تو ہو کون سدِّ راہ / کیا حکم ہے عزیز ذرا دیکھو واہ واہ
دریا و کوہ و شہر و جنگل ہلا دیا
ایک آن میں ہلا دیا اور پھر تھنبا دیا

نظیر

۵۹. جگنو

جگنو کی روشنی ہر کاشانۂ چمن میں — یا شمع جل رہی ہے پھولوں کی انجمن میں
آیا ہے آسماں سے اُڑ کر کوئی ستارہ — یا جان پڑ گئی ہے مہتاب کی کرن میں
چھونے سے چاند میں ہے ظلمت بھی روشنی بھی — نکلا کبھی گہن سے آیا کبھی گہن میں

حسن قدیم کی یہ پوشیدہ اک جھلک تھی
لے آئی جس کو قدرت خلوت سے انجمن میں

اقبال

۶۰. تیتری

تیتری کا کبھی دیکھا ہے سجیلا خلعت
جامۂ خوش قطع وہ کچھ. اس پہ وہ خوش خوش خلعت
ٹکلیوں دار مثلث کی طرح کے دو پر
اس قدر نازک و باریک کہ ٹھہرے نہ نظر
چتیاں ان میں جو صد رنگ نظر آتی ہیں
میناکاری ید قدرت کی یہ دکھلاتی ہیں

دمبدم کھل کے پروں کا وہ ادا سے جڑنا
انھیں دو پنکھوں سے اس کا وہ ہوا پر اُڑنا
تالیاں کیسی بجاتی ہے یہ ہر آن ان سے
پر ہیں دو تخت رواں خود ہے سلیماں ان سے

ارشد

۶۱ - کبوتر

چڑھا تھوڑا سا دن تو آسماں پر — نظر آنے لگے کتنے کبوتر
کوئی چینی ہے کوئی ان میں نیلا — کسی کی دُم کے ہیں کالے سے کچھ پر
تڑاتڑ بازیاں کرتا ہے کوئی — تو رہ جاتا ہے کوئی پھٹپھٹا کر
کوئی تیزی سے اُڑتا ہے کوئی سست — لگاتا ہے کوئی چکر پہ چکر
اُٹھی ہے اور اک ٹکڑی وہ دیکھو — تماشے اب دکھائیگی پلٹ کر
نکل کر کوئی کرتا ہے جو بازی — تو ہو جاتا ہے پھر جھٹ پٹ برابر

سدھا رکھے ہیں خوب اس نے کبوتر
مزے سے اُڑ رہے ہیں مل ملا کر

وجاہت

۶۲۔ بئے کا گھونسلا

یہ بئے نے ہنر دکھایا ہے ——— واہ کیا گھونسلا بنایا ہے
اس میں ڈالا ہے تانا بانا بھی ——— کیا جولاہوں کو ٹھینگا دکھایا ہے
بن کے کپڑے کی تھیلی سی کر دی ——— کس نے یہ فن اسے سکھایا ہے
جانور بڑھ گیا جولاہے سے ——— بلکہ درزی کو بھی گھٹایا ہے
ہیں جولاہے کے گھر بہت سے رچھ ——— تب اسے بُننا تننا آیا ہے
رکھتا ہے سوئی دھاگا درزی بھی ——— جس نے سینے میں نام پایا ہے
کچھ بھی ساماں نہیں بئے کے پاس ——— چونچ سے سب یہ کر دکھایا ہے
گھونسلے میں ہیں رہنے کے کمرے ——— جھولنے کا بھی گھر بنایا ہے
ڈر نہیں کچھ بھی مینہ سے اولے سے ——— اور نہ آندھی سے خوف کھایا ہے
دھوپ کی بھی ذرا نہیں تکلیف ——— ہر جگہ گھونسلے میں سایا ہے
تیرے کیا کہنے چھوٹی سی چڑیا ——— تو نے چڑیوں میں نام پایا ہے

کرتا ہے تیری عقل کی تعریف
کوئی اپنا ہے یا پرایا ہے

وجاہت

۶۳۔ پرندوں کا لباس

کیسا ذی شان پرندوں کا ہے رنگیں بانا
نہیں آیا ہے کسی ایک کو بھی اترانا
ایک پوشاک مہینوں نہ بدلتے دیکھا
مدتوں تک اسی اک جامہ کو چلتے دیکھا
ایک وردی میں وہ خورسند رہا کرتے ہیں
دیکھ کر سب انہیں خوش باش کہا کرتے ہیں
ہے جڑاول میں ان کی یہی بارانی ہے
اسی جامہ سے انہیں گرمی میں ذیشانی ہے
جوڑا ماتم کا ہے یہی اور یہی شادی کا لباس
ایک کترن بھی نہیں اس کے سوا ان کے پاس
ان کو دھوبی کی نہ حاجت ہے نہ درزی کی تلاش
سوئی تاگے سے نہ مطلب ہے نہ ہے فکر تراش
یہی پوشاک پس مرگ کفن ہے ان کا
واہ۔ کیا خوب فقیرانہ چلن ہے ان کا

ارشد

۶۴ - بزمِ طیورِ سحر

تجلّی فشاں گنبدِ آسماں / نمودِ سحر کا سہانا سماں
تجلّیِ رحمت کا ہر سو ظہور / بسیروں سے اُڑنے لگے ہیں طیور
وہ کچھ کچھ جھلکنے لگیں کونپلیں / کہ وا اُترانے لگیں کونپلیں
پپیہوں نے دل پر لگائی وہ چوٹ / کہ معشوق بھی ہو گئے لوٹ پوٹ
طیورِ سحر گرمِ حمد و سپاس / ثنا سنج مرغانِ زرّیں لباس
کوئی لے بڑھاتا ہوا جوش میں / ہے آتش فگن خرمنِ ہوش میں
کوئی گٹکری لے رہا ہے کہیں / کوئی مینڈ ہی دے رہا ہے کہیں
خوش آیند لوری سریلی صدا / ہر ایک رنگ کے چہچہے جا بجا
کوئی زمزمہ سنج اس آن سے / کہ آڑی نکلتی ہے لے تان سے
دکھاتا ہے کوئی رکھب کی بہار / کوئی اپنے پنچم کے سُر پر نثار
لگاتا ہے دھیوت کوئی اس طرح / کہ سر ہے قبضہ میں ہوس طرح
چڑھی اُتری مدہم کی چل پھر کہیں / وہ گندھار پر زمزمہ دل نشیں
وہ جھوٹ اور سم کی تہمد پر بہار / وہ کوملوں کی بادی سُروں کا اتار
کوئی کر رہا ہے وہ مشقِ سند / دکھاتا ہے دُھن کی کوئی شد و مد
کوئی بول اور گت پہ نغمہ سرا / کوئی جوڑ اور انترے پر فدا

وہ ملتی ہیں سیپ کی جو تیاں
بجاتی ہیں ہر تال پر تالیاں
کہیں ٹیپ کی دوکان کا شور ہے
کہیں آڑے چوتالے کا زور ہے
صداؤں سے گونجا ہوا بن تمام
درختوں پہ حیرت کا جوبن تمام

سنا جب یہ ذکر خفی و جلی
اُٹھا بستر خواب سے مہر بھی

بے نظیر

۶۵۔ پرندوں کی عبادت

وقت سحر کی روحیں کیا کیا ہوں ہوں ہوں ہوں کرتی ہیں
ہوں ہوں ہوں ہوں ہوں کرکے ذکر کن او رفیکون کرتی ہیں

مرغے بولے ککڑوں کوں کوں مرغیاں کوں کوں کرتی ہیں
طوطیاں بھی سب یاد میں اس کی بہتوں بہتوں کرتی ہیں

سانجھ سویرے چڑیاں مل کر چوں چوں چوں چوں کرتی ہیں
چوں چوں چوں چوں چوں چوں کیا سب بچیں بچیں کرتی ہیں

قمری بولے حق سرہٗ بلبل بولے بسم اللہ
کبک بٹیری چاروں قل او تیتری ہی سبحان اللہ

دادر مور پپیہے کوئل کوک رہے اللہ اللہ
فاختہ کوکو تیتو ہو ہو طوطے بولیں حق اللہ

سانجھ سویرے چڑیاں مل کر چوں چوں چوں چوں چہلیں کرتی ہیں
چہلا چہلی چوں چوں چیں چوں کیا سب بچن بچوں کرتی ہیں

نظیر

۶۶ - گلہری کا بچہ

سفیدی میں وہ کالی دھاریاں ایسی رہی ہیں بن
کہ جیسے گال پر لڑکوں کے چھوٹے زلف کی ناگن
کناری دار پٹا جس میں گھنگرو کر رہے چھن چھن
گلے میں ہنسلی پاؤں میں کڑے اور ناک میں لٹکن
رہا ہے سر بسر گہنے میں لد بچہ گلہری کا

نظیر

۶۷ - بکری

کہتے ہیں جیسے غم نداری بز بخر
سو ہی لی ہیں ایک بکری ڈھونڈ کر
میں پڑھوں ہوں اس کے آگے شعر گر
اپنے ہاں گویا بزاخفش ہے یہ

رنگ سر سے پاؤں تک اس کے سیاہ — چکنی ایسی جس پہ کم ٹھہرے نگاہ
بکروں کی داڑھی کتیں جانے ہیں سب — تکہ یشی بکری کی ہے بوالعجب
چار پتیاں اس کی آئیں دید میں — دو جھال ہوتی ہیں دو دو جید میں
اس پہ کالے بکرے دو خیلا جنی — ناز نخرے سے رہی پھر
جدا بیٹھے کھڑتے ایک انداز سے — ڈیل پیٹھ تو ہوتے خوش اس ناز سے
دودھ پیو چوچی میں تو بچائیے — بھیا دیکھیے اس طرف منہ کو کیے
گھاس دانا بارے کچھ کھانے لگے — گرتے پڑتے پاس بھی آنے لگے
پرورش سے حق کی بارے جی گئے — آب و دانہ دوڑ کر کھا پی گئے

اب جوانی پر جو ہیں وے شیر مست
کودتے ہیں ہر زماں ہرسو ہے جست

میر

۶۸ ۔ فسانہ بلی

ایک بلی موہنی تھی اس کا نام — ان نے میرے گھر کیا آ کر مقام
ایک دو سے ہوگئی الفت گزیں — کم بہت جانے لگی اٹھ کر کہیں
ربط پیدا ان کیا میرے بھی ساتھ — دیکھتی رہنے لگی میرا ہی ہاتھ
جیسے پھر ٹکڑا جو کچھ پایا کرے — منھ میرا دیکھ کر کھایا کرے

بختوں سے ٹوٹا ہے چھینکا بھی اگر — اتنے اودھر کی نہیں مطلق نظر
دخل کیا جو جھانکے یہ چھینکے کی اور — ٹکڑے کو دیکھے نہ گو بھوکی ہو زور
اس مروت پیشہ سے کیا ہے گلا — خوف سے آپ ہی گئے چوہے بلا
ایک بلی کچھ گئی تھی آ کے جھکھ — یہ لڑی تو منہ پہ پنجہ اپنے رکھ
برسوں یاد آوے گی یہ پاکیزہ خو — آگے آئی ہی نہیں چلتے کبھو
شوق میں ہمسائیاں اس کی رہیں — جو گئی بھی ٹک تو مانگی سی کہیں
پھرنے کو پھرتی تو کیا دبلی نہ تھی — پر چلے پاؤں کی یہ بلّی نہ تھی

رفتہ رفتہ کوٹھوں پر جانے لگی
پھر وہاں پروازیں یہ بھرنے لگی

حاملہ ہو کر کئی بچے دیئے — ایک دو بھی ہو نہ ان میں سے جئے
متصل ایسا ہوا جو اتفاق — مرگ ان بچوں کی گزری اس پہ شاق
حفظ اس کی کوکھ کا لازم ہوا — جھاڑنے پھونکنے کا ہر اک عازم ہوا
نذریں مانیں نقش لائے ڈھونڈ کر — نیل کے ڈوروں میں باندھے پیٹ پر
جھنجھروں پر بعض نے افسوں لکھے — بعضوں نے تعویذ لے کر جل رکھے
گوشت کی چیلوں کو پھینکی بوٹیاں — ماش کی موٹی پکائیں روٹیاں
لڑکیاں ٹھلیاں کھاٹوں تلے — اس طرح جوں دو بلی بلی کھلے
دیتے ٹکڑا منہ کو ہر اک کھولتی — اور بولی بلیوں کی بولتی

بی بلائی سے بہت کی التجا | گر یہ محراب سے چاہی دُعا
بو ہریرہ کے تئیں مانا بہت | بلیوں کے تئیں دیا کھانا بہت

کیوں نہ ایسی ہوئے امدادِ سترگ
بی بلائی بو ہریرہ سب بزرگ

پانچ بچے اس نے اس نوبت دیئے | بارے وے سب قدرتِ حق سے جیئے
اپنی ماں کے رات دن سینے لگے | پانچوں بچے دودھ کچھ پینے لگے
دودھ کتنا جو کہ بس ہو سب کے تئیں | میں بھی منگوانے لگا کچھ شب تئیں
دو مہینے تک بہت تھی احتیاط | کتے بلی سب سے موقوف اختلاط
کوئی کتا آ گیا ایدھر اگر | لوگ دوڑے شیر سے منہ پھاڑ کر
ڈر سے نکلیں سب ہیں نازکی کی گرم | نہ وز روان کی وہیں منہ نرم نرم
بچے ریشم کے سے چندیں رنگ خال | کچھ سفید و کچھ سیاہ کچھ زرد و لال
آ نکلتیں تھیں بعد حجرے سے پانچ چار | اس طرف ہو جاتی تھی باغ و بہار
ایک عالم عاشق بیتاب تھا | ان کی خاطر بیخور و بیخواب تھا

لے گئے ایک ایک کر سب تین تو
"منی" "مانی" رہ گئی مجھ پاس دو

منی کی پھر ایک صاحب نے پسند | تھی بھی نازک ایسی ہی طالع بلند
مانی کچھ بھاری تھی نکلی بردبار | رہ گئی یاں فقر کو کر اختیار

بوریے پر میرے اس کی خوابگاہ / دل سے میرے خاص اس کو ایک راہ
میں نہ ہوں تو راہ دیکھے کچھ نہ کھائے / جان پاوے سن مری آواز پائے
سب سے آگے آن پہونچے در تلک / دیکھے میرے پاؤں سے لے سر تلک
آنکھ سے معلوم ہو مشتاق ہے / بلی یا اعجوبۂ آفاق ہے
بلیاں ہوتی ہیں اچھی ہر کہیں / یہ تماشا سا ہے بلی تو نہیں
کیا دماغ اعلیٰ طبیعت کیا نفیس / کیا مصاحب بے بدل کیسی جلیس
یہ نفاست یہ لطافت یہ تمیز / آنکھ کھولے ہی نہ ہو کیسی ہی چیز
چوہا چڑیا ان نے کچھ کھایا نہیں / حج کو جانا اس کے تئیں آیا نہیں
حب ہرہ جو کہے ایمان میں / ہے اسی بلی کی شاید شان میں
تھا بہت مانی کا جی آرزو / سو بنی دو بلیاں یہ ماہ رو
حال ہی میں ان پڑیں مالک سے بیل / پھر وہ خوبی اور محبوبی کہاں
موہنی تو موہنی ہے ان کا نام / پھرتی ہیں پھندنا سی دونوں صبح و شام
نیلے تاگے گردنوں میں ہیں پڑے / لوگ آنکھوں میں ہی رکھتے ہیں کھڑے

حفظ الٰہی بلیوں سے ان کا ہے ضرور
رہیو ان دونوں سے چشم شور دور

میر

۶۹ ـ سگ و گربہ کی دوستی

سگ و گربہ ہیں دو ہمارے یہاں
دو ہیں غالب اور ان کی اک ہے چال

کھائے نہ جو نہ ہو وہ مادہ سگ
بھوکا بیٹھا ہے قیامت انگ

باہم اس بلی کتے کا یہ ربط
کوئی دیکھے نہ ہووے اس سے ضبط

کبھو جاتا جو ہے یہ کوٹھے پر
لگی رہتی ہے اس کی چھت سے نظر

اور سے دشمنی جانی ہے
اس کی یہ باؤلی دوانی ہے

دونوں شوخی سے مار رہتے ہیں
سگ و گربہ کی چال رہتے ہیں

میر

۷۰ ـ کارنامۂ بلاؤ

سارے ہمسایوں پہ ہے یہ معلوم
موش کی نسل ہو گئی معدوم

چوہا کیلا ہے جو سامنے آوے
گھونسوں سے بھی یہ شیر بھڑ جائے

نے چھپایاں میں ہے گھونس نہ موش
موش وحشی ہو اپنے کونے گھونس

گھونس جب فکر ہی میں مرتی ہو
موش وحشی پہ کیا گزرتی ہو

کوئی چھچھوندر جو بستی میں یاں ہو
سو وہ چوہوں کی ترجماں ہو

ایک دن گھر میں ایک گھونس آئی — اپنے پاؤں اجل اسے لائی
پھرتے پھرتے جو صحن سے خوشحال — پائے دیوار بیٹھی سر کو نکال
کہیں اودھر یہ شیر جاتا تھا — پھیرتا منہ پہ پنجے آتا تھا
پڑ گئی اس کی اس پہ چشم کبود — نیلا پیلا ہونا دکھا جوں دود
پنجہ جھجلا کے اپنے گرز رانا — بارے کچھ گھونس نے اسے جانا
پر اسے خوف جاں نہ آیا کچھ — غالب آیا نہ اس کا سایہ کچھ
ٹھنکایا پھر اپنے جاتا لو — کیوں کہ تھا یہ تو شیر کا خالو
پھر تو بگڑی ہے دونوں میں آکر — چوٹ ہوتی تھی داؤ پا پا کر
غصہ جو موش کو بھی آن چڑھا — اتفاق اس جگہ تھا ایک گڑھا
دونوں لڑتے ہوئے گرے آن میں — پیچ کو کاٹتے پھرے اس میں
ناخن اس شیر کا کچھ ایک گڑا — شور محشر گڑھے کے بیچ پڑا
یا تو گھر بیچ کیا ہی کب ہے بڑی — گھونس بلے نے جھیڑے کر دی
کھڑے مونچھوں کے بال اکڑاتا — شیر نکلا گڑھے سے گھبراتا

لیک جی سے تھا سب بدن خالی
کیوں کہ سر سے بلا بڑی ٹالی

میر

۱۷۔ نوحۂ بلی

لوگ جب دم سوار ہونے لگے — اور اسباب بار ہونے لگے
وحشت اس کو بس ہوئی طاری — سر پٹک کر کسو طرف کو موئی
مرگ تھی اس کی اس جگہ تقدیر — بلی تھی یا کہ گربۂ تصویر
کیا نفاست مزاج کی کہیے — ستھری اتنی کہ دیکھ ہی رہیے
خال جوں پھول گل کترتے ہیں — یا کہ نقشوں میں رنگ بھرتے ہیں
جن سے مالوف تھی وہیں رہتی — اُن سے کچھ کچھ نگاہوں میں کہتی
چوہے چڑیا پہ اُس نے کب کی نظر — حج کا کرنا نہ فرض تھا ۳۱
تو ہی جی تو بھی بہن اس کی — نسبت اس کے تھی وہ بہت گھنگی
پاوے جو کچھ سو مار کھاوے ہے — ایک کیا چار چار کھاوے ہے
جانور مارنا ہے تو ہے یک سو — تیز پنجہ کیا نہ اُس نے کبھو
یہ نزاکت اسی کو بن آوے — موش وحشی کو دیکھ ڈر جاوے
یہ چھچھوندر کے بولتے بھاگے — وہ پڑی سوتی بھی ہو تو جاگے
یہ پری سی تھی جو خرام کرے — وہ جو اچھلے تو دھوم دھام کرے
کبک اس کے خرام کے عاشق — جانور اس کے نام کے عاشق

غرض افسوس کی جگہ بلی
اب کہاں گو کہ چھانیے دلی

میر

۷۲ ۔ بچہ

تم کون ہو میاں کہاں کے ہو آئے کہاں سے کہاں جاؤگے
بے ٹھک بات ہمیں بتلاؤ کس نے بھیجا کیسا ہے کام
جو نیا نگر آ کے جھانکے ہو
یاد آتے ہی ترت جو روتے ہو کچھ لائے تھے سو کھوئے گیا
کس سے بچھڑے ہو کیا بھول گئے اس کا دو جلد جواب ہمیں
انکھیاں کھولو کیوں ڈھانکے ہو

ظفر

۷۳ ۔ بچہ

ایک ۔ اپنے ساتھ گھر بھر کی خوشی لایا ہے تو
کس وطن کی یاد میں روتا ہوا آیا ہے تو
کونسی دنیائے خنداں یاد آتی ہے تجھے
رونے والے یاد کس کس کی رلاتی ہے تجھے
کیا کوئی رنگیں جزیرہ چھوڑ کر آیا ہے تو
گلشن فردوس سے منہ موڑ کر آیا ہے تو

یاد ایسے ہی تو کچھ آتے ہیں نظارے تجھے
اجنبی ہے اس جہاں کے نقش ہیں سارے تجھے

کس لئے حیرت سے یوں ہر ایک کا منہ تکتا ہی تو — کچھ تو کہنا چاہتا ہی کچھ نہیں کہہ سکتا ہی تو
ہم کو بھی معلوم ہے تو ہے مسافر دور کا — مطلقاً اس دیش کی بولی سے ہی ناآشنا
ہاں بتا وہ سرزمین عافیت تھی کونسی — بستی ہے دل میں ترے دلکش وہ بستی کونسی
روشنی ہوتی ہے کیسی چاند سورج کی وہاں — تیرے چہرہ پر ہویدا ہیں ابھی جس کے نشاں

کس چمن کا گل ہے تو کس عرش کا تارا ہی تو
کس قدر بے پاک و روشن کس قدر پیارا ہی تو

آہ۔ اے نو وارد ہستی تجھے معلوم کیا — انقلابات زمانہ ہیں یہاں پر آتے ہجوم کیا
آج تو روتا ہے جب دنیا کو زنداں جان کر — کل نہ چھوڑیگا اسی کو باغ رضواں جان کر
اس قدر مانوس ہو جائیگا اس دنیا سے تو — پھر وطن کی یاد ہوگی اور نہ اس کی آرزو
یاد بھولے سے نہ آئے گا تجھے اپنا وطن — تو سمجھ لے گا اسی غربت کو ہی پیارا وطن

حاصل اک دن بھی نہ ہوگا گرچہ اطمینان دل
پھر بھی دنیا ہی رہے گی شامل ارمان دل

محروم

---

۷۴ ۔ بچہ کی چال

تھی ان کی چال کی تو عجب یارو چال ڈھال
پاؤں میں گھنگرو باجتے سر پر جھنڈولے بال
چلتے ہمک ہمک کے جو وہ ڈگمگاتی چال
تھا بنیں کبھی جسودا کبھی نند لیں سنبھال
ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنہیا کا بالپن

نظیر

۷۵ ۔ کم فرصت بچہ

سنتے تھے یہاں راحت و آرام بہت ہے
پر تجربہ کہتا ہے کہ یہاں کام بہت ہے
دن رات میں فرصت نہیں اتنے ہیں مشاغل
ممکن نہیں ہو جاؤں میں دم بھر کو بھی غافل
اس پر بھی مرے کام مکمل نہیں ہوتے
عقدے جو مرے کام میں ہیں حل نہیں ہوتے

لو آج ہی جس وقت سے ہونے لگی بارش
شیشوں پہ دریچوں کے ہوئی بوندوں کی لغزش

اس وقت سے ہے بندہ ہمہ تن چشمِ تماشا
دیکھا کیا اک ٹکٹکی باندھے یہی نقشا

اک وقت میں اک کام پہ پر کی نہ قناعت
نادانی سے سر پر پڑی یہ اک نئی محنت

اک گیت زباں پر جو کہیں ہو گیا جاری
دوپہر اسی راگ کے دھندے میں گزاری

تھے اس کے سوا اور بھی بہتیرے مشاغل
طے اور بھی کر ڈالے کئی میں نے مراحل

آئینے پر ایسا کوئی اک پھونک دیا دم
وہ جس کے اثر سے ہوا اک آن میں پُر نم

اس نم کو وہیں صورتِ تصویر بنایا
تصویر کو اک لحظہ میں پھر خود ہی مٹایا

پھر فرشِ زمیں پر جو توجہ ہوئی مائل
تعمیر کیے اس پہ مکاں رہنے کے قابل

ٹوٹی ہوئی کشتی جو مری سب سے بڑی ہے
اب اس کی مرمت کی مجھے فکر پڑی ہے

دعوت جو خیالی مرے ہاں ہوتی ہے اکثر
پھر اس میں بلانے ہیں مجھے سارے تو نگر

اتنے ہیں تردد مری اک ننھی سی جاں کو
فارغ جو ہیں کیا جانتے وہ اس دردِ نہاں کو

اب لکھیں کی فرصت کوئی ڈھونڈے تو کہاں ہے
"مصروف ہوں مصروف" یہی وردِ زباں ہے

اکرام

۷۶۔ دوشیزہ

نظر آئی مسند پہ اک پیر زال — سپید و سیہ اس کے سب کچے بال
قریب اس کے بیٹھی ہے اک نازنین — کہ جنت سے اتری کوئی حورِ عین
قیامت کا نقشہ سلیقہ غضب — اداؤں میں خوبی کے انداز سب
نہ کیوں ہو کسی کو اس زلف سے ہو لگاؤ — بگڑنے میں بھی جس کے لاکھوں بناؤ
وہ لاکھا لبِ لعل پر پان کا — مسی اس پہ گویا شفق میں گھٹا
وہ برقِ تبسم جو دل پر گرے — تو آنکھوں میں تصویرِ محشر پھرے
وہ اعضا سڈول اور کاٹھی درست — سجیلا چھریرا بدن چاق و چست
تناسب میں ہر عضو میں بے قیاس — غضب گدرے سینے پہ چھائی لباس

وہ صورت دل آویز زیبا غریب — میانہ وہ قد مثل گل جامہ زیب
تر و تازہ رخسار مانند گل — ان آنکھوں میں کیفیت جام مل
خط و خال موزوں مژگاں دراز — وہ حسن خداداد و تقوے پر ناز
جہاں سوز وہ خندۂ زیر لب — وہ شوخی بلا کی وہ چتون غضب
وہ باریک لب اور نشیلی کمر — وہ چہرہ کتابی رسیلی نظر
وہ ناگن سی چوٹی وہ افعی کا من — وہ موباف زریں میں دُرِّ عدن
وہ آنکھیں بڑی اور خاطر پسند — زنخدان باریک و بینی بلند
وہ پیوستہ ابرو کشادہ جبیں — وہ ہر بات غیرت دہِ انگبیں
زمرد کے بندے لٹکتے ہوئے — وہ موتی کے مالے چمکتے ہوئے
کلائی میں بلور کی چوڑیاں — طلائی جڑاؤ بھی کچھ بے گماں
جواہر کے چھب میں نگینے جڑے — مناسب قرینے سے چھوٹے بڑے
غرارے میں ساقِ بلوریں نہاں — مگر شمع فانوس میں ضوفشاں
کف دست و پا اس قدر نازنیں — کہ رنگِ حنا کی ضرورت نہیں

سراپا ضیا جملہ تنویر وہ
مگر حسن و خوبی کی تصویر وہ

بے نظیر

۷۷۔ بے نظیر شاہ

غضب ہو گا اس کا رخ دل پذیر — ہے پروانہ جس شمع کا بے نظیر
وہ کندن سا چہرہ دمکتا ہوا — وہ گورا بدن کیا چمکتا ہوا
بسنتی فقط ایک تہبند پاس — سجیلے بدن پر غضب کا لباس
رفیق اس کے کیا کیا محبت شعار — حسین و طرحدار و عالی وقار
جبیں سے عیاں شان شاہنشہی — فقیری میں بھی صولت خسروی
ہر اک پاک دل میں کسی کا نیاز — پھر اس پر بھی ہر لحظہ سرگرم ناز
یہ معلوم ہوتا ہے کوئی امیر — ہوا زلف جاناں کا تازہ اسیر
لیے ہے کسی کی محبت میں جوگ — وہ سنتا ہے بس جوگیا اور بروگ
جو چلتا ہے وہ تو گرفتار غم — اٹھاتا ہے کس نازکی سے قدم
مگر دم محبت کا بھرتا ہوا — وہ جاتا ہے وہ سیر کرتا ہوا
جو کہتا ہے کوئی کرم کیجیے — ذرا دیر سائے میں دم لیجیے
تو کہتا ہے وہ ہنس کے او بے خبر — جمے گا یہ آسن در یار پر
کھلا اس پہ ایسا بسنتی لباس — کہ سونا ہوا دیکھ کر بد حواس
اثر عشق کا اتنا پیدا ہوا — اسے جس نے دیکھا وہ شیدا ہوا
بہت دیکھ کر جلوہ شائق ہوئے — بہت نام ہی سن کے عاشق ہوئے

زمانہ کل اس کا بروگی بنا
خدا جانے یہ کون جوگی بنا

بے نظیر

۷۸۔ تصویر غازی انور پاشا

ہلتا ہے جگر خوف سے رعشہ ہے بدن میں
تصویر میں اک شیر جری دیکھ رہا ہوں

اک شان تحکم ہے عیاں نور جبیں سے
آنکھوں کو فراست سے بھری دیکھ رہا ہوں

انداز یہ کہتا ہے نگاہیں ہیں غضب کی
چہرے پہ نگر بے خبری دیکھ رہا ہوں

شمشیر بکف ناؤ سے مونچھیں ہیں خمیدہ
اک خصلت شیر ببری دیکھ رہا ہوں

بتلائے کوئی مجھ کو یہ کس قوم سے ہوگا
ہیں سر پہ کلاہ و تتری دیکھ رہا ہوں

حیرت ہی مجھے کس کی یہ تصویر ہے اے نجم
اس شکل میں شان عمری دیکھ رہا ہوں

نجم

۷۹۔ چھیلا

جامے کو خوب سانچلتے ہیں
خال رخسار پر بناتے ہیں

مہندی بھی پتلی سی لگاتے ہیں
ناز کرتے قدم اٹھاتے ہیں

دیکھا کرتے ہیں آرسی میں جمال

محوِ رعنائی کتنے ہیں اللہ — مسی سے کرتے ہیں مسوڑے سیاہ

رکھتے ہیں سر پہ کج ہمیشہ کلاہ — شانہ سے کام ہے گہ و بیگاہ

کپڑے نارنجی سر پہ اودی شال

میر

۸۰ - تماشہ گر

وہ دیکھے تو بُری صورت بُرا حال و پھٹے کپڑے — بڑھے داڑھی کے بال زرد آنکھوں میں آنسو سے

بندھی میلی سی پگڑی سر پہ اور کمرے اٹک کے — وہ کپڑے گو پھٹے تھے ہم پر اپنے فن میں تھے پورے

لگا رکھتے تھے ایسے تنت پہ بچہ گلہری کا

جو ہیں اتنے میں ہم کو اس ٹُٹے احوال سے دیکھا — کچھ اُس نے کہ پھٹا ہوگا اُن سے کس طرح بچتا

تو واسے کس کی میں نے جیب تو پائی ان ہر بات کہتا تھا — مگر کو کچھ ڈھونڈی جیب پگڑی کو ٹٹول ہی جا

وہیں ہم نے نکالا ڈھونڈ کر بچہ گلہری کا

نظیر

۸۱ - بڑھاپا

جوانی گئی موسم شیب ہے — شہود ایک دو روز کو عیب ہے
کہے میں نہیں اپنے تک پاؤ دست — کیا خاک میں مجھ کو پیری نے پست
بلا ارتعاشِ تن زار ہے — ہر اک عضو چلنے کو تیار ہے
کھڑے ہوں تو تھرّاوے ران اور ساق — جئیں بیٹھے کیونکر کہ جیلے شاق
جو یوں پاؤں چلتے بہکتے رہے — تو دیکھو گے ہم یاں سے چلتے رہے
جو بازو ہیں اپنے سو بازو نہیں — اگر منہ کو دیکھو تو وہ رو نہیں
بدن کی ہوئی ہے یہ صورت ہی اور — وے آنکھیں نہیں وے نہ چتون کے طور
نہ کچھ زور بازو بہت کم ہوا — جھکا سر سو زانوں کا ہمدم ہوا
نہ کچھ یونہی عینک نظر چڑھ گئی — بصارت کی بے طاقتی بڑھ گئی
نہ رکھے جو عینک نہ آوے نظر — کہے تو کہ اعمیٰ ہیں ہم بے ہنر
صد افسوس لطف سماعت نہیں — صدا دور سے جیسے آوے کہیں
نہ وہ ذائقہ ہے نہ وہ ہے مشام — مزا کچھ نہیں ہو چکی صبح شام
شکن جلد میں دل کو پژمردگی — غریزی حرارت میں افسردگی
برودت بہت جسم میں آ گئی — مزاجی تھی گرمی سو ٹھنڈا گئی
جو یہ حال ہے جا رہے ہیں ہم اب — دموں پر غرض آ رہے ہیں ہم اب

ہوا حافظہ بس کہ نسیاں صرف
نہیں یاد آتا ہے دوشینہ حرف

ہوئے شعر کیا کیا فراموش ہائے
کہوں کیا گزرتی ہے خاموش ہائے

اگر ضعف سے چپ ہی رہتے ہیں ہم
یہ سوچو تو کیا کیا نہ کہتے ہیں ہم

نہ پوچھو لب و لہجہ بے طور ہے
سخن کرنے کا ڈھنگ ہی اور ہے

جسے ناتواں جائے مہماں تنگ
سخن منہ پہ آوے وداعی کے رنگ

لبوں پر نہایت ضعیف ایک آہ
در و بام پر حسرتوں سے نگاہ

نہیں گور کے کام سے کچھ فراغ
کسے ذوق صحبت کہاں ہے دماغ

میر

۸۲۔ ضعفِ پیری

عیش و عشرت کے مزے جتنے کہ سب رفتنی ہیں
خرمی خوشدلی و عیش طرب رفتنی ہیں

لذتیں فرحتیں کیا کہئے عجب رفتنی ہیں
زندگانی کے مزے جتنے ہیں سب رفتنی ہیں

سچ ہے یہ بات کہ ہیں زود ہی یہ زور مزا

جب سے کمزور ہوئے تب سے ہوا یہ احوال
سستی و ضعف و نقاہت کی چڑھائی ہے کمال

ہوگئے سب وہ اچھل کود کے نقشے پامال
اب جو چاہیں کہ چلیں پھر بھی اسی طور کی چال

قصد کرتے ہیں بہت پر کہیں جاتا ہے چلا

راہ چلنے میں یہ کچھ ضعف سے ہوتے ہیں تباہ حال
ہر قدم آتے ہیں پاؤں کو سو رنج و ملال
اور اگر تند ہو، چلنے لگی تو فی الحال
چلنی پڑتی ہے پھر اس وقت تو اس طرح کی چال
جیسے کیفی کوئی چلتا ہے بہت پی کے نشہ

پانی پیتے ہیں تو بلغم وہ ہوا جاتا ہے
اور دہی چکھیں تو عینکوں کا ٹھنڈا چھاتا ہے
پیویں شربت تو ہوا زردگیاں وہ لاتا ہے
اور جو کم کھائیں تو پھر ضعف سے غش آتا ہے
پیٹ بھر کھائیں تو پھر چاہیے چورن کو نمک

ضعف کے دام میں ہیں الغرض کچھ ہم تو اسیر
بس نہ اب طاقت تحریر نہ تاب تقریر
طبع افسردہ دل آزردہ بدن سخت حقیر
جو جو کمزوریاں کرتی ہیں وہ کیا کہیے نظیر
ایسے بے بس ہیں کہ کچھ دم نہیں مارا جاتا

نظیر

۸۳ - جھینک

آئی تھی ایک حور مجھے دیکھ ہٹ گئی
دانتوں کے نیچے داب زباں جھٹ پلٹ گئی
آہٹ کو میری تاڑ کے جو کھٹ سے جھینک اچک
جھٹ پٹ وہ ہٹ کو اڑ کے پٹ سے چمٹ گئی

نظیر

٨٤. مار پھینک

صیاد نے جو دیکھا ہرن اُٹھ چلا جھپاک
جلدی سے دوڑا پیچھے ہرن کے وہ سینہ چاک
سونٹے کو پھینک مارا جو پھرتی سے اُس نے تاک
بھاگا ہرن لگا وہیں گیدڑ کے آ کھٹاک
سر اُس کا پھوٹا اور وہ سلامت گیا ہرن

نظیر

٨٥. کشتی

کس چکا کاچھ کے تئیں جب دم — پھر ہوا سامنے بجا کر خم
مرزا اپنے دیج بنا قدم گاڑا — لونڈے کو ڈھاک پر چڑھا مارا
نیچے لینے کا مرزا نے کر ٹھاٹ — کیا لونڈے پہ دولتی جھپاٹ
چاہے تھا رالوں میں سے جکڑا — لونڈے نے دوڑ ماکلم پکڑا
کر کلا زنگ نیچے بغل کے بیچ — کیا کیا اس کو دکھائے اینٹھ اور پیچ
دھن کے نیچوں میں پھر اٹھا کے چت — کہا ٹھہرا بکے چت کروں یا پٹ
کشتی کا لونڈے کو پڑا جو مزا — کہا ہو جس طرح سے تیری رضا

بولے مرزا بُرا نہ مانوگے
اپنا اُستاد مجھ کو جانوگے

سودا

۸۶۔ تیراکی کا مقابلہ

کتنے کھڑے ہی پیریں اپنا دکھا کے سینا
سینہ چمک رہا ہے ہیرے کا جوں نگینا
آدھے بدن پہ پانی آدھے پہ ہے پسینا
سر دوں کا بہہ چلا ہے گویا کہ ایک قرینا
دامن کمر پہ باندھے دستار پھیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

جاتے ہیں ان میں کتنے پانی پہ صاف سوتے
کتنوں کے ہاتھ پنجے کتنوں کے سر پہ طوطے
کتنے پتنگ اُڑاتے۔ کتنے سوئی پروتے
حقوں کا دم لگاتے۔ ہنس ہنس کے شاد ہوتے
سو سو طرح کا کر کر بسیار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

نظیر

۸۷۔ پتنگ بازی

لاتا ہے پھیر پھار کے نکل جو اپنی واں　　کہتا ہے کوئی ان سے "خبردار ہو میاں"
اب پیچ پڑنے کو ہے نہ دے اتنی ٹھمکیاں　　گھبرا کے کہتے اس کے نہ چھٹنے دو میری جان
اچھا نہیں ہے مفت کھپانا پتنگ کا

گر پیچ پڑ گئے تو یہ کہتے ہیں دیکھیو　　رہ رہ اسی طرح سے اب دیجے ڈھیل کو
پہلے تو یوں قدم کے تئیں لو میاں رکھو　　پھر ایک رگڑا دیکے ابھی اس کو کاٹ دو
ہے گا اسی میں فتح کا پانا پتنگ کا

کٹتا ہے جو پتنگ تو پھر لوٹنے اسے　　دو دو ہزار دوڑتے ہیں چھوٹے اور بڑے
کاغذ ذرا سا لٹکا ہے یا تنکے کانپ کے　　جب اس طرح کی سیر بھلا آن کر کرے
پھر سوچئے تو کیا ہے ٹھکانا پتنگ کا

نظیر

۸۸۔ کبوتر بازی

پھرتے ہیں ٹھمک چال بناتے ہیں خوشی سے
کیا کیا وہ غٹرغوں کی خوش آواز کبوتر
لگتے ہیں ادھر اپنی کساوٹ کو دکھاتے　　ہیں جو گئے بھی رنگ کئی جوگ کے لاتے

چھتے ہیں ادھر سیمبری اپنی دکھاتے   پریوں کے پرے دیکھ کے ہیں چرخ میں آتے
جب حلقہ زناں ہوتے ہیں پرواز کبوتر

سکو کر کے جدھر کے تئیں چھپی کو ہلادیں   کچھ ہووے غرض پھر وہ اسی سمت کو جالیں
کٹی کو نہ بھڑکا دیں تو پھر شہ پہ نہ آدیں   چھوڑ ان کو نظیر اپنا دل اب کس سے لگادیں
اپنے تو لڑکپن سے ہیں دم ساز کبوتر

نظیر

۸۹۔۔ بلبل بازی

کل بلبلیں جو نو دس قابو میں اپنے آئیں
ان میں سے دو پکڑ کے کشتی میں دھ بھڑائیں
یہ شور سُن کے خلعت دوڑ آئی دائیں بائیں
کوئی بولا "واہ حضرت" کوئی بولا "واہ سائیں"
سو سو طرح کی دھومیں اک دم میں کر دکھائیں
اس ڈھب سے ہم نے یارو کل بلبلیں لڑائیں
اوّل تو دونوں کٹ کٹ لڑتی تھیں کر کے کُڈا
جب تیسری کو چھوڑا پھر تو ہوا اکھڈا

خلقت میں آ کے ٹوٹی چھوڑا اپنا اپنا اڈا
کڑکی کسی کی پسلی ٹوٹا کسی کا مڈا
سو سو طرح کی دھومیں ایک دم میں کر دکھائیں
اس ڈھب سے ہم نے یارو کل بلبلیں لڑائیں
تھی تین کی یہ کشتی چوتھی کو ان میں چھوڑا
اس نے تو خم بجا کر تینوں کو دھر جھنجھوڑا
پھر تو یہ پھٹکا آ کر ان کشتیوں کا کوڑا
چھوٹا کسی کا ہاتھی بھاگا کسی کا گھوڑا
سو سو طرح کی دھومیں اک دم میں کر دکھائیں
اس ڈھب سے ہم نے یارو کل بلبلیں لڑائیں
ایک کنکری جو ماری پھر ہم نے پڑھ فسوں کی
کشتی میں گٹھری بندھ گئی ان چاروں بلبلوں کی
سُن سُن کے چیخیں ان کی لڑنے میں غزغوں کی
سب بولے واہ حضرت اچھی یہ پڑھ کے پھونکی
سو سو طرح کی دھومیں اک دم میں کر دکھائیں
اس ڈھب سے ہم نے یارو کل بلبلیں لڑائیں

نظیر

۹۰۔ مرغ بازی

دلّی سے ہم جو لکھنؤ آئے
گرم پرخاش مرغیاں پائے

جیسے دنگل کو پالی کی ہے دھوم
گلیوں میں روز جشن کا ہی ہجوم

مرغ بازوں کو ہے قیامت جوش
جس کو دیکھو تو مرغ دست آغوش

مرغ لڑتے ہیں ایک دو لاتیں
سینکڑوں دن سیکھوں کی باتیں

انے پر چھارسے سے پھڑکنے لگے
انے کی نوک سے کڑکنے لگے

وہ جو سیدھا ہوا تو ہے پیچ
ساتھ دو ان کے ٹلتے ہیں پیچ و بیچ

مرغ کی ایک پرفشانی ہے
اُن کی صد رنگ بد زبانی ہے

ایک بولے کہ کاری آئی چوٹ
ایک کہتا ہے بس گیا اب لوٹ

جھکتے ہیں آپ کو چراتے ہیں
لا میں گویا کیے ہی کھاتے ہیں

ایک کے منہ میں مرغ کی منقار
ایک کے لب پہ ناسزا گفتار

منہ میں آیا جو کچھ سو بکنے لگے
تیکھی نظروں سے سب کو تکنے لگے

طرفہ ہنگامہ طرفہ صحبت ہے
بعد نصف النہار رخصت ہے

خوانچے سر پہ بغل میں سارے مرغ
لے گئے جیتے ہارے سارے مرغ

پھر جو روز رنگین آوے گا
نالۂ مرغ سحر سناوے گا

عالم آوے گا گر دو ویسا ہی
گرم ہنگامہ ہوگا ایسا ہی

میر

۹۱ - ریچھ کا تماشا

تھا ہاتھ میں اک اپنے سوا من کا جو سونٹا — لوہے کے کڑے جس پہ کھڑکتے تھے سراپا
کاندھے پہ چڑھا جھول اور ہاتھ میں پیالا — بازار میں لے آئے دکھانے کو تماشا
آگے تو ہم اور پیچھے وہ تھا ریچھ کا بچّا

تھا ریچھ کے بچے پہ وہ گہنا جو سراسر — ہاتھوں میں کڑے سونے کے بجتے تھے جھمک کر
کانوں میں دُرا اور گھنگرو پڑے پاؤں کے اندر — وہ ڈور بھی ریشم کی بنائی تھی جو پُرزر
جس ڈور سے یارو تھا بندھا ریچھ کا بچّا

مدت میں اب اس بچے کو ہم نے ہی سدھایا — لڑنے کے سوا ناچ بھی ہی اس کو سکھایا
یہ کہہ کے جو ڈھپلی کے تئیں گت پہ بجایا — اس ڈھب سے اسے چوک کے جمگٹ میں نچایا
جو سب کی نگاہوں میں کھبا ریچھ کا بچّا

پھر ناچ کے وہ راگ بھی گایا تو وہاں واہ — پھر کہہ کے جو ناچا تو ہر اک بولی زباں واہ
ہر چار طرف سے یہی کہتے پیر و جواں واہ — سب ہنس کے یہ کہتے تھے میاں واہ میاں واہ
کیا ہم نے دیا خوب نچا ریچھ کا بچّا

جب ہم نے اُٹھا ہاتھ کڑوں کو جو ہلایا　　خم ٹھونک پہلواں کی طرح سامنے آیا
پٹا تو یہ کشتی کا ہنر آن دکھایا　　جو چھوٹے بڑے جتنے تھے ان سب کو چھبایا

ہم بھی نہ تھکے اور نہ تھکا ریچھ کا بچہ

جب کشتی کی ٹھہری تو وہیں سر کو جو جھاڑا　　للکارتے ہی اس نے ہمیں آن پچھاڑا
گہ ہم نے پچھاڑا اسے گہ اس نے پچھاڑا　　ایک ڈیڑھ پہر ہو گیا کشتی کا اکھاڑا

پر ہم بھی نہ ہارے نہ ہٹا ریچھ کا بچّا

نظیر

۹۲۔ ماہِ صیام

بزم استقبال کے ہمہ کھڑے ہیں خاک پر　　اور نگاہیں لگ رہی ہیں عالم افلاک پر
جیسے چہرہ دوست کی کھل جائے گھونگھٹ یک بیک　　رونما ہو جائے اک تمثال خوب یک بیک
مقنع ابر سیہ پھٹ کر دو پارہ ہو گیا　　رخ عروس ماہِ نو کا آشکارا ہو گیا
ملتِ بیضا کا مہماں ہو گیا ماہِ صیام　　کر کے ابروئے ہلالی کے اشارے سے سلام
انقلاب آیا یکایک عالم اسلام میں　　چہرۂ مسلم ممیز ہو گیا اقوام میں

بن گیا گلگونۂ رخسار ۔ روحانی سرور ۔
اور پیشانی کا زیور ۔ سیاوربانی کا نور

ن ۔ ن ۔ ش

۹۳ - عید کی دھوم

شفق میں سرِ بامِ چرخِ کہن
ابھی جگمگاتی ہے کچھ کچھ کرن

بسیروں کو جانے لگے وہ طیور
اندھیرا بھی چھانے لگا دور دور

کھڑے ہیں وہ کوٹھوں پہ اربابِ دین
لگائے ہوئے آنکھ پر دوربین

افق کی طرف غور سے بار بار
نظر کر رہا ہے ہر اک روزہ دار

چڑھے تھے فقط ٹیلوں پہ جو اہلِ صوم
پکارے خلائق کو وہ فخرِ قوم

مبارک ہو اے طالبانِ وصال
دکھاتا ہے وہ تیغِ ابروِ ہلال

یہ سن کر ہوئے شاد پیر و جواں
مسرت کا ہر سمت چھایا سماں

مہِ نو ہوا جلوہ گر دہر میں
وہ بجنے لگیں نوبتیں شہر میں

سلامی کی آواز آنے لگی
شہانے کی دھن کیا رچانے لگی

ہے افطار کی ہر طرف دھوم دھام
اذانوں سے گونج اٹھی بستی تمام

مہِ نو کی خاطر بہت دیر تک
بچھائے رہا سرخ اطلس فلک

دکانوں پہ وہ لیمپ جلنے لگے
تارے بھی وہ لاکھ نکلنے لگے

مہِ نو کی کشتی پہ ہو کر سوار
اترنے لگی شام قلزم کے پار

فریضے سے فارغ ہوئے پاکباز
اٹھانے لگا چرخ بھی جا نماز

مساجد سے گھر کو چلے خاص و عام
مہِ نو نے جھک کر کیا وہ سلام

وہ پہنچے مکان پہ صغار و کبار — وہ کھا پی کے فارغ ہوئے نوبہ دار
علیٰ قدرِ حیثیت اہلِ دول
سجائے گئے اپنے اپنے محل

— نظیر

۹۴ - سیرِ ہجوم

ہوا چوک کی سمت پہلے گزار — تو دیکھا برنگِ عروسِ بہار
چپ و راست آراستہ ہر دکان — ٹہلتے ہیں سرت کیا کیا جواں
عمائد بھی کچھ شہر کے ذی وقار — چلے جا رہے ہیں فٹن پر سوار
بہت گل رخوں کو بٹھائے ہوئے — وہ جاتے ہیں وکٹ اڑاتے ہوئے
وہ پھولوں کی کلغی لگائے ہوئے — نزاکت سے چابک اٹھائے ہوئے
نظر آتی ہے شانِ حسن آفریں — ہوا کھانے نکلے ہیں کیا کیا حسیں
حسینوں کا جھرمٹ جدھر دیکھیے — نظر کو یہ حیرت کدھر دیکھیے
بسا عطر میں یہ ہر اک کا لباس — معطر ہو جس سے دماغِ قیاس
کھڑے ہیں وہ مالی ادھر بے شمار — لیے کاشی اور سیوتی کے ہار
تماشائیوں کا ہے یہ اژدہام
کہ چھلتے ہیں کاندھوں سے کاندھے تمام

نظیر

۹۵۔ عیدگاہ

جو جو کہ ان کے حسن کی رکھتے ہیں دل سے چاہ جاتے ہیں ان کے ساتھ لگے تا بہ عیدگاہ
ایسی نہ شب برات نہ بقر عید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اس عید کی خوشی

نظیرؔ

۹۶۔ دیوالی

جہاں میں یارو عجب طرح کا ہے یہ تیوہار کسی نے نقد لیا اور کوئی کرے ہے ادھار
کھلونے کھیلوں بتاشوں کا گرم ہے بازار ہر اک دکاں میں چراغوں کی ہو رہی ہے بہار
سبھوں کو فکر ہے اب جا بجا دوالی کا

مٹھائیوں کی دکانیں لگا کے حلوائی پکارتے ہیں کہ "لالہ دوالی ہے آئی"
بتاشے لے کوئی برفی کسی نے تلوائی کھلونے والوں کی ان سے زیادہ بن آئی
گویا انھوں کے واں راج آگیا دوالی کا

نظیرؔ

٩٧ ـ صرافہ

کتنے اسی بازار میں زر کے ہی پیشہ دار ہیں
بیٹھے ہیں کر کر کوٹھیاں زر کے لگے انبار ہیں
سب لوگ کہتے ہیں انہیں یہ سیٹھ ساہوکار ہیں
ہیں فرش کوٹھی میں بچھے تکئے لگے ہیں زر فشاں
بہیاں کھلی ہیں سامنے لکھتے ہیں لکھن کار داں
کچھ پیشہ کچھ یہ پیشہ کی آئی ہیں باتیں درمیاں
لاکھوں کے لکھتے درشنی سو سیکڑوں کی ہنڈیاں
کیا کیا منی اور سود کی کرتے سدا تکرار ہیں
تھوڑی سی پونجی جن کی ہو بیٹھے ہیں وہ بھی لے کیاں
ایدھر ٹکے ڈھیریں ہیں کئے اودھر دھری ہیں کوڑیاں
اور جو ہیں حد تٹ پونجیے ان کو کوڑیوں کی تھیلیاں
کاندھوں پہ رکھ جاتے ہیں واں لگتی جہاں ہیں گدڑیاں

نظیر

۹۸ - ہولی

آؤ ساقی بہار پھر آئی ہولی میں کتنی شادیاں لائی
جس طرف دیکھو معرکہ سا ہے شہر ہے یا کوئی تماشا ہے
چشم بد دور ایسی بستی سے یہی مقصد ہے ملک ہستی سے
آئیں بستہ ہوا ہے سارا شہر کاغذی گل سے گلستاں ہر در بر
ایسے گل پھول ہیں جو صرف کار رہ رہتے ہوئے ہیں باغ و بہار
اور بازار رنگ لائے ہیں سارے رنگیں ستوں لگائے ہیں
بستہ آئین دکانیں ہیں یکسر جس میں سستی متاع لعل و گہر

میوۂ نو رس و رسیدہ بہت
گل خوش رنگ و بوئے چیدہ بہت

پھر لبالب ہیں آب گیر رنگ اور اڑتے ہیں گلال کس کس ڈھنگ
پاس آتے ہیں مرغ گلشن پھول تھے وہ دلبر گلاب کے سے پھول
پگڑیاں جامے بھیگی سو سو ہیں ان کو گلہائے تر کہیں تو ہیں
چھڑیاں پھولوں کی دلبروں کے ہاتھ سیکڑوں پھولوں کی چھڑی ہو ساتھ
قمقمے بھر گلال جو مارے مہوشاں لالہ رخ ہوئے سارے
خوان بھر بھر عبیر لاتے ہیں گل کی پتی ملا اڑاتے ہیں

جشنِ نو روزِ ہند ہولی ہے
راگ و رنگ اور بولی ٹھولی ہے

میر

۹۹ - موسیقی

کچھ طبلے کھٹکے تال بجے کچھ ڈھولک اور مردنگ بجے
کچھ جھڑپیں بین ربابوں کی کچھ سارنگی اور چنگ بجے
کچھ تار طنبوروں کے جھنکے کچھ ڈھمڈھمی اور منہ چنگ بجے
کچھ گھنگرو کھٹکے جھم جھم جھم کچھ گت گت پر آہنگ بجے
ہے ہر دم ناچنے گانے کا یہ تار بندھایا ہولی نے

گھنگرو کی پڑی آن کے پھر کان میں جھنکار
سارنگی ہوئی بین طنبوروں کی مددگار
طبلوں کے ٹھکے طبل یہ سازوں کے بجے تار
راگوں کے کہیں غل کہیں ناچوں کے بندھے تار
ڈھولک کہیں جھنکارے ہے مردنگ زمین پر
ہولی نے مچایا ہے عجب رنگ زمین پر

نظیر

۱۰۰۔ سوانگ

آئے شکلیں بنا کے صورت باز | ڈوم ڈھاری نے بجا کر ساز
نقل معقول کی سوھا جی نے | سج کے عمامہ سر پہ کتنے جنے
کوئی جوگی کوئی فقیر بنا | کوئی داڑھی لگا کے پیر بنا
کوئی بنیا بنا کوئی اوباش | نقل کرتے تھے ان سبھوں کی سواش
کوئی شاعر بنا جس کی نظیر | یعنی مستغرق خیال تھا میر
کچھ سپاہی بنے تھے کچھ تجار | کوئی زاہد ہوا کوئی خمار

جس کی تقلید کی سو ویسی طرح
اصل ہوتی نہیں ہے ایسی طرح

میر

۱۰۱۔ بوڑھے بوالہوس کا مضحکہ

منہ دیکھتے ہیں کہتے ہیں سب آؤ بڑے جی
کیا آئے ہو یاں کرنے کو پیری و مریدی

کیا آئے ہو حضرت ہمیں قرآن پڑھانے
ہنس ہنس کوئی پوچھے ہے نمازوں کے دوگانے

کھٹے سے کوئی پھینکے ہے تسبیح کے دانے
یا کھینچے ہے کوئی ہاتھ کوئی پکڑے ہے ٹکڑی
پٹے کہیں اور مونچھیں کہیں جاتی ہیں پکڑی
داڑھی کو پکڑ کھینچ کوئی جھاڑے ہے مکڑی
نقلیں کوئی ان پوپلے ہونٹوں کی بناوے
چل کر کوئی کبڑے کی طرح قد کو جھکاوے
داڑھی کے کنے انگلی کو لا لا کے نچاوے

نظیر

۱۰۲۔ شادی کی دھوم

ہے جہانِ کہیں تماشاگاہ	آصف الدولہ کا رچا ہے بیاہ
نئے سرے جواں ہوا ہے جہاں	عیش و عشرت کی محو خرد و کلاں
ہر طرف شہر میں ہے آرائش	مہروں کی نہیں ہے گنجائش
ماہ سے ماہتاب کی ہے طرح	کس سے ہو لطف روشنی کی شرح
شبِ شادی کی دھوم کی کیا بات	روز روشن تھی روشنی سے رات
دو طرف چھوٹتے جو بنگلے انار	راہ و رستے ہوئے ہیں باغ و بہار
کیا ستاروں کا چھوٹنا کہیے	آسماں کی طرف ہی تکتا رہیے

کاغذیں باغ کیا تماشا ہے
پھول کترا کے گل تراشا ہے

ہے سواری کے فیل کی دھوم دھوم — جیسے ابرِ بہار آئے جھوم
آئے دولت سرا سے ہو کے سوار — لعل ناب و گہر ہیں صرفِ نثار
اک عماری کے ساتھ فیل نشاں — آگے مانند کوہِ زر کے رواں
اور ہاتھی ہیں جھومتے جاتے — جیسے آویں جوان مد ماتے
پلٹنیں جاتی ہیں برابر یوں — صف ہو مژگانِ دلبروں کی جوں
یال بستہ رکاب میں ہیں سرنگ — جن کے دیکھے کمیت چرخ ہی دنگ
خوش سواری و خوش جلو خوش رکہ — باگ اٹھے تو پھر نہ ٹھیرے نگاہ
گردنوں میں پڑیں حمائل گل — ہے جلو میں بصد شمائل گل
تھے پری زاد جیسے اڑ جاویں — آنکھ پھیرو تو کل ہی مڑ جاویں
نوبتی اب طبیعتوں کو رجھاؤ — چل سواری کا تم اصول بجاؤ
چوب لگا رہے پر لگا اس ڈھب — کر رکھیں گوش اس صدا پر سب
ایک دو فن بجلے بجاؤ یونہیں — دل کش آواز گائے جاؤ یونہیں
پھینکتے ہیں جو دستہ دستہ گل — رہ گزر میں ہے رستہ رستہ گل

ہو مبارک یہ جشنِ خوش انجام
دورِ گردوں بکام عیش مدام

میر

۱۰۲۔ جلوس

چل سواری کا سیر بھی ہے بڑا — ایک عالم ہے دونوں رستے کھڑا
جل زربفت پوش فیل نشاں — کوہ زر سا ہے پیش پیش رواں
گل کی پاکھڑ پڑی ہوئی یک بار — ہاتھی آیا برنگ ابر بہار
زری پوشوں کا پیش دیس انبوہ — اللہ اللہ رے اُن کی شان شکوہ
تور میں کتنے سونے کے سے پہاڑ — آگے روپے کی روشنی کے جھاڑ
موتی کرتے تھے ہر طرف سے نثار — تھا مگر فیل ابر گوہر بار
ہیں جلو میں زمینیاں حاضر — جاہ کے آسمانیاں ناظر
عمدہ سب ساتھ ہیں وزیر سمیت — شاعراں مدح خواں میر سمیت
تازی ترکی عراقی و عربی — کوتل آگے تھے خوش جلو میں سبھی
رہن رکھو جہاں کہ منہ کے نرم — چھیڑے باد سموم سے ہوں گرم
روشنی بھی ہے کوئی ہنگامہ — سیر میں گرم ہو گیا جامہ
شمعیں لاکھوں کنول میں ہیں روشن — زور پھولا ہے کاغذیں گلشن
توپیں کیا ڈھالیں ہیں تاروں کی — کھوئی رونق فلک کے تاروں کی
چھوٹتے ہیں انار و مہتابی — رنگ ہیں دلبروں کے مہتابی

ماہ بھی چشم روشنی کے لئے
ہے چراغاں ستارگاں سے کئے

میر

۱۰۴۔ بہار آتش بازی

اندھیرا گیا غرب میں شام کا — ہوا دور اب بدر کے جام کا
وہ مہتاب سے پھول جھڑنے لگے — زبرجد پہ الماس جڑنے لگے
شبِ ماہ جلوہ دکھانے لگی — زمانے پہ حیرت سی چھانے لگی
لبِ جو نظر آئی اک بارگاہ — فلک قدر کیواں حشم عرش جاہ
منقش سراپردہ سر تا تمام — جواہر نگار و مطلا تمام
لبِ جو ہے سروِ چراغاں کا باغ — کنارے کنارے منور چراغ
فروزاں ہیں مہتابیاں سقدر — کنارِ لبِ جو نور ان کا تہ آب
وہ لہروں میں عکسِ تجلی کی ضو — لرزتی ہوئی وہ چراغوں کی لو
ہوائی کا گردوں پہ وہ چھوٹنا — کرن کا وہ مہتاب کی پھوٹنا
وہ چرخی کا چٹ اور بانوں کا توڑ — وہ جھاڑوں کا چکر وہ دریا کا موڑ
وہ ہتھ پھول فرشی وہ فرشی انار — وہ ہر رنگ کی پھلجھڑی کی بہار
یہ سب فرش پاکیزہ پر خندہ زن — کھلے چاندنی پر چمن کے چمن

سالا بھر اان میں وہ گلفشاں — دھوئیں کا نہیں نام کو بھی نشاں
ابھی تک چمکتے ہیں گل جابجا — ذرا بھی نہ چادر کو دھبّہ لگا
غبارے وہ ڈوبے ہوئے سربسر — ستارے بنے دیکھئے چرخ پر
پریزاد و گل چہرہ و رشکِ حور
ادب سے کھڑے ہیں قریب اور دور

بے نظیر

۱۰۵۔ چراغاں

عجب ڈھب سے کی روشنی صد عجب — کہ دیں چھوڑ نادیں دیئے بھر کے سب
جدا ہو دیں تو غنچۂ چراغ — ملے جیسے عاشق کی چھاتی کے داغ
ورے روشنی شعلہ انگیز بار — پرے سطح پانی کا آئینہ وار
ہوئیں کشتیاں کچھ ورے ہی پرے — چراغوں سے موجوں کے کچھ جگرے
حبابوں میں تھی جو چراغوں کی تاب — جلاتی تھا آئینہ سب سطح آب
لو وار چرخ پر انجم تھی شب — دیوں سے وہ پھیلا ہوا پانی کل سب
غرض روشنی کی عجب کچھ تھی لاگ
لگا دی ہو گویا کہ پانی میں آگ

میر

۱۰۶۔ بہار روشنی

روشن الدولہ نے کی تھی روشنی — کب ہوئی تھی لیکن ایسی روشنی
وہ چراغاں گرچہ تھے درگاہ تک — تھے تماشائی گدا و شاہ تک
راہ میں ترپولئے بینار تھے — روشنی کے کوچہ و بازار تھے
ایک عالم دیکھتا تھا دور سے — رات دن تھی روشنی کے نور سے

اب تو ہفت اقلیم کا عالم ہے یاں — دیکھو تو ہر جنس کا آدم ہے یاں
کیسی کیسی دیکھیں شکلیں نازیاں — سحر کرتے تھے کہ صورت بازیاں
ہاتھی آئے کوہ پیکر کیا بنے — جیسے مدھ ماتے جواں ہوں اکنے
ٹٹیاں دیلے کے بند حسین شرف — کیا چراغاں آسماں کی ہو طرف
تھا جہاں تک آب دریا کا بہاؤ — واں تلک تھا اس چراغاں کا دکھاؤ
ان دیوں کے عکس سے دریا کا آب — آئینے کی سطح کی رکھتا تھا تاب
کشتیوں میں جو دیئے بھر کر چلے — پانی میں شعلوں کے ریلے ہی چلے
دیکھے جاتے تھے چراغاں آب میں — شعلے تھے لہروں کے پیچ و تاب میں
منعکس تھے جو چراغاں تا فلک — آب کی وسعت تھی ہر نجم فلک
گنج چھوٹے ایک سے روشن تھے جہاں — دو طرف جس طرح سے چھوٹی ہوائیاں
اس روش سے تھے تلے چھوٹتے — ناگہاں جوں ہو دیں تارے ٹوٹتے

ہر دو جانب چُن گئے ناری انار — گلفشانی سے انھوں کی تھی بہار
ماہتابی اک طرف سے جو دغی — چاند سا نکلا ہوئے حیراں سبھی
متصل توپ ستاروں کی دغیں — لوگوں کی آنکھیں فلک سے جا لگیں
دیکھیں کیا کیا نہ شعلہ خیزیاں — تھی ہوائیں سے ستارہ ریزیاں
نذر کو نواب کی اہل فرنگ — لے کے آتش بازی آئے رنگ رنگ
دلغیاں توپیں ہوائی ایک بار — پھیلے تارے آسماں میں بے شمار
عرصۂ گلریزی سے گلشن ہو گیا — چرخ اُن تاروں سے روشن ہو گیا

گرم کچھ ہنگامہ یہ بھی کم نہ تھا
اس روش کی دھوم کا اودھم نہ تھا

میر

۱۰۷۔ آرائش ایوان

اسی طرح وہ سب کے سب آن میں — ہوئے جلوہ گر آکے ایوان میں
غرض دیکھتا بھالتا ہر مکاں — سر بام پہنچا وہ شاہ جہاں
تو دیکھا کہ وہ صاف ہی مقمر — نگاہیں پھسلتی ہیں دیوار پر
کنول جھاڑ فانوس ہانڈی گلاس — ہر ایک وضع کے آئینے بے قیاس
لگے ہیں قرینے سے جا بجا — خال کی طرح سارا کو سجا

چڑھیں بتیاں شک و کافور کی — تجلی ہر اک شمع میں نور کی
مبنت منقش در و بام سب — مہیا ہر اک ساز عیش و طرب
جو شہ کو پسند آگیا وہ مکاں — اسی جا گیا خاصہ بھی نوش جاں
وہیں دیر تک گرم صحبت رہی — بہم رسم حرف و حکایت رہی
فراغت ہوئی جشن راحت سے جب
زرا دیر کو سو رہے سب کے سب

بے نظیر

۱۰۸۔ بن

کسو ایسے بن سے نکلنا ہوا — کہ کوسوں تلک اس میں چلنا ہوا
کشیدہ قد اس بن کے سارے درخت — چمن کے سے نوبادگاں سبز بخت
برابر برابر کھڑے سربسر — پھرے دیر اودھر کو جا کر نظر
پرے چل کے آیا تراکم بہت — حواس اس میں جا کر ہوئے تنگ بہت
کہیں راہ نکلی تو چلنے پڑے — رہے بال پر تل بہت ہاں کھڑے
کہ شاخوں نے جھک جھک ملائے تھے سر — بہت آگے جا جا کے آئے تھے پھر
وہی راہ در پیش و کثرت ہوئی — قیامت گئے اور قیامت ہوئی
کہیں اسپ و اشتر کہیں پیل مست — زمیں ہر سر گام بالا و پست

گزر جس طرح اس طرح سے کیا
رہ نوردوں نے خونِ جگر ہی پیا

میر

۱۰۹۔ سفر جنگل

محاذی تھا اس کوہ کے ایک دشت
کہ دشوار تھا اس میں آدم کا گشت

چلے باؤ تو اک توحش ہے شور
سکے پاؤں اس کو کھینچے بزور

فقط نام ہی کیا پتھر پہاڑ تھا
کہ بوٹا بھی ہو [illegible] بار جنگل کا تھا

چلوں ہی چلو بے یہ چلتے نہیں
کہ اٹھتا [illegible] آگے سے ٹلتے نہیں

نہ توفیق نہ سر کہیں نکلتے کہیں
مگر پچھلے پاؤں ہی پھرتے نہیں

کہیں ہاتھی آیا ہی بھر کا کا اونٹ
گھر کے لوگ پیتے ہیں لہو کے گھونٹ

کہیں بیٹھے افعار سرگرم جنگ
گرے تو [illegible] عرصۂ تنگ

قیامت نمودار ہر ہر قدم
چلے کوئی کیا رکھ کے سر پر قدم

کہیں بچ کے نکلا کہیں جھک چلے
کہیں مضطرب تھے کہیں رک چلے

اسی طور منزل کو کر قطع راہ
پہونچتے رہے ہم بحال تباہ

میر

۱۱۰۔ عبور دریا

گیا ایک نالے سے ہم نے گزر ہوئی قائم اس جا پہ چشم دگر
گئے گاڑی چھکڑے پیادہ سوار کہ مقصد تھا سب کا عبور ایک بار
کمر تک لگے پھنسنے دلدل کے بیچ کہ نالے کا پانی تھا یکدست کیچ
پھنسے گاؤ اشتر گرے بار خر بہے لوٹ پوٹ اشتر بھی زیر و زبر
نہ ہاتھی نہ اسباب اپنے کنے یہی اک بہانا نہ سوجھے
کھڑے ہم رہے ہاتھ پر رکھ کے ہاتھ کریں پار جانے کی کس ڈھب سی بات
کہار اک بہانے میں اپنے ڈبے پھرے ہی کے جو تھی جادہ ہم نکلے
چڑھے اُن کے سر آن ہوئے دریا ہوئے بہے پانی پانی کہ رسوا ہوئے

نہ دیکھے تھے آگے کبھو یہ سمیں
ولیکن خدا نے اتارا ہمیں

میر

۱۱۱۔ بارش اور شکار

پڑی اِن سے بارش لگی ہونے شور | رہا نہ نغمہ زنی خوش الحاں کا شور
ہوئے خیمے پانی کے اوپر حباب | سب اسباب لوگوں کا تھا زیر آب
نہ پوچھو اور اسباب مردم کا حال | ہے چادر بھی خلقت کی کوئی پال
قنات اور تنبو بسر سب گئے | کھڑے تھے جو کن سے اتر سب گئے
پھرا پانی لشکر میں پھیلا ہوا | گئے فرش و بستر تھا بھیگا ہوا
ہوا سرد از بس ہوئی ایک بار | کلیجوں سے ہوتی تھی برچھی سی پار
چھپے باڑے سے لوگ ٹھٹھرا نیتے | جگر چھاتیوں میں رہے کانپتے

رہا ایسی سردی میں کیدھر شکار
ہوئے لوگ خیمے کے اندر شکار

میر

۱۱۲۔ چور چکار

ہوا دن تو یوں کھینچتے رنج شام | گئی رات چوروں کے ڈر میں تمام
کہے ہے کوئی کون آتا ہے یہ | پکارے کوئی کون جاتا ہے یہ

لگی آنکھ کپڑوں کے تئیں رو رہو
پھر آرام سے رات کو سو رہو

دبیر

۱۱۲- عرضِ حال

سنیے قبلہ مری گزارش کو — آپ کا بندہ ہوں میں تابعدار
جانیے سچ جو عرض کرتا ہوں — جھوٹ کہنا نہیں ہے میرا شعار
جو گزرتی ہے آج کل مجھ پر — کب زبانِ قلم سے ہو اظہار
میں ہوں اور ایک گوشۂ تاریک — کوئی ہمدم نہ کوئی ہے غم خوار
رات دن ایک کنجِ تنہا میں — بیٹھا رہتا ہوں شد و ناچار
کس مصیبت سے گھر ملا ہے یہ — ٹوٹے پھوٹے ہیں جس کے در و دیوار
اور سامان کی یہ حالت ہے — چارپائی ہے گرد ہے انبار
دال چاول ملیں ہیں کھانے کو — کھاتے کھاتے ہوا ہے جی بیزار
گیہوں اور گوشت کم ہی ملتے — ایسی بستی پہ ہو علی کی سنوار
اک مصیبت جو ہو تو کیجے عرض — نئی آفت ہے ہر گھڑی دوچار
مجھ کو عرصہ ہوا یہاں آ کر — جب ہی بیٹھا ہوا ہوں بیکار

ایک کوڑی نہیں ملی اب تک — مفت خالی گیا یہ استغذار
خرچ سب ہو چکی جمع پونجی — کون دیتا کسی کو ہے قرض ادھار
مجھ کو جلدی بلایئے یاں سے — التجا ہے یہی مری سرکار
اور کہیں جگہ دلا دیجئے — جس سے قائم رہے کچھ عزّ و وقار
کچھ تو راحت ملے اور عزت ہو — کیسے گزرینگے یوں یہیں لیل و نہار
میری تکلیف اور راحت کا — ظاہرا آپ پر ہے دار و مدار
حیف ہے وہ اٹھائے یوں زحمت — آپ سا جس کا ہووے حامی کار

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار"

عالی

۱۱۴۔ قدیم سواری

وہیں بیچ آیا میانا مرا — کوئی دیکھتا رنج اُٹھانا مرا
سواری سے مجکو ندامت ہوئی — کہ چاروں طرف سے ملامت ہوئی
لگے کہنے آیا فرنگی کہاں — کہ چوپائے کی رسم چھوڑی یہاں
جسے دیکھو چار اُنکے رکھ کر کہار — لگا ہونے ہر صبح اس پر سوار

چلو ہی چلو ہے کہ بچ جائیو — کہ چوپایے کے پاس مت آئیو
رونہ سے ادھر کے ادھر ہیں خراب — پہ جلتے ہیں مجھ سے کو بھاگے فتاب
نہ اس حال سے اہل دفتر خبر — توجہ نہ عمدوں کی کچھ بھی ادھر
وگرنہ ہو قدغن کہ اب اہل کار — نہ رہنے دیں لشکر میں شغلی سوار

نہ مانیں تو چوپائے دیویں الٹ
ابھی گھوڑے نہیں جھپٹے ایک ہی جھپٹ

میر

۱۱۵۔ ریلوے اسٹیشن

غرض عصر پڑھ کر بعد آرزو — لگے کرنے باہم دگر گفت گو
کہ گھنٹی بجا گر کسی نے کہا — نہ گاڑی کے آنے میں وقفہ رہا
جو پچھم کا ہو جانے والا چلے — ٹکٹ ماسٹر سے ٹکٹ آکے لے
سنی جس گھڑی یہ صدائے طرب — کھڑے ہو گئے ہو کے طیار سب
اسی فکر میں محو تھا ہر کوئی — ذرا دیر میں اور گھنٹی ہوئی
وہ سیٹی ہوئی ریل آنے لگی — دھواں دور سے کچھ دکھانے لگی
قلی جلد سگنل گرانے لگا — وہ پائنٹ کوئی ملانے لگا
جو سڑکوں کے پھاٹک بھی آنے لگے — ہری جھنڈیاں سب دکھانے لگے

ہوا الٹا دینا ٹکٹ کا بھی ترک — نکلنے لگے آمدنوں سے کلرک
جو انجن کے تیور بدلنے لگے — مسافر یکایک سنبھلنے لگے
مقام توقف پہ ٹھہری جو ریل — تو ہونے لگی کچھ عجب ریل پیل
کہیں لوگ اترنے میں گرنے لگے — کہیں خوانچے والے پھرنے لگے
کوئی لے کے لوٹا چلا بہر آب — پکارا کوئی لاؤ پانی شتاب
کوئی رفع حاجت کو دوڑا ادھر — کسی نے نمازیں پڑھیں مختصر
پر اتنے میں سب ہو چکیں گھنٹیاں — رکے کوئی دم بھر یہ مہلت کہاں
ہوئی ریلوے کمپنی یہ خسیس — کہ دس کی جگہ بھر دیئے بیس تیس
ہے گو دوسرے میں بھی یہ ازدحام — مگر پہلا درجہ ہے خالی تمام

اسی میں روانہ ہوا بے نظیر
خم زلف جاناں کا تازہ اسیر

بے نظیر

۱۱۶۔ ریل میں گرمی کا دوپہر

چلی ریل تو ٹھیک ہے دوپہر — ہوا لگ کے ہیں ذرات مثل شرر
وہ صرصر کی آتش فشانی کی دھوم — شرر ریز ہر سمت باد سموم

جھلستا ہے منہ جھانکے گا کوئی کیا
مگر موج شعلہ ہے موج ہوا

کڑی دھوپ کا اس قدر ہے اثر
کہ ہر گاڑی ہے گلخن شیشہ گر

جو رستے میں ملتی ہیں کچھ ندیاں
ہے سوکھی زباں موج ریگ رواں

بڑی سے بڑی ندی پایاب ہے
ہوا خود حرارت سے بیتاب ہے

فلک کی طرف کوئی تکتا نہیں
زمیں کو کوئی دیکھ سکتا نہیں

لگاتی ہیں کچھ حس کی چٹکیاں
تو خیر اس سے کچھ سرد ہیں کھڑکیاں

مگر کوئی تختہ جہاں چھو گیا
تو رخسار میں پڑ گیا آبلہ

یہ گرمی ہے یا قہر پروردگار
کہ ہر سمت ہے العطش کی پکار

عرق میں نہایا ہوا ہر بشر
حسیں زیر سایہ پسینے میں تر

نہ بچ سکے گرمی سے پھر کیا کوئی
ہوا گرم آتی ہے پنکھے سے بھی

کیا شتو کے اوپر جو اس دم شمار
تو پارے کو ہے ستر اوپر قرار

بے نظیر

۱۱۷۔ ریل میں ہماری سفر

عجب شان سے آج چلتی ہے ریل
کہ صرصر کو پیچھے ہٹاتی ہے ریل

مسرت میں سیٹی بجاتی ہوئی
دھوئیں شب تم کے اڑاتی ہوئی

اندھیرا پہاڑوں کے اندر کہیں
چڑھائی کہیں اور چکر کہیں
وہ ٹھنڈی ہوا اور بادل کی سیر
وہ سرسبز وادی وہ جنگل کی سیر
قدم سست و آہستہ دھرنا کہیں
پہاڑوں پہ چڑھ کر اترنا کہیں
مقام ایسے دو چار پائے گئے
جہاں دو دو انجن لگائے گئے
کہیں کوئی دریا کہیں کوئی جھیل
کہیں سلسلے کوہ کے مستطیل
کہیں سیکڑوں فٹ وہ تنگ و بلند
نہ تا فرطِ پستی سے پہنچے گزند
بلندی پہ جب چڑھتی آتی ہے ریل
یہاں دور تک [illegible] کھاتی ہے ریل
برنگِ معلق حوالی کوہسار
کہیں چشمے جاری کہیں مرغزار
کہیں کوسوں جنگل ہے ساگون کا
کہیں دور تک جھاڑیاں جا بجا
کہیں سبزہ ہر سو وہ [illegible] چمن
کہیں پھر رہے ہیں ہزاروں ہرن
بنے ہیں جو قلعے سرِ کوہسار
نہیں کیا جانے کس عہد کے یادگار
پہاڑوں کے اندر ہیں جتنے جہاں
وہاں دن کو روشن ہوئیں بتیاں
اسی طرح چڑھتی اترتی ہوئی
چلی مرحلے قطع کرتی ہوئی
جو رستے میں تھے چھوٹے چھوٹے مقام
نہیں جانا اس نے کیا کچھ قیام
نہیں شہر مشہور تک جا بجا
کوئی دس منٹ کو توقف کیا
جو سگنل نظر آگیا ایک بار
لگی سیٹیاں دینے بے اختیار

غرض اب وہ اسٹیشن آیا نظر
کہ تھا جس کی خاطر یہ سارا سفر

بے نظیر

تمت

مناظر قدرت

جلد سوم

ضمیمہ

شعرا اور ان کا کلام

استدعا:- ذیل میں شعرا کے متعلق جو جو حالات دریافت طلب ہیں اگر کوئی صاحب ان سے مطلع فرمائیں گے تو باعث مشکوری ہوگا۔ اُمید کہ طبع آیندہ میں کل حالات مکمل ہو جائیں۔

صفحہ

مناظر قدرت

جلد چہارم

مرتبہ

محمد الیاس برنی

زیر نگرانی

مسلم احمد نظامی ایم۔ اے

مالک

کتب خانہ نذیریہ۔ مسلم منزل کھاری باؤلی۔ دہلی

قیمت تین روپے ۲۵ نئے پیسے

کلیاتِ اقبال

علامہ اقبال علیہ الرحمتہ کا اُردو کلام

انتہائی خوبصورتی کے ساتھ شائع کیا گیا

ہے۔ جس میں اقبالؔ کا تمام کلام موجود

ہے۔

قیمت چھ روپے

ملنے کا پتہ

کتب خانہ نذیریہ مسلم منزل کھاری باؤلی دہلی

(لیتھو صفحات محبوب المطابع برقی پریس دہلی)

فہرست مضامین

ہر جلی عنوان سے ایک نیا مضمون شروع ہوتا ہے اور
اس کے تحت میں مضامین متجانسہ درج ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مناظرِ قدرت

جلد چہارم

صبح کا سماں

جب نمایاں ہوئی رن میں شبِ ماتم کی سحر
آمد آمدِ شہِ خاور کی ہوئی گردوں پر
رنگ بدلا چمنِ عالمِ امکاں کا ادھر
نجم چھپنے لگے کم ہونے لگا نورِ قمر

نخل تازے ہوئے باغوں میں شمیم آنے لگی
پھول کھلنے لگے نخلِ ختم کے نسیم آنے لگی

جابجا لالہ و نعمان و شقایق کا وہ رنگ
سمن و یاسمن و سوسن و ابہر کا وہ ڈھنگ
وہ صدا کبک دری کی کہ ہو پانی دلِ سنگ
طائروں کی وہ درختوں پہ ملائم آہنگ

خوش نوایانِ چمن زمزمہ پرداز تھے سب
جتنے گل تھے ہمہ تن گوش بر آواز تھے سب

وہ سماں دشت کا وہ نور کا تڑکا وہ بہار　　صنعت صانع قدرت کا وہ تھا نقش و نگار
وجد میں لاتی تھی خوشبوئے گل و صوت ہزار　　کبھی شاخوں کا وہ جھکنا کبھی اُٹھنا ہر بار
شان دکھلانے کو جو نخل تھا آمادہ تھا
زلفِ سنبل بھی سنوارے ہوئے استادہ تھا

سبزہ وہ جس سے خجل رنگِ سپہر اخضر　　موتی بکھرے ہوئے شبنم کے اِدھر اور اُدھر
سرد نہریں کہ جنہیں دیکھ کے ٹھنڈا ہو جگر　　وہ حبابوں کی چمک جیسے فلک پر اختر
بڑھ کے غنچوں کے دہن مرغ چمن چومتے تھے
قمریاں بولتی تھیں سرو بھی جھومتے تھے

گل شبو کی سحر کو وہ بہار ایک طرف　　جلوہ گر ایک طرف برگ نوبار ایک طرف
روشوں پر وہ صنوبر کی قطار ایک طرف　　ڈالیاں پہنے ہوئے پھولوں کے ہار ایک طرف
خرم و تازہ و تر دشت بھی گلزار بھی تھا
تر زباں ذکر الٰہی میں ہر ایک خار بھی تھا

شمع و پروانہ کا وہ سوز و گداز ایک طرف　　بلبل و گل میں نئے راز و نیاز ایک طرف
طوطی تیز زباں نغمہ طراز ایک طرف　　چمنستاں کے حسینوں کا وہ ناز ایک طرف
نور ہنگام سحر دیکھ کے خرسند کوئی
کوئی خنداں تھا چمن میں تو شکر خند کوئی

تھا نیا حسن جو باغوں کا تہ چرخ کہن　　ہر طرف رقص کناں پھرتے تھے طاؤس چمن

جب چٹکنے میں ہنسے غنچہ و نسرین و سمن　　جاگ اٹھا سبزۂ خوابیدہ میان گلشن

پھول کو سمجھی تھی آنکھوں کا جو تارا نرگس

کر رہی تھی چمنستاں کا نظارا نرگس

تھا ہر اک صحن چمن طعنہ زن چرخ بریں　　جابجا تازہ وہ غنچے کہ خجل ہو پرویں

خاک پر فرش گلوں کا وہ نہالوں کے قریں　　تھی یہ بالیدہ کہ پھولوں نہ سماتی تھی زمیں

رنگ نازک جو ہر اک گل کی کلی رکھتی تھی

پھونک کر پاؤں نسیم سحری رکھتی تھی

نفیسؔ

۲۔ مناظر سحر

کیا روح فزا جلوۂ رخسار سحر ہے　　کشمیر دل زار ہے فردوس نظر ہے

ہر پھول کا چہرہ عرق حسن سے تر ہے　　ہر چیز میں اک بات ہے ہر شے میں اثر ہے

ہر سمت بھڑکتا ہے رخ حور کا شعلہ

ہر ذرّہ نما چیز میں ہے طور کا شعلہ

لرزش وہ ستاروں کی وہ ذرّوں کا تبسّم　　چشموں کا وہ بہنا کہ فدا جن پہ ترنم

گردوں پہ سپیدی و سیاہی کا تصادم　　طوفان وہ جلووں کا وہ نغموں کا تلاطم

اڑتے ہوئے گیسو وہ نسیم سحری کے
شانوں پہ پریشاں ہیں یا بال پری کے

وہ چھپنا خوشبو کا وہ کلیوں کا چٹکنا
وہ چاندنی مدہم وہ سمندر کا چھلکنا

وہ چھاؤں میں تاروں کی گل تر کا مہکنا
وہ جھومنا سبزہ کا، وہ کھیتوں کا لہکنا

شاخوں سے ملی جاتی ہیں شاخیں وہ اثر ہے
کہتی ہے نسیم سحری عہد سحر ہے

خنکی وہ بیاباں کی وہ رنگینئ صحرا
وہ وادئ سرسبز وہ تالاب مصفا

پیشانئ گردوں پہ وہ ہنستا ہوا تارا
وہ راستے جنگل میں وہ بہتا ہوا دریا

ہر سمت گلستاں میں وہ انبار گلوں کے
شبنم سے وہ دھوئے ہوئے رخسار گلوں کے

وہ مدح میں انوار خدا صبح وہ صادق
وہ حسن جسے دیکھ کے ہر آنکھ ہو عاشق

وہ سادگی انساں کی فطرت کے مطابق
زریں وہ افق نور سے لبریز وہ مشرق

وہ نغمۂ داؤد پرندوں کی صدائیں
پیراہن یوسفؑ کی وہ تاثیر ہوائیں

وہ برگ گل تازہ وہ شبنم کی لطافت
اک حسن سے وہ خندۂ سامان حقیقت

وہ جلوۂ اصنام وہ بتخانہ کی زینت
زاہد کا وہ منظر وہ برہمن کی صباحت

ناقوس کے سینہ سے صدائیں وہ فغاں کی
وہ حمد میں ڈوبی ہوئی آوازاذاں کی

آقا کا غلاموں سے یہ ہے قرب کا ہنگام — دل ہوتے ہیں سرشار فنا ہوتے ہیں آلام
چھا جاتی ہے رحمت تو برس پڑتے ہیں انعام — اس وقت کسی طرح مناسب نہیں آرام

رونے میں جو لذت ہے آہوں میں مزا ہے
اے روح! "خودی" چھوڑ کہ نزدیک خدا ہے

شبیر حسن خاں

۳۔ چاندنی رات

دل کش تھا اک رات کا منظر — چاندنی تھی پھیلی ہوئی گھر گھر
دیر ہوئی سورج کو سدھارے — لیلی شب نے بال سنوارے
چرخ بریں پر چھٹکے تارے — اک اک آ کے چمکے سارے
سائباں جو سر پہ تنا تھا — گو یہ بقعۂ نور بنا تھا
تاروں کا جھمگھٹا گھنا تھا — دق، ذرے ہو کر نور چھنا تھا
چاند کے گرد تھا نور کا ہالا — لطف کہکشاں سے تھا دوبالا
پھیلا تھا ہر سمت اُجالا — روشن خوب تھا عالم بالا
زمیں پہ مہ کی نور افشانی — گویا برس رہا تھا پانی

صحن گلشن تھا لاثانی (ق) صانع کو تھی خود حیرانی
چاندنی کا چھن چھن کر آنا پتوں میں گھس گھس کر جانا
آب رواں میں کہیں نہانا (ق) آنکھ کو جادوگری دکھانا
کہیں پہ پڑنا کہیں نہ پڑنا روشنی کا سایہ سے لڑنا
شکلوں کا بن بن کے اکڑنا (ق) اِدھر سنورنا ادھر بگڑنا
سرو نگہباں بنے کھڑے تھے اپنی جگہ پہ تنے کھڑے تھے
خواب ناز میں پھول تھے سارے ہلتے تھے ان کے گہوارے
ہوا کے جھونکے جگا کے ہارے (ق) پر نہ اُٹھے وہ نیند کے مارے
جادو ادھر تو تھا گل پر حالت اور تھی یہ سنبل پر
پڑے پڑے انگڑائی لینا نیند میں کاکل الجھا دینا
نرگس پہ تھی غنودگی طاری خواب سے اس کی آنکھ تھی بھاری
بلبل کو سوجھیں یہ باتیں باغ میں چل کر کیجئے گھاتیں
آئیں اُس کی عیش کی راتیں کھائیں گلوں نے پیار کی لاتیں
قمری تھی شمشاد پہ شیدا ایک کا عشق تھا ایک سے پیدا
اوس نے جب قطرے برسائے سب غنچوں نے منہ پھیلائے
بن مانگے جب موتی پائے سب اپنے دامن بھر لائے
گلچیں سے گو باغ تھا خالی باد صبا تھی چھیڑنے والی

جوں ہی کسی نے آہ نکالی — پتوں نے دی مل کرتالی
ہو نہ سکے گا بیان شافی — بس یہ کہہ دینا ہے کافی
طرزِ چمن تھا معشوقانہ — صورت پیاری رنگ سہانا
طرفہ عالم تھا صحرا کا — جھوم رہا تھا پتا پتا
خلقت تھی خوابیدہ ساری — بالکل بے خود ہوش سے عاری
دریا کی تھی بند روانی — تھا شکل آئینہ پانی پانی
جھیل کا نظارہ تھا نرالا — سب کو کر دیتا تھا متوالا
چلو اچلوی ہجر کے مارے — بے بس پڑے تھے جھیل کنارے
آبِ ذناب پانی کی سوا تھی — آئینہ بن کر عکس نما تھی
دوسرا چرخ تھا اس کے اندر — انجم رخشاں ماہ منور
موجوں نے جب رنگ جمایا — سب کو ایک دم لرزہ آیا
دلکش از بس تھا یہ نظارا — کیسا سہانا کیسا پیارا

قدرت کا تھا سارا افسوں
آنکھ تھی خیرہ دل تھا مفتوں

بے دیال سکینہ

۴۔ بندھیاچل کی چاندنی رات

چاندنی رات اور بندھیاچل کا جنگل پر فضا
مالوے کی شب کہ گرمی میں بھی سرماں کی ہوا
چاندنی کا صاف ستھرا فرش صحن کوہ پر
سایۂ اشجار سے چھٹکے ہوئے اس پر شجر
چاندنی کے پھول روشن چاندنی کے نور سے
چاندنی ایسی کہ تم پتوں کو گن کو دور سے
گر رہا ہے کوہ پر جھرنوں سے پانی جا بجا
دے رہی ہے لطف نہروں کی روانی جا بجا
چاندنی کے نور سے شفاف نہروں کی چمک
چاند کے پرتو سے ان نہروں میں لہروں کی چمک
برگ برگ نخل کو جنبش میں لاتی ہے ہوا
ڈالیوں کو دے کے جھٹکے پھل گراتی ہے ہوا
پھول پھل سب ہل رہے ہیں وجد میں آئے ہوئے
پیڑ قینچے ہیں کھڑے ہیں ہاتھ پھیلائے ہوئے

سبزہ سبزہ جابجا ہے۔ لال لالہ جابجا
اُن سے پتھر بھی عیاں ہے کال کالا جابجا

جابجا پھولوں کے غنچے جابجا بیلوں کے جال
جابجا کھولے ہیں برگد کی جٹائیں اپنی بال

وہ پپیہے کی صدا جو کہہ رہا ہے "پی کہاں"
کوئل اب بولی خدا جانے یہ اب تک تھی کہاں

ہاں میں سمجھا ہو گی یہ آموں کے باغوں میں کہیں
اس دم آنکلی مگر جنگل سے رغبت اس کو نہیں

کوئی نیچی کوئی اونچی ہر پہاڑی مختلف
جنگل میں پھیلاؤ میں جھاڑی سے جھاڑی مختلف

شہپر سُتے بھرتے ہیں پیڑوں پہ پھل کھاتے ہوئے
جا رہے ہیں زاغ اُڑتے اور بل کھاتے ہوئے

وہ اُدھر سرخاب پانی میں پڑے ہیں دیکھنا
وہ کنارے پر تنے سارس کھڑے ہیں دیکھنا

گونج اٹھتا ہے پہاڑ ان سارسوں کے شور سے
تھوڑی تھوڑی دیر میں بول اٹھتے ہیں کس زور سے

جانور جنگل میں آتے ہیں نظر پھرتے ہوئے
پہنچے کھانے کو ثمر دیکھے جہاں گرتے ہوئے
پیتے ہیں چشموں کا پانی لیکن اندیشہ کے ساتھ
خوف ہے اُن کو کہ پڑ جائیں نہ یہ شیروں کے ہاتھ
ہیں ستارے تو بہت لیکن درخشاں چند ہیں
چاندنی کے نور کی چادر میں پنہاں چند ہیں
نیلگوں رنگِ سما اس پر ستارے جلوہ گر
جیسے آئیں بلبلے جمنا کے پانی پر نظر
چاند پھرتا ہے زمین کے گرد کس انداز سے
کوئی خوشرو جس طرح ٹہلے ادا سے ناز سے
ہے زمیں سے اُنس اُسے گو فاصلے پر ہٹ گیا
یہ زمیں کے دل کا ٹکڑا ہی تو ہے جو کٹ گیا
کون گھر جائے بھلا منہ اس ہوا سے موڑ کر
میں نہیں جانے کا شوقی ایسی فضا کو چھوڑ کر

شوق۔ قدوائی

۵۔ عروسِ بہار

پھولوں کا گہنا پھولوں کا مالا   پھولوں کا سہرا پھولوں کا بالا
پھولوں کا چاند اور پھولوں کا ہالا   سچ مچ گلاب اور سچ مچ کا لالا

آیا عروسِ فصلِ بہاری
آتی ہے نوشاہِ گل کی سواری

پھولوں کے بادل پھولوں کی جھڑیاں   پھولوں کے انبار پھولوں کی ڈالیاں
پھولوں کے گہنے پھولوں کی گھڑیاں   پھولوں کے گنبد اور پھولوں کی چھپریاں

آیا عروسِ فصلِ بہاری
آتی ہے نوشاہِ گل کی سواری

پھولوں کے غنچے پھولوں کی کلیاں   پھولوں کی کنج اور پھولوں کی گلیاں
شاخوں کے جھولے وہ رنگ رلیاں   پھولوں کی پریاں تتلی کی ٹولیاں

آیا عروسِ فصلِ بہاری
آتی ہے نوشاہِ گل کی سواری

پھولوں کی ڈالی ہے خرمن   پھولوں کا بوٹا بوٹا ہے گلشن
پھولوں کے کوشک پھولوں کے مخزن   پھولوں کی شمعیں پھولوں سے روشن

آ ہا عروسِ فصلِ بہاری
آتی ہے نوشاہِ گل کی سواری

پھولوں کے قصر اور پھولوں کے میداں
پھولوں کے طاق اور پھولوں کے ایواں
پھولوں کی دربار پھولوں کے دیباں
پھولوں کی ساز اور پھولوں کے ساماں

آ ہا عروسِ فصلِ بہاری
آتی ہے نوشاہِ گل کی سواری

مہابن پہ آیا جوانی کا جوبن
پربت کا مالی ٹیلے کی مالن
پھولوں کی بدھی پھولوں کا جوشن
پھولوں کی چولی پھولوں کا دامن

آ ہا عروسِ فصلِ بہاری
آتی ہے نوشاہِ گل کی سواری

پھولوں کی سیج دھج پھولوں کی چہل پہل
پھولوں کی دھوپ میں پھولوں کی ہل چل
پھولوں کی میلے پھولوں کے دنگل
پھولوں کے جنگل جنگل میں منگل

آ ہا عروسِ فصلِ بہاری
آتی ہے نوشاہِ گل کی سواری

شیخ و برہمن دانا و جاہل
عاشق محزوں شاعر بیدل
جنگل کی چڑیاں باغوں کے کوئل
آتے ہیں مل جل گاتے ہیں مل مل

آہا عروس فصل بہاری
آتی ہے نوشاہ گل کی سواری

صادق

۶ ۔ گرمی کی شکایت

جوش ہے یہ بہار میں اس سال ۔۔۔ لب جو پر ہے عکس کا تبخال
لالے کے ہر چراغ پر اس آن ۔۔۔ لٹ دھوئیں کی ہے شاخ نافرمان
جل گئیں سلیں رہ گیا ہے کاٹھ ۔۔۔ روشنی کا سادا لپٹ ہے ٹھاٹھ
بوند کو دل صدف کا ترسے ہے ۔۔۔ ابر نیساں سے آگ برسے ہے
اب زمیں پر بس پڑے ہے دھوپ ۔۔۔ سرسوں کے کھیت کا سا ہے کچھ روپ
سائے کی تیرگی پہ کر تو نگاہ ۔۔۔ قرب سے دھوپ کی ہوا کے سیاہ
خلق کی تشنگی سے ہے یہ حال ق ۔۔۔ طفل کو مشک دو جواں کو کھپال
تو بھی نیت انھوں کی بھرتی نہیں ۔۔۔ پیاسے مرتے ہیں پیاس مرتی نہیں
پانی کتنا ہی پیٹ میں ہو اب ۔۔۔ شکل آئینہ خشک رہتے ہیں لب
رات سووے زمیں پہ جو انساں ۔۔۔ کروٹیں لیں لے جل تلے پر نان
پسو جب کاٹنے تب ملے ہاتھ ۔۔۔ سر و سینہ کو پیٹے ساری رات
گرمی پڑتی ہے یا خدا کا قہر ق ۔۔۔ کیا کہوں تجھ سے میں کہ شہر بشہر

پادشاہوں کی پادشاہی ہے — آگ بتیاں کی دُھائی ہے

عنبر تہہ خانہ جائے امن نہیں

اب کچھ آرام ہے تو زیر زمیں

سموں۱

۷ ۔ برسات کا تماشا

خورشید گرم ہو کر نکلا ہے اپنے گھر سے — لیتا ہے مول بادل کر کر تلاش زر سے

آئی ہوا بھی لے کر بادل کو ہر نگر سے — آدھے اسار تو اب دشمن کے گھر ہی برسے

آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

قاصد صبا کے دوڑے ہر طرف منہ اٹھا کے — ہر کوہ و دشت کو بھی کہتی ہیں یوں سنا کر

ہاں سبز جوڑے پہنو ہر دم نہا نہا کر — کوئی دم کو میگھ راجا دیکھے گا سب کو آکر

آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

ساون کے بادلوں نے پھر آگھٹا جو چھائی — بجلی نے اپنی صورت پھر آن کر دکھائی

ہو مست رعد گرجا کوئل کی کوک آئی — بدلی نے کیا مزے کی رم جھم جھڑی لگائی

آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

آکر کبھی مزے کی ننھی پھوار برسے — چہروں کا رنگ ٹپکے حسن اور نکھار برسے

اک طرف اولتی کی باہم قطار برسے — چھاجوں اُمنڈ کے پانی موسل کی [illegible]

آیا رچل کے دیکھیں برسات کا تماشا

کالی گھٹا ہے ہر دم برسے ہے مینہ کی دھاریں　　اور جس میں اُڑ رہی ہیں بگلوں کی ہو قطاریں
کوئل پپیہے کوکیں اور کوک کر پکاریں　　اور مور مست ہو کر جل کو کلا چنگاریں
آیا رچل کے دیکھیں برسات کا تماشا

ہر کوہ کی کمر تک سبزہ ہے لہلہاتا　　برسے ہے مینہ جھڑا جھڑ پانی بہا ہے جاتا
وحش و طیور ہر اک مل مل کے ہے نہاتا　　غوغا کریں ہیں مینڈک جھینگر ہے غل مچاتا
آیا رچل کے دیکھیں برسات کا تماشا

نظیر

۸. برسات کی بہار

آیا ساون بجلی چمکی　　کس سے کہوں میں اپنے جی کی
بادل اُٹھے کالے کالے　　جھوم رہے ہیں سب متوالے
آج چمن ہے بزمِ عشرت　　وقت نزول خیر و برکت
اُس کی رحمت آج ہے جاری　　گوہر بیز ہے ابر بہاری
صحن چمن پر بادل چھایا　　کیوں نہ یہ موسم سب کو بھایا
جوش پہ آئیں گنگا جمنا　　زور سے دیکھو پانی بہنا
چھائی اب گھنگھور گھٹا ہے　　چلتی کیسی سرد ہوا ہے

گھر کر برسے خوب ہیں بادل — چشمِ زدن میں بھر گئے جل تھل
کوہ سے کیسے چشمے رواں ہیں — موجِ خوشی میں رقص کناں ہیں
بگلوں کی اجلی اجلی قطاریں — کالی گھٹاؤں کی یہ بہاریں
پانی سے لبریز ہیں نہریں — آتی ہیں پیہم کیسی لہریں
رشکِ فردوس اب ہے گلشن — پھولوں سے بھر لو چل کر دامن
پھولوں کی خوشبو روح فزا ہے — سیرِ چمن کا خوب مزا ہے
ہے جو لہکتا سبزۂ خودرو — دیتا ہے فرحت قلب و جگر کو
رنگ شجر پہ چڑھ گیا تازہ — گویا ملا ہے منہ پہ غازہ
اب تو نہ مجھ کو ترسا ساقی — ساون کا مینہ برسا ساقی
صدقے دے بہارِ ایماں — چرخ پہ چھایا ابر باراں

آج میں ساقیِ عیش طلب ہوں
خواہش مند بزمِ طرب ہوں

سید وصی بلگرامی

۹ ۔ برسات کی بہار

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل — برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل
گھر میں اشنان کریں سرو قدان گوکل — جاکے جمنا پہ نہانا بھی ہے اک طولِ امل

خبر اُڑتی ہوئی ہے مہابن سے ابھی
کہ چلے آتے ہیں تیرتھ کو ہوا پر بادل

کالے کوسوں نظر آتی ہیں گھٹائیں کالی
ہند کیا ساری خدائی میں بتوں کا ہے عمل

نہ کھلا آٹھ پہر میں کبھی دو چار گھڑی
پندرہ روز ہوئے پانی کو منگل منگل

دیکھیے ہوگا سری کرشن کا کیونکر درشن
سینۂ تنگ میں دل گوپیوں کا ہے بیکل

راکھیاں لے کے سلونوں کو برہمن نکلیں
تار بارش کا جو ٹوٹے کوئی ساعت کوئی پل

شب کو مہتاب نظر آئے نہ دن کو خورشید
ہے یہ اندھیر مچائے ہوئے تاثیر زحل

وہ دھواں دھار گھٹا ہے کہ نظر آئے نہ شمع
گرچہ پرواز بھی ڈھونڈے اسے لے کر مشعل

ابر بھی چل نہیں سکتا وہ اندھیرا گھپ ہے
برق سے رعد یہ کہتا ہے کہ لانا مشعل

جس طرف سے گئی بجلی پھر اُدھر آ نہ سکی
قلعۂ چرخ میں ہیں بھول بھلیاں بادل

لہریں لیتا ہے جو بجلی کے مقابل سبزہ
چرخ پر بادلا پھیلا ہے زمیں پر مخمل

جگنو پھرتے ہیں جو گلشن میں تو آتی ہے نظر
مصحف گل کے حواشی پہ طلائی جدول

جس طرف دیکھیے بیلے کی کھلی ہیں کلیاں
لوگ کہتے ہیں کہ کرتے ہیں فرنگی کونسل

شاخ پر پھول ہیں جنبش میں زمیں پر سنبل
سب ہوا کھاتے ہیں گلشن میں سوار و پیدل

شاخ شمشاد پہ قمری سے کہو چھیڑے ملار
لو نہالان گلستاں کو سنائے یہ غزل

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل
تیرتا ہے کبھی گنگا کبھی جمنا بادل

خوب چھایا ہے سر گوکل و متھرا بادل
رنگ میں آج کنھیا کے ہے ڈوبا بادل

سطحِ افلاک نظر آتی ہے گنگا جمنی — روپ بجلی کا سنہرا ہے روپہلا بادل
چرخ پر بجلی کی چل پھر سے نظر آتا ہے — سبزہ چمکائے ہلاتا ہوا برچھا بادل
میری آنکھوں میں سماتا نہیں یہ جوشِ فنر جہ؟ — کسی بیدرد کو دکھلائے کرشما بادل
دل بیتاب کی ادنیٰ سی چمک ہے بجلی — چشمِ پرآب کا ہے ایک کرشما بادل
طپش دل کا اڑا یا ہوا نقشہ بجلی — چشمِ پرآب کا دھویا ہوا خاکہ بادل
اپنی کم ظرفیوں سے لاکھ فلک پر چڑھ جائے — میری آنکھوں کا ہے اترا ہوا صدقہ بادل
کچھ نہیں کھیل نہیں جوشِش گریہ کا ضبط — یہ مرا دل ہے یہ میرا کلیجہ ہے میرا دل

دیکھتا گر کہیں محسنؔ کی فغاں وزاری
نہ گرجتا نہ برستا کبھی ایسا بادل

محسن

۱۰۔ برسات کی بہاریں

ہیں اس ہوا میں کیا کیا برسات کی بہاریں — سبزوں کی لہلہاہٹ باغات کی بہاریں
بوندوں کی جھمجھاہٹ قطرات کی بہاریں — ہر بات کے تماشے ہر گھات کی بہاریں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

بادل ہوا کے اوپر ہو مست چھا رہے ہیں — جھڑیوں کی مستیوں سے دھومیں مچا رہے ہیں
پڑتے ہیں پانی ہر جا جل تھل بنا رہے ہیں — گلزار بھیگتے ہیں سبزے نہا رہے ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

مارے ہیں موج ڈابر دریا وہ ندرہی ہیں　　مور و پپیہے کوئل کیا کیا رمنڈ رہی ہیں
جھر کر رہی ہیں جھڑیاں نالے اُمنڈ رہی ہیں　　برسے ہے مینہ جھڑا جھڑ بادل اُمنڈ رہی ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جنگل سب اپنے تن پر ہریالی سج رہی ہیں　　گل پھول جھاڑ بوٹے کر اپنی دھج رہی ہیں
بجلی چمک رہی ہے بادل گرج رہی ہیں　　اللہ کے نقارے نوبت کے بج رہی ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

بادل لگا ٹکوریں نوبت کی گت لگادیں　　جھینگر جھنگار اپنی سرنائیاں بجادیں
کر شور مور بگلے جھڑیوں کا مینہ بلادیں　　پی پی کریں پپیہے مینڈک ملار گادیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

ہر جا بچھا رہا ہے سبزہ ہرے بچھونے　　قدرت کے بچھ رہی ہیں ہر جا ہرے بچھونے
جنگلوں میں ہو رہی ہیں پیدا ہرے بچھونے　　بچھوائے ہیں حق نے کیا کیا ہرے بچھونے

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

سبزوں کی لہلہاہٹ کچھ ابر کی سیاہی　　اور چھا رہی گھٹائیں سرخ اور سفید کاہی
سب بھیگتے ہیں گھر گھر لے ماہ تا بہ ماہی　　یہ رنگ کون رنگے تیرے سوا الٰہی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کیا کیا رکھے ہیں یارب سامان تیری قدرت　　بدلے ہے رنگ کیا کیا ہر آن تیری قدرت

سب مست ہو رہے ہیں پہچان تیری قدرت
تیتر پکارتے ہیں "سبحان تیری قدرت"
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کوئل کی کوک میں بھی تیرا ہی نام ہے گا
اور مور کی زٹل میں تیرا پیام ہے گا
یہ رنگ سو مزے کا جو صبح شام ہے گا
یہ اور کا نہیں ہے تیرا ہی کام ہے گا
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

بولیں بئے بٹیریں قمری پکارے کوکو
پی پی کرے پپیہا بگلے پکاریں تو تو
کیا ہدہدوں کی حق حق کیا فاختوں کی ہو ہو
سب رٹ رہی ہیں تجھ کو کیا پنکھ کیا پکھیرو
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جو مست ہوں ادھر کے کر شور ناچتے ہیں
پیارے کا نام لے کر کیا زور ناچتے ہیں
بادل ہوا کے اوپر ہو مست چھا رہے ہیں
مینڈک اچھل رہے ہیں اور مور ناچتے ہیں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

نظیر

۱۱۔ برسات کے عیش و رنج

جس گلبدن کے تن میں پوشاک سوسنی ہے
سو وہ پری تو خاصی کالی گھٹا بنی ہے
اور جس پہ سرخ جوڑا یا اودی اوڑھنی ہے
اس پر تو سب گھلاوٹ برسات کی چھنی ہے
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

اور جس صنم کے تن میں جوڑا ہے زعفرانی   گلنار یا گلابی یا زرد و سرخ دھانی
کچھ حسن کی چڑھائی اور کچھ نئی جوانی   جھولوں میں جھولتی ہیں اوپر پڑے ہے پانی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کوئی تو جھولتی ہے جھولے کی ڈور چھوڑے   یا ساتھنوں میں اپنی پاؤں ہی پاؤں جوڑے
بادل کھڑے ہیں سر پر برسے ہیں تھوڑے تھوڑے   بوندوں سے بھیگتے ہیں لال اور گلابی جوڑے

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

گاتی ہے گیت کوئی جھولے پہ کر کے پھیرا   ماروجی آج کیجے یاں رین کا بسیرا
بے خوش کوئی کسی کو ہے سوغ و غم نے گھیرا   منہ زرد بال بکھرے آنکھوں میں اندھیرا

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

ہے جن کی سیج سونی اور خالی چار پائی   رو رو کے انکھڑیوں نے ہر دم [illegible] یہ بات ہی سنائی
پردیسی نے ہماری اب کے بھی سدھ بھلائی   اب کے بھی چھاؤنی جا پردیس ہی میں چھائی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جب کوئل اپنی ان کو آواز ہی سناتی   سنتے ہی غم کے مارے چھاتی ہے امڈی آتی
پی پی کی دھن کو سن کر بیکل ہے کہتی جاتی   مت بول اے پپیہے پھٹتی ہے میری چھاتی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنوں نے اپنی غم سے اب ہی یہ گت بنائی   میلے کچیلے کپڑے آنکھیں ہیں ڈبڈبائی

نے گھر میں جھولا ڈالا نے اوڑھنی رنگائی   پھوٹا پڑا ہے چولھا ٹوٹی پڑی کڑھائی
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

نظیر

۱۲۔۔۔ کیچڑ کی آفت

یہاں کیچ کا اس قدر ہے ہنگام   خشکی کا سنا نہیں کہیں نام
نکلے ہے کوئی جو گھر سے ناگاہ   ڈھونڈھے وہ پل صراط کی راہ
ٹک اس میں کیا جو پاؤں نے فرق   یکبار ہی سر سے پاؤں تک غرق
رستوں میں ہو خلق اس طرح خوار   جوں شہد میں ہوں پھنسے مگس خوار

جاتے ہیں جو ان دنوں میں دربار   اس طرح سے ہیں ذلیل اور خوار
اک خلق کا اژدہام ہے ساتھ   پکڑے ہے کوئی کمر کوئی ہاتھ
کہتا ہے کوئی کہ پل بناؤ   بولے ہے کوئی کہ ناؤ لاؤ

ہر چار طرف نفر کھڑے ہیں   کیچڑ میں میاں اندھے پڑے ہیں
مت جان ہیں پالکی چنڈول پاس   ہرگز نہیں کچھ انھوں کو وسواس
ان کے بھی گئے ہیں کیچ سے ہوش   پھرتے ہیں ہمیشہ خانہ بردوش

رتھ میں جو کوئی سوار ہے یہاں   وہ سب سے زیادہ خوار ہے یہاں
چلنے کے کرے جو ایک قسم میل   پھر بیچے۔ نہ رتھ۔ نہ اپنے بیل

یہاں تک ہی جیتے زمین کی گری | تاتحت ثری کبھی نہ ٹھیری
جو گاؤ زمیں کہیں ہیں مردم | سو بیل یہیں ہوا تھا وہ گم
اس راہ سے بھول کر کبھی آئے | بکری کی طرح سے شیر میلائے
چھینٹوں کا زبس وفور ہے یہاں | کپڑے ہیں ہر ایک کسی کے افشاں
دو چار جو بیٹھے ہیں مل پاس | ہوتا ہے عجب مزے کا اجلاس

کیچڑ میں ہیں شور بور ایسے
چہلے میں پڑی ہو بھینس جیسے

قائم

۱۳۔ برسات کی مکھیاں

یارو میں چپ رہوں بھلا تا کئے | مکھیاں تو بہت ہوئیں دَر پے
چلے آتے ہیں غول پے در پے | شور ہے غل ہے بھنبھناہٹ ہے

کوئی تھو کے کوئی کرے ہے تے
اس قدر دھوم مکھیوں کی ہے

پہلے مذکور کیا ہے کھانے کا | کھا کے پھر ذکر کیا بچانے کا
کوئی پینے کا اور نہ کھانے کا | یہ بُرا حال ہے زمانے کا

سخت مشکل بڑی خرابی ہے
اس قدر دھوم مکھیوں کی ہے

دو چنوں سے جو منہ چلاتا ہے
اس میں سو مکھیاں وہ کھاتا ہے
دال روٹی پہ قہر آتا ہے
اور جو میٹھی چیز کھاتا ہے
اُس نے، اللہ جلانے کھائیں کے
اس قدر دھوم مکھیوں کی ہے

کپڑے اُجلے ہیں بلکہ میلے ہیں
سب گو مکھیوں کے چھیپے ہیں
سر سے تا پا سڑے کچیلے ہیں
آدمی کیا کہ گڑ کے بھیلے ہیں
اُڑ گئے تار تار سب رگ و پے
اس قدر دھوم مکھیوں کی ہے

دلبروں کی یہ شامت آئی ہے
آنکھ مکھی نے کاٹ کھائی ہے
ٹھوڑی بھوں آنکھ سب سجائی ہے
حُسن کی یہ بھی بدنمائی ہے
رہ گئی رنگ روپ کی سب رے
اس قدر دھوم مکھیوں کی ہے

رنڈیاں کیسی اچھے گاتی ہیں
مکھیاں منہ پہ بیٹھ جاتی ہیں
دم بدم تھوکنے کو جاتی ہیں
کھانس کھنکھار سر ہلاتی ہیں

تو بھی بندھتی نہیں ہے انکی لے
اس قدر دھوم مکھیوں کی ہے

ہے نظیر اب تو شان میں مکھی　　گھر کے ہر اک مکاں میں مکھی
شہر کی ہر دکاں میں مکھی　　بھر گئی سب جہاں میں مکھی
کوئی خالی نہیں غرض اب شے
اس قدر دھوم مکھیوں کی ہے

نظیر

۱۴۔ جاڑے کی بہار

جب ماہ اگھن کا ڈھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
اور ہنس ہنس پوش سنبھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
دن جلدی جلدی چلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
پالا بھی برف پگھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
چلا خم ٹھونک اچھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
دل ٹھوکر مار پچھاڑا ہو اور دل سے ہوتی ہو کشتی سی
تھر تھر کا زور اکھاڑا ہو بجتی ہو سب کی بتیسی

ہو شور پھپھو ہو ہو کا اور دھوم ہو سی سی سی کی
کلّہ پہ کلّہ لگ لگ کر چلتی ہو منہ میں چکی سی
ہر دانت چنے سے دلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

ہر ایک مکاں میں سردی نے آ باندھ دیا ہو یہ چکر
جو ہر دم کپ کپ ہوتی ہو ہر آن کڑاکڑ اور تھر تھر
بیٹھی ہو سردی رگ رگ میں اور برف پگھلتا ہو پتھر
جھڑ باندھ مہاوٹ پڑتی ہو اور تس پر لہریں لے لے کر
سناٹا باؤ کا چلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

ہر چار طرف سے سردی ہو اور صحن کھلا ہو کوٹھے کا
اور تن میں نیمہ شبنم کا ہو جس میں خس کا عطر لگا
چھڑکاؤ ہوا ہو پانی کا اور خوب پلنگ بھی ہو بھیگا
ہاتھوں میں پیالہ شربت کا ہو آگے اک فراش کھڑا
فراش بھی پنکھا جھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

نظیر

۱۵۔ جنت فردوس

وہ سماں جنت فردوس کا وہ تیاری — بار پاتے ہیں وہی جن پہ ہے فضل باری
قلم قدرت معبود کی وہ گلکاری — نیچے گنجان درختوں کے وہ نہریں جاری

چشم مشتاق کو حاصل ہو طراوت جن سے
تجری من تحتہا الانہار عبارت جن سے

ہر طرف شوکت معبود نظر آتی ہے — راہ آفات کی مسدود نظر آتی ہے
صورت شاہد مقصود نظر آتی ہے — دھیان جس شے کا ہو موجود نظر آتی ہے

دکھ نہیں شیب نہیں گردش ایام نہیں
عیش و راحت کے سوا رنج کا واں نام نہیں

معتدل آب و ہوا فصل ہمیشہ یکساں — نہ حوادث کا تردد نہ کبھی خوف خزاں
فکر سے امن بشر کو تو مصیبت سے اماں — غنچے ہر دم متبسم تو گل تر خنداں

خار حسرت نہیں صدمہ نہیں آزار نہیں
اس گلستاں میں جو نرگس ہے وہ بیمار نہیں

وہ زمیں طرب افزا کی لطافت خیزی — کسی جا غالیہ سائی کہیں عنبر بیزی
اک طرف طرہ سنبل کی وہ دل آویزی — سبز اشجار پہ پھولوں کی وہ رنگ آمیزی

صفتیں پائے نظر کے لئے زنجیریں ہیں
ایک پتی ہے تو سو رنگ کی تحریریں ہیں

نزہت انگیز شجر برگ لطافت آمیز — ڈالیاں صحن میں گل ریز ہر اک گل زر بیز
خار بھی ہیں تو ادا میں حشر و محور سے تیز — سبز شاخوں پہ وہ مرغان چمن زمزمہ ریز

گر ترانے کبھی نغمے کبھی چہکاریں ہیں
پر زمرد کے تو یاقوت کی منقاریں ہیں

باغ وہ تازہ و شاداب فضا حد سے فزوں — دیکھ کر جس کو طرب ناک ہو قلب محزوں
عمر بھر ختم نہ ہو حال فواکہ جو کہوں — نخل ہر قسم کے اور میوۂ تر گوناگوں

پھول بیتاب کہ لیں پھل کی جبیں کے بوسے
ڈالیاں جھوم کے لیتی ہیں زمیں کے بوسے

کہیں زرد آلوئے تازہ کہیں سیب جہاں — باعث تقویت و فرحت روح انساں
بعضے ان سب کے علاوہ ثمر ایسے ہیں وہاں — باغ عالم میں کہیں جن کا نہیں نام و نشاں

بچ رہا کوئی تکلف کا نہ پہلو ان سے
پھل میں آتی ہے مگر پھول کی خوشبو ان سے

جلد سے مغز عیاں صاف لطافت ایسی — ذائقہ ذکر میں جن کے ہے حلاوت ایسی
سایہ برگ میں ہو بار نزاکت ایسی — کونپلیں عکس سے گلنار ہوں رنگت ایسی

خوب ہے انجم کی فروغ نظر انساں پر
قمقمے نور کے ہر نخل میں آویزاں ہیں

ذکر طوبیٰ کا سنو ہے وہ عظیم ایک شجر
پہنچے جس کی نہ بلندی کو کبھی مرغ نظر
اصل اس نخل کی ہے قصر نبیؐ کے اندر
شاخیں اتنی ہیں کہ جو سایہ فگن ہیں گھر گھر

دیکھ کر روح کو اک تازہ مزہ ملتا ہے
سبز پتوں سے بھی رحمت کا پتہ چلتا ہے

برگ ہل جائیں جو تحریک ہوا سے اک بار
زمزمے اُن سے وہ پیدا ہوں کہ جھومیں اشجار
وجد میں بلبل خوش لہجہ جو کھولے منقار
نغمے سو نغمے وہ ہوں جن میں ہوں اُمنگ ہزار

اس کا کیا ذکر ہے انساں کی جو کچھ حالت ہو
در و دیوار کو اک عالم محویت ہو

قصر ذیجاہ محمدؐ کی وہ عظمت وہ نمود
دیکھ کر جس کو ملک عرش پہ پڑھتے ہیں درود
نور اس کے در و دیوار سے کرتا ہے صعود
منزل رحمت حق چار حدوں سے محدود

اس کی تنویر سے یوں قصر جناں روشن ہیں
جیسے خورشید سے دنیا کے مکاں روشن ہیں

حد اول ہے سوئے مسکن حیدرؑ صفدر
حد ثانی کی طرف فاطمہ زہرہ کا ہی گھر
حد ثالث میں زمرد کا مکان شبر
قصر یاقوت شبیر ہے حد رابع ہی جدھر

ہے وہ گھڑی عرس کا جو مظلوم مرجائی ہو
پنجتن کے لئے جنت میں بھی یکجائی ہے

وحید

۱۶۔ بہشت بریں

آراستہ بہشت کے چمن جو پائے — سب کی زباں سے یہ نکلا کہ ہائے ہائے
فردوس جوبار شگوفوں نے کچھ سنائے — غنچوں کی طرح غنچہ دہن تن کے مسکرائے
یوں خندہ زن ہوئے چمن مرتضیٰ کے گل
ہنستے ہیں جیسے وقت سحر کھل کھلا کے گل

رخت زمردیں میں ہر ایک نخل تھا نہال — تھا خوش قدی کا اپنا ہر ایک سرو کو خیال
طاؤس وجد میں رخ لالہ خوشی سے لال — ہر سو نسیم چلتی تھی اٹکھیلیوں کی چال
طوبیٰ تو مست یاد الٰہی تھا اوج میں
کوثر بھی جوش مارتا تھا اپنی موج میں

ہر برگ ہاتھ اٹھا کے پکارا یہ برملا — کیا گلبدن ہیں صلّ علیٰ آل مصطفیٰ
بلبل ہزار جان سے ہوئی دیکھ کر فدا — حوریں سب آ کھڑی ہوئیں غرفوں کو کر کے وا
نرگس کے گل کے نظر تاکنے لگے
انگور بھی بغور ادھر تاکنے لگے

ذرے یہ یہاں کے صفتے ہیں دنیا کی کائنات　　وہ عاریت سرا تو ہمیشہ رہے ثبات
یہ پرفضا مقام یہ کھلتے یہ میوہ جات　　پہونچے یہاں کہ رنج والم سے ہوئی نجات
جو کچھ تمہارے واسطے ساماں ہیں چین کے
اے گلرخو یہ پھل ہیں ولائے حسین کے

اُنس

۷۱ خلد بریں

وہ چمن خلد کا پر نور وہ ہر ایک مکاں　　سامنے جس کے ہے کم عرض میں پیارا جہاں
کوشکیں سربفلک حجرہ و در نور فشاں　　وصف ہیں وسعت ہر قصر کے قاصر ہے زباں
آسماں سے نہیں واں کی زمیں کی شوکت
جس کی کرسی میں ہے سب عرش بریں کی وسعت

فرش وہ نرم مخمل جس سے حریر و دیبا　　سقف پر نور وہ کوٹھوں کی بلندی و فضا
آتے جاتے ہیں ملک کرتے ہوئے ذکر خدا　　اک طرف کرتے ہیں خدام ہر اک گھر کو صفا
آسماں سے نہیں کم واں کی زمیں کی شوکت
کوئی تسبیح کوئی صل علیٰ پڑھتا ہے

اوج پر سب ہیں مکاں مثل فلک اک طرف　　باغ آراستہ کرتے ہیں ملک ایک طرف
حوض کوثر کی نمایاں ہے چمک اک طرف　　سلسبیل اپنی دکھاتی ہے جھلک اک طرف

طوبیٰ کو یہ ہوا تھی کہ سائے میں میرے آئیں — ہر قصر منتظر تھا کہ تشریف ادھر کو لائیں
کوثر یہ چاہتا تھا کہ پیاس آکے یہاں بجھائیں — مشتاق ڈلیاں تھی کہ ان نعمتوں کو کھائیں
انجام عشق دلبر مشکل کشا یہ ہے
میوے تھے ذوق شوق میں عز و مزا یہ ہے

ہر دم سہانا وقت ہے نہ روز ہے نہ شب — کیسا ملال ہوتا ہے کیا چیز ہے تعب
پتوں کو کرتی ہے متحرک نسیم جب — سنتے ہیں اُن سے نغمہ دلکش عجب عجب
عیش و طرب کا چار طرف ساز و برگ ہے
یہاں درد ہے نہ غم نہ تغیر نہ مرگ ہے

آراستہ ہوئے ہیں تمہارے لیے یہ گھر — سبز فرش ہے حریر بہشتی کا سر بسر
روشن ہے صورت دل عارف ہر ایک در — پردے میں مثل چادر مہتاب جلوہ گر
میں درخت پہنے ہوئے رخت نوزیں
ایوان جواہرات کے ہیں تخت نور ہیں

ہر شے میں شان صنعت پروردگار ہے — ہر رنگ کے گلوں پہ ہمیشہ بہار ہے
گلشن کا رخت سبز جواہر نگار ہے — شاخوں سے حسن دست نگار آشکار ہے
یاں کی زمیں بھی ہے تو عنبر سرشت ہے
گویا دلہن بنا ہوا سارا بہشت ہے

کہیں نسیم کہیں نہر بہن جاری ہے
مشک اور عنبر سارا کی زمین ساری ہے

وہ فضا اور وہ رنگ رنگ کے پھولوں کی بہار | روشیں پاک مصفا وہ نہالوں کی قطار
اس طرف سیب کے پودے تو ادھر نخل انار | نرم وہ ڈالیاں وہ جلوہ نما برگ و بار

لعل و یاقوت سے رنگت میں فزوں ہر پھل ہے
صاف آویزہ زمرد کا ہر ایک کونپل ہے

جابجا ڈالیوں پر مرغ چمن چہچہہ زن | زمزمے کرتے ہیں جب جھومتے ہیں نخل چمن
اڑتے ہیں کھول کے پر جب وہ میان گلشن | یا علی منہ سے نکلتا ہے خوشا صوت حسن

چوٹیاں سر پہ ہیں یا نور کی دستاریں ہیں
پنجے بیسنے کے ہیں یاقوت کی نقابیں ہیں

جمع ہیں نعمت الوان کریم ایک طرف | عنبر افشاں ہیں گل باغ نعیم ایک طرف
جھومتی پھرتی ہے گلشن میں نسیم ایک طرف | تازے پھولوں کی ہے کثرت سے شمیم ایک طرف

مشک آگیں و معطر وہ جگہ ساری ہے
جس طرف دیکھو نئے حسن کی تیاری ہے

نفیس

۱۸۔ بزمِ قدرت میں کسی کی آمد

بس کہ نزدیک ہے اس باغ میں حضرت کا ورود
غنچے لب کھول رہے ہیں پئے شکرِ معبود
نغمہ سنجی کے عوض بلبلیں پڑھتی ہیں درود
رخِ رنگیں سے ہر اک گل کی بشاشت ہے نمود

شاد ہو کر کوئی طائر جو چہک جاتا ہے
چونک کر سبزۂ خوابیدہ لہک جاتا ہے

خبرِ آمدِ سرور سے خوشی ہے جو کمال
سب کو خواہش ہے کہ بڑھ جائیں پئے استقبال
سرو پابندِ جگہ کے جو ہیں بڑھنا ہے محال
سب ترستے ہیں کہ آ جائے نظر ہم کو جمال

نخل خود رفتہ ہیں حضرت کی زیارت کیلئے
ہاتھ پھیلائے ہیں سب ڈالیاں بیعت کیلئے

ہیں گلِ سرخ بھی بیتاب بہت بہرِ جناب
پر یہ کانٹوں میں پھنسے ہیں کہ نہیں بڑھنے کی تاب
زور جب کر کے چھڑاتے ہیں کہ ابھی ہوں شتاب
یوں کشش ہوتی ہے تن پر کہ ٹپکتا ہے گلاب

گلِ نرگس جو نہیں شاخ سے بڑھ سکتے ہیں
چشمِ مشتاق بنے در کی طرف تکتے ہیں

منتظر کب سے کھڑے ہیں شجرِ باغِ نعیم
کہیں رکتی نہیں اک لحظہ تردد میں نسیم
راہ تک تک کے قلق دل پہ جو ہوتا ہے عظیم
دامنِ گل سے نکل جاتی ہے گھبرا کے شمیم

یاد حضرت کی جو ہر مرتبہ تڑپاتی ہے
بیقراری میں صبا جاتی ہے اور آتی ہے

شوق دیدار میں بیتاب ہے جو دل بے قابو — سرو پر چڑھکر نظر آتی ہے قمری ہر سو
نظر آتا نہیں جب جلوۂ شاہ خوش خو — ہوش اڑ جاتے ہیں کہتی ہے پکڑ کر کوکو

دیر ہو جانے سے طاؤس جو گھبراتے ہیں
در پہ ہر بار ٹہلتے ہوئے آجاتے ہیں

جتنے ہیں انہیں دم بھر نہیں شاخوں پہ قرار — آرزو یہ ہے کہ ہو جلد میسر دیدار
دانت نکالے ہوئے کرتے ہیں — سیب باہو سنتے ہیں حسرت میں تڑپ کر بلد

دم بدم جھوم کے بڑھتے ہیں یہ مجبوری ہیں
آپ داخل ہوں اسی تاک میں انگور بھی ہیں

جتنی نہریں ہیں انہیں بھی ہے عجب طرح کا جوش — اُبلی پڑتی ہیں ملا ہیں سر و پا کا نہیں ہوش
دم بدم مضطرب و بیتاب ہیں اور لب پہ خروش — منتظر یہ ہیں کہ آپ آکے کریں پانی نوش

مضطرب شوق میں ان سب سے سوا ہے کوثر
ہمہ تن چشم حبابوں سے بنا ہے کوثر

مچھلیاں سب کہ تمنا میں تڑپتی ہیں کمال — پھرتی ہیں اُبھری ہوئی پانی پہ مجنوں کی مثال
رخ ہمہ سمت کو ہے اور دلوں میں یہ خیال — دور سے دیکھ لیں ہم پہلے محمد کا جمال

نعل ہے جو رحمت غفار ہے وہ آتا ہے
عاصیوں کا جو مددگار ہے وہ آتا ہے

وحید

۱۹۔ نظارۂ قدرت

اگر تیری قدرت کی کاریگری
نہ کرتی سمجھ بوجھ کر رہبری

تو وہ سر پٹکتی ہی رہتی مدام
طلب میں بھٹکتی ہی رہتی مدام

بنائی ہے تو نے یہ کیا خوب چھت
کہ ہے سارے عالم کی جس میں کھپت

یہ سقف کہن ہے ابھی تک نئی
اسے دیکھتے یوں ہی دنیا گئی

زمیں پر گئیں کتنی نسلیں گذر
رہی اس کی ہیبت یہ سب کی نظر

اسے سب نے پایا اسی ڈھنگ میں
اسے سب نے دیکھا اسی رنگ میں

عجب ہے یہ خیمہ رسن بے چوب
ہمیشہ مصفا ہی بے رفت روب

نہ در ہے نہ منظر نہ کوئی شگاف
ادھر سے ادھر تک ہے میدان صاف

جھروکا نہ کھڑکی نہ در ہے نہ چھید
عجب تیری قدرت عجب تیرے بھید

کہیں جوڑ ہے اور نہ پیوند ہے
جدھر دیکھئے اس طرف بند ہے

بنایا ہے کیا دست قدرت نے گول
پھریں ہی یہ چھری نہ سلوٹ نہ جھول

عجب قدرتی شامیانہ ہے یہ
نظر کی پہنچ کا ٹھکانہ ہے یہ

ہوا کو دیا تو نے کیا خوب رنگ — سراسیمہ ہے عقل اور فکر دنگ
پرے اس کی حد سے نہ جائے نظر — جہاں تک نظر جائے تکے نظر
یہ تارے جو ہیں آتے جاتے ہوئے — چمکتے ہوئے جگمگاتے ہوئے
نظر آ رہے ہیں عجب شان سے — ہیں لٹکے ہوئے سقفِ ایوان سے
چراغ ایسے روشن جو بن تیل ہیں — یہ تیرے ہی قدرت کے سب کھیل ہیں
یہ لعل و گہر ہیں جو بکھرے ہوئے — زمیں سے بھی ہیں اکثر ان میں بڑے
کوئی ان میں سورج کوئی ان میں چاند — کہ یہ ماہ و خور سامنے جنکے چاند
نظر میں جو اتنے سے آتے ہیں یہ — بہت دور چکر لگاتے ہیں یہ
پڑے اپنے چکر میں ہیں گھومتے — ترے حکم کے ذوق میں جھومتے
یہ قائم ہیں تیری ہی تقدیر سے — بندھے ہیں بہم سخت زنجیر سے
کھسکے جو کبھی ورنہ ٹوٹے کبھی — نہ اس بند سے کوئی چھوٹے کبھی
رسائی سے ہاتھوں کی برتر ہے وہ — نظر کے بھی قابو سے باہر ہے وہ
نہ سیمیں نہ زریں نہ وہ آہنی — مگر دست قدرت سے ہے وہ بنی
کھلے کب کڑی ہیں کہ کھولا اگر — اسے عقل پاوے تو توڑے اگر
وہ زنجیر کیا ہے کشش باہمی — نہ اس میں خلل ہو نہ بیشی کمی
عجب تو نے باندھی ہے یہ باگ ڈور — تلا سب کا رہنا ہے اسمیں زور
یہ سب لگ رہے ہیں اسی لاگ پر — لگاتے ہیں چکر اسی باگ پر

ہر اک کیلئے اک معین ہے دور — وہی اک وتیرہ وہی اک طور
نشہ میں اطاعت کے سب چور ہیں — کہ قانون قدرت سے مجبور ہیں
سدا چال کا ایک انداز ہے — نہ کھٹکا نہ آہٹ نہ آواز ہے
کبھی چلتے چلتے ٹھٹکتے نہیں — طریقہ سے اپنے بھٹکتے نہیں
ہے اس سب کا آئین ایجاد ایک — ہنر ایک ہی اور استاد ایک
یہ شاخیں ہیں سب ایک ہی اصل کی — بہاریں ہیں کل ایک ہی فصل کی
ہر ایک چیز ذرے سے تا آفتاب — بلا شبہ رکھتی ہے یکساں حساب
ہیں ذرے میں خورشید کی سی صفات — ہے خورشید بھی ذرۂ کائنات
حقیقت میں ہی یاں دو رنگی کہاں — جہاں ذرہ ہی اور ذرہ جہاں
نہیں تیری قدرت سے کچھ یہ بعید — کہ ہو ہر ستارہ جہان جدید
نہیں تیرے لطف و کرم سے عجب — کہ ہوں اس جہاں میں بھی مخلوق سب
ہو گرمی بھی سردی بھی برسات بھی — اندھیرا اجالا بھی دن رات بھی
یہ ندی یہ نالے سمندر پہاڑ — یہی بیل بوٹے درخت اور جھاڑ
ہوا بھی ہو اور لطف باراں بھی ہو — خزاں بھی ہو فصل بہاراں بھی ہو
ہو سر پر یہی طور سے آسماں — ہو پاؤں کے نیچے زمیں بھی وہاں
فلک پر ستارے بھی ہوں جلوہ گر — وہاں بھی ہو دوران شمس و قمر

ہو انساں بھی اور حیوان بھی
ہر اک چلبن کا ساز و سامان بھی

اسمٰعیل

۲۰۔ نیل گری کی سیر

مجھ کو کشش جمال قدرت — لائی جو وطن سے سوئے غربت
کی سیر ہر اک گلستاں کی — دیکھی رنگینی ہر اک جہاں کی
دولت یہ مگر کہیں نہ پائی — جو نیلگری میں ہاتھ آئی
کب آئی نظر عروس قدرت — بے پروا اور اتنی خوبصورت

میں نے سب کی بہار لوٹی

کہسار حریف صد چمن ہے — جو پیڑ ہے سرو قد دلہن ہے
ہے سبز درخت کی جو کونپل — ہر پنکھڑی اس کی سرخ مخمل
پوشاک ہر ایک ہے لال زیور — اطلس پہ ٹنکی ہے سرخ جھالر
آتا نہیں کچھ سمجھ میں اپنی — کہیے انہیں پھول یا کہ پتی
جنگل میں اک آگ سی لگی ہے — ٹھنڈک بھی مگر یہ آنکھ کی ہے
نیچے جنگل میں جھاڑیاں ہیں — سر سبز اونچی پہاڑیاں ہیں

چوٹی پہ کہیں کہیں ہیں جنگل — ہر پیڑ ہے جس میں دیو ہیکل
ہے چیڑ کہیں کہیں صنوبر — ایک ایک سے راستی پہ بڑھ کر
شمشاد ۔ دیار ۔ یوکلپٹس — ہیں دن کو فرشتے شب کو راکس
سیدھے موٹے تنے تنے ہیں — عفریت کی طرح سب کھڑے ہیں

ہے سوئے فلک ہر ایک کا میلان
ان سے پیدا ہے اک اکڑ کی شان

ہے نغمۂ طیور کا وہ دل کش — سب کرتے ہیں جس کو سن کے غش غش
پیڑوں پہ یہ کیا پھدک رہے ہیں — سرمست ہیں اور چہک رہے ہیں
کیا ناچ رہے ہیں گا رہے ہیں — بس پھولے نہیں سما رہے ہیں
ظاہر ہے کہ ان کا ننھا سا دل — ہے حس غم و طرب کے قابل

رکھتے ہیں غرض ضمیر یہ بھی
ہوتے ہیں اثر پذیر یہ بھی

نالے دن رات چل رہے ہیں — چشمے سیماب اگل رہے ہیں
بچوں کی طرح بچھڑ رہے ہیں — موتی آنکھوں سے جھڑ رہے ہیں
پانی ہے چٹانوں سے نکلتا — غل شور مچاتا اور اچھلتا
چلنے سے کبھی نہیں یہ تھکتا — رستے سے کبھی نہیں بھٹکتا
ٹھوکر پہ یہ کھا رہا ہے ٹھوکر — جز شوق کوئی نہیں ہے رہبر

طے کر کے پہاڑ اور صحرا — کترا کے چٹان اور ٹیلا
رہتا ہے یہ جو پہنچ کے تا منزل — مانع نہیں اس کو کوئی مشکل
گرپڑ کے ہر ایک یوں ہی نالا — ہو جاتا ہے ہم کنار دریا
کس زور سے نالہ بہہ رہا ہے — کچھ اپنی زباں میں کہہ رہا ہے
گر ہو طلب کمال تجھ کو — ق — گر کچھ ہو سر مآل تجھ کو
مقصود اگر ہو کامرانی — ۱ — کر میری طرح کلیجہ پانی
یوں چھاتی پہ تو بھی رکھ لے پتھر — ۲ — ٹکرا یوں ہی کوہ و دشت سے سر
جنگل ہو پہاڑ ہو کہ صحرا — ۳ — رہ دشت طلب میں جادہ پیما

مستی ہو جنوں ہو ہوش کے ساتھ
توفیق عمل ہو جوش کے ساتھ

ہے کتنا بلند ڈو ڈا بیٹا — تا چرخ ہی جس کا ڈانڈ ملیٹا
اس نے تو حقیقتاً ملا دئے — قلابے زمین و آسماں کے
اونچا کوئی نو ہزار فٹ ہے — آتی ہے نظر یہاں سے ہر شے
ندی و ادی پہاڑ میداں — معمورہ خرابہ اور بیاباں
سب ہم بغلک جب یہاں سے — دیتے ہیں دکھائی صرف ٹیلے
چھوٹا بڑا ادنیٰ اور اعلیٰ — باقی نہیں ان میں فرق اصلا
ارزل جو کہ اشرف الخلائق — ادنیٰ ہے نہ وہ نہ یہ ہے فائق

کثرت کا یہ دیکھ کر تماشا — ہو جاتی ہے خیرہ چشم بینا
رہتی نہیں وقعت اپنی حاشا — اک گھاس کی پتی سے زیادہ
لوٹے وہ ولایتوں سے بادل — اور چھا گئے اُن کے چار سو دل
بادل ہیں کہ ہیں یہ بحر زخار — ٹاپو سا بنا ہوا ہے کہسار
ہے سارا جہاں نظر سے غائب — مغلوب ہیں سب اور ابر غالب
قدرت کا غرض ہر ایک ذرہ — ہے چشم خرد کے حق میں پردہ
اب ابر نیا یہ روپ لایا — ہے دھوپ کہیں کہیں ہے سایہ
تاریک کہیں کہیں اُجالا — ابلق ہے پہاڑ اب سراپا

یعنی کہ ہیں روز و شب ہم آغوش
ہیں ساری عداوتیں فراموش

دامن پہ بچھی ہے سبز مخمل — اور چوٹی پہ کھیلتے ہیں بادل
ایک دوسرے کو یہ ریلتے ہیں — یا آنکھ مچولی کھیلتے ہیں
یہ بچے ہیں تیز رو بلا کے — جب دیکھو گھوڑے پہ ہوا کے
چوٹی پہ کبھی ہیں جا دبکتے — دامن میں کبھی ہیں آ دبکتے
پیچھے سے پہاڑیوں کے جھانکیں — چپکے سے ہیں یہ آ کے ڈھانکیں
بچوں کی طرح کبھی یہ مچلیں — ہر وقت نیا یہ رنگ بدلیں
اُجلے نیلے کبھی ہیں کالے — یہ روئی کے نرم نرم گالے

ہے سخت مزاج میں تلوّن   ق   چڑھ جائے ابھی کچھ اور اگر دھن
بن جائیں یہ بھولے بھالے بادل   متوالے، سیاہ، مست، پاگل
ہیں کف بدہن گرج رہے ہیں   یا طبل فلک پہ بج رہے ہیں
اقلیم زمیں پہ آسماں کی   ہو گی کوئی دم میں اب چڑھائی
وہ دینے لگی سنائی جھنکار   چلنے لگی بجلیوں کی تلوار
باڑیں بارش کی چل رہی ہیں   توپیں موتی اگل رہی ہیں
یہ رعد، یہ برق اور بارش   دراصل ہے جنگ کی نمائش
یہ جنگ و جدل ہی کھیل گویا   ہے ان کا بگاڑ میل گویا
رشتہ ہے زمین و آسماں میں   کچھ باتیں ہیں حال کی زباں میں
یہ ابر نہیں پیامبر ہیں   اور وجہ وصال ہمدگر ہیں
ہے ارض و سما میں ساز ان سے   مخفی نہیں کوئی راز ان سے
اقلیم زمین و آسماں میں   ہیں ایک سفیر درمیاں میں
ہے صلح صلاح ان کے دم سے   عالم میں فلاح ان کے دم سے
یہ تفرقۂ بلند و پستی   سچ پوچھو تو ہے فریب ہستی
سمجھے ہوئے ہیں جنہیں ہم اضداد   رکھتے نہیں خارجی وہ بنیاد
ہے پست و بلند کہنے کی بات   بے اصل ہیں سارے اختلافات

ہے زیر کوئی کوئی نہ بالا
بالا ہے فقط خدا تعالیٰ

مسلم

۲۱۔ کوہستان کا نظارہ

ہاں مبارک تجھے اے دید کی مشتاق نظر
ایک باغِ گل نظارہ ہے شملہ کا سفر

قلۂ کوہ جو اُبھرا ہی تو اک شان کے ساتھ
کھڈ جو گہرائی میں اترا ہے تو اک آن کے ساتھ

چوٹیوں اور کھڈوں پر جو ذرا کیجے نظر
اور رہ دیدگی کا دیکھیے منظر یہ اثر

سبزہ ہی سبزہ ہر اک سمت نظر آتا ہے
ایک دریائے زمرد ہے کہ لہراتا ہے

صفحۂ دل کش کہسار عجب گلشن ہے
سبزہ و گل سے جو خالی ہے سو اک خرمن ہے

نخلبندِ چمنِ دہر ہے مالی اس کا
گل سے رہتا نہیں دامن کبھی خالی اس کا

یاں جو پودے ہیں سو ہیں سرو کی صورت آزاد
خوش نوایانِ چمن کو نہیں خوفِ صیاد

پھول اک طرزِ دلآویز سے کھلتے ہیں یہاں
شجر اک جنبشِ مستانہ سے ہلتے ہیں یہاں

پہنی ہیں پھولوں نے خوش رنگ قبائیں کیا کیا
دل لبھاتی ہیں پرندوں کی صدائیں کیا کیا

دیکھنا اُڑتی ہوئی تیتریوں کے انداز
گویا قدرت نے عطا کی ہے گلوں کو پرواز

کس قدر حسن بکھیرا ہے یہاں قدرت نے
کیا ویرانے کو فردوس نشاں قدرت نے

دیکھیے اس سامنے کی سمت سے وہ بادل اٹھا
اک علم نور کا آکاش میں لہرانے لگا

اے لو! وہ اور بھی کچھ ابر کے پارے آئے — سینکڑوں رنگ میں جوبن کو دکھاتے آئے
نہیں بادل کے یہ ٹکڑے یہ ہیں جنگل پریاں — محو سیر کرہ باد ہیں رقصاں رقصاں
ان میں یہ ناز یہ چھل بل یہ ادا یہ گھاتیں — بادلوں کو کہیں آتی ہیں بھلا یہ باتیں؟
نیلی پوشاک کسی کی ہے کسی کی ہے ہری — کوئی نیلی پری ہے تو کوئی سُرخ پری
کیسی اٹکھیلیاں کرتی ہیں ہوا سے دیکھو! — ناچتی پھرتی ہیں کیا پیاری ادا سے دیکھو!
اے لو اب چھپ گئیں دامن میں گھٹا کے پریاں — ہو گئے بارشِ باراں کے مہیا ساماں
لو برسنے کو ہی پانی وہ گھٹائیں آئیں — مینہ کا پیغام لئے ٹھنڈی ہوائیں آئیں
ابر نے ڈھانپ لئے سب شجر و کوہ و زمین — گویا جز ابر کے دنیا میں کوئی چیز نہیں
رعد نے آکے جو احکام میں کچھ تیزی کی — وہ لگی دینے گھٹا داد گہر ریزی کی
کھل گیا ابر فلک صاف نظر آنے لگا — نیلگوں حسن کی نیرنگیاں دکھلانے لگا
واہ یہ صاف یہ شفاف یہ گہری نیلک — نہ زمرد میں یہ رنگت نہ یہ نیلم میں دمک
دیکھتا ہی اسے انسان تو کیا سوجھتی ہے — طائر روح کو پروازِ فنا سوجھتی ہے
سامنے دور افق تک جو نظر جاتی ہے — دُھر تک کوہ کی نیلک ہی نظر آتی ہے
نظر آتا ہے افق میں جو ذرا ابرِ سفید — شوق نظارہ طلب کو ہی سحر گاہِ امید
اک جھلک حسنِ ازل کی ہی دکھا جاتا ہے — دل کو مشتاقِ رخِ یار بنا جاتا ہے
آبشاروں کا سرِ کوہ طرب خیز وہ شور! — ہائے وہ نغمۂ مستانہ وہ رفتار وہ زور!
ندیاں دودھ کی بہتی ہیں یہاں بے محنت — دیکھ فرہاد تو حسرت سے کہے یا قسمت!

بحر کی تہ میں کوئی ہوگا پڑا مروارید — آبشاروں کو جو دیکھو تو ہمہ مروارید
آئی وہ دور سے سنسان جھنجھوٹی کی صدا — گونج بھی ساتھ پیالو ہے بجاتی اپنا
آہ موسیقیٔ جاں بخش! اجہاں سوز آہنگ — تیری تاثیر سے ذی روح بنا تودۂ سنگ
گونج کیلئے یہ ہے کہسار کی پُرزور صدا — اثر نغمہ سے وجد میں پتھر گاتا
ہائے اس حسن کے مسکن میں بھی آفت ہو وہی — اس گلستاں میں بھی انساں کی مصیبت ہو وہی
پیش ہر وقت وہی پیٹ کا دھندا اس کو — جبر حالات کا ہر دم وہی رونا اس کو
وہی محنت وہی ذلت ہے مقدر اس کا — وہی حرماں وہی حسرت ہی مقدر اس کا
ورنہ یہ عرصۂ کہسار عجب منظر ہے — دل کو فرصت ہو تو پوچھا کو عجب منظر ہے

ذرّے ذرّے میں یہاں ہی نظر آتا موہن
نت نئے روپ میں درشن ہی دکھاتا موہن

نامزنامہ

۲۲. جنگل

گرد جنگل بیچ جنگل میں فضا ہی باغ کی — دیکھ لیں جنگل کو پھر دل کو ہوا ہے باغ کی
پیڑ کچھ چھوٹے لو ہر ہیں کچھ بڑے ہیں اُس طرف — کچھ ادھر لیٹے ہوئے ہیں کچھ کھڑے ہیں اُس طرف
کچھ ہیں ٹیڑھے کچھ ہیں سیدھے کچھ ہیں لٹکتے ہوئے — اُن کا سایہ ہر طرف دامن ہیں پھیلائے ہوئے
پتلی پتلی اُن کی شاخیں جھنجھر بیتی جھنجھر بیل — وہ ہی ساکھو وہ ہی شیشم وہ ہی ساگو ببول

کیا سہانی ہے نظارے کو ہیولوں کی بہار
پتیاں سرسبز اور اُن میں ہیں پھولوں کی بہار

مختلف شکلوں کے طائر مختلف رنگوں کے پر
کچھ زمیں پر چگ رہے ہیں کچھ ہیں بالائے شجر

چلتے پھرتے ہیں زمیں پر مور طنازی کے ساتھ
بلبلیں شاخوں پہ گاتی ہیں خوش آوازی کے ساتھ

ابلقے کچھ پر سیاہ آنکھ کے ہیں اور کچھ پر سپید
لال جن کے سرخ پر ہیں اور خال ان پر سپید

نغمہ پیرا شاخ پہ شاما ہے جب تیتر کہیں
طوطی خوش لہجہ بیٹھا ہے پھلائے پر کہیں

غل ہے میناؤں میں لڑتی بھی ہیں چلاتی بھی ہیں
گھاس میں کیڑوں کو چنتی ہیں کھاتی بھی ہیں

قمریوں کا رنگ خاکی طوق کالے پاؤں لال
پھرتی ہیں ٹانگوں کو جھکائے چڑیاں خوش حال

وہ ہے اک شیشم پہ کوا جس کا سر اندازِ بد
سر سے پاؤں تک ہے کالا رنگ بد آواز بد

جابجا سبزہ زمیں پر جب ہے خالی زمیں
دھوپ سے زرد اور سناٹے میں ہے کالی زمیں

جابجا خوش رنگ بوٹے جابجا بیلوں کے جال
پھول جن میں کاسنی اُودے گلابی زرد لال

اس طرف دیکھو نشیب اور اس طرف دیکھو فراز
دوب ایسی سبز جس کے رنگ پر فطرت کو ناز

خشک پتے جن کو پیڑوں سے گرا دیتی ہے ہوا
اُن کو ٹکرا کر بہم جا بجا بجاتی ہے ہوا

مائل جنبش ہیں شاخیں بھی نمی ہے ہر طرف
ہلتے ہیں پھیلے ہوئے ہاتھ اور سر بھی ہر طرف

دن ہی کو پیڑوں کے سائے کر رہے اندھیرا کہیں
جھاڑیوں نے گھس کے پیڑوں کو گھیرا ہے کہیں

مل گئیں جب صنعتیں قدرت کی اور انسان کی
تب ہوئیں پیدا زمیں پر خوبیاں اس شان کی

پتھر اور مٹی سے کیا کیا پتلے بنائے خوش نما
پھر پہاڑی پیڑ بیلوں پہ لگائے خوش نما

لوگ اس صنعت کو سیکھے آئے پہاڑی ملک سے
لاد کر مٹی کو بھی لائے پہاڑی ملک سے

کوہ کی شان آ ملی سطحِ زمیں کی شان سے — ننگ کوہ دشت کا پیدا ہوا میدان سے
چار پائے جانور چھوٹے ہوئے پالے ہوئے — چر کے کچھ بیٹھے ہیں چپکے گردنیں ڈالے ہوئے
چر رہے ہیں وہ ہرن وہ ہیں چکارے دیکھنا — وہ ادھر چیتل ہیں چشمے کے کنارے دیکھنا
سینگ سانبھر چیتل اور بارہ سنگے کے شاخیں ہیں چند — خوش نما ہیں سب مگر نیل ان سے ہیں قد میں بلند
پا کے آہٹ جھاڑیوں میں ہو گئے تیتر نہاں — رہتے ہیں خرگوش مارے خوف کے دن بھر نہاں
آ رہی ہے کس بلندی سے صدائے نغمہ زا — زمزمے چنڈول کے لاتی ہے کانوں تک ہوا
آ پڑا باشا طوری پر وہ کنبے جوڑ کر — کیا ہی غل کر دوں کہ یہ اڑ جائے اس کو چھوڑ کر
لیکن اس کی تو غذا ہے یہ اسے کھانے بھی دو — منہ سے لقمہ کیوں چھینے چپ رہو جانے بھی دو
وہ تو پنجوں میں دبا کر لے گیا اس کو کہیں — اور چڑیاں بھی ہیں گم یا چھپ گئیں یا اڑ گئیں

نغمہ زا چڑیاں گئیں شیشم پہ صرف اک زاغ
اب تو اس جنگل سے چل کر شوق دیکھو سیرِ باغ

شوق قدوائی

۲۳۔ گنگا

اے دلفریب گنگا اے دخترِ ہمالہ — محبوبۂ بیاباں اے دلبرِ ہمالہ
رونق فضائے وادی روشنگرِ ہمالہ — ہندوستان کی زینت تاجِ سرِ ہمالہ

آباد بستیاں ہیں فیضِ کرم سے تیری
ہیں بیشمار جانیں وابستہ دم سے تیرے

عکسِ شفق کی بر میں پہنے قبائے رنگیں   اُف یہ جمالِ زیبا اس پر حسینِ تزئیں
موجوں کی گھونگھٹوں میں رخسار جس کے سیمیں   دل چھین لے نہ ظالم تیرا حجاب رنگیں

قربان اس ادا کے صدقے ستمگری کے
کس نے تجھے سکھائے انداز دلبری کے

تو جنگلوں کی دیوی کیسا کہ پری ہو   تمثالِ دلفریبی تصویرِ دلبری ہے
مانا کہ قیدِ رسمِ الفت سے تو بری ہے   لیکن یہ بے نیازی واللہ خود سری ہے

بس میں اگر نہ آئے تو ہوش میں کسی کے
تھک کر کبھی تو گر جا آغوش میں کسی کے

کتنوں کو اپنی رو میں تو لے گئی بہا کر   چلتی بنی کسی کو یا ٹھوکریں لگا کر
پیغامِ مرگ دینا یہ تیوریاں چڑھا کر   پھر چومنا کسی کو آغوش میں بٹھا کر

مہر و عطا کبھی ہے جور و جفا کبھی ہے
رحمت کبھی خدا کی قہرِ خدا کبھی ہے

بے خود بنا رہا ہے تجھ کو فشار ساحل   تیرے شباب سے ہے رنگیں کنار ساحل
کس درجہ رحم دل ہے اے نا خدا ساحل   سینے سے تو لپٹی بن کر قرار ساحل

تو مستیٔ خراماں موسیقیٔ رواں ہے
کیوں مختصر نہ کہہ دوں نام خدا جواں ہے

تجھ میں کوئی حسینہ جب پھول ڈالتی ہے — غوطے لگا کے تہ سے پھر نکالتی ہے
ہنس ہنس کے اپنے سر پہ پانی اچھالتی ہے — پھر چونک کر ادا سے آنچل سنبھالتی ہے

اُس وقت آ کے دیکھے کوئی غرور تیرا
رقصِ نشاط تیرا وجد سرور تیرا

ہے اضطراب پیہم گنگا خرام تیرا — حیرانیٔ نگاہِ بسمل قیام تیرا
گو فہم عام سے ہی باہر کلام تیرا — ہیں اہل دل سمجھتے لیکن پیام تیرا

گنگا تری روانی جذبات آفریں ہے
تو سازِ محویت ہے اک شعر دلنشیں ہے

رکھتی ہے تجھ کو بیکل کیا آرزو کسی کی — تیرے دماغ میں بھی بستی ہے بو کسی کی
ہاں تجھ کو بھی گنگا ہے جستجو کسی کی — ہے تیری چشم پرنم دیدار جو کسی کی

صحرا نوردِ الفت آوارۂ وطن ہے
جس حال میں مگر ہے دلشاد ہی مگن ہے

جوگن ہے آہ کوئی مستِ شرابِ الفت — ہے نغمہ ریز پیہم جس کا ربابِ الفت
وارفتۂ محبت خانہ خرابِ الفت — پیشِ نظر ہے جس کے ہر دم کتابِ الفت

ہے زندگی کو جس نے سودائے عشق سمجھا
اور وسعت جہاں کو صحرائے عشق سمجھا

خورشید جب چمکا ہی آثار شب عیاں ہیں — اشیائے خوب پوش تب آنکھوں سے نہاں ہیں
تجھ سے بچھڑنے والے ساحل آب کیلی ہیں — ہم رہ گئے ہیں تنہا سوز و ناتواں ہیں

دامن میں اپنے لیلے تجھ سے جدا نہ ہونگے
ہنگامۂ جہاں سے پھر آشنا نہ ہونگے

واقف بہاری

۲۴ - دھرتی ماتا

یاد ہے مجھ کو جب میں چڑھ کر — ایک پہاڑی کی چوٹی پر
شاخ پہ ایک درخت کے بیٹھا — کرتا تھا میں تیرا نظارا
کوسوں تک وہ تیرا سبزہ — دھانی - ماشی اکاہی بھورا
کوسوں تک وہ تیرے میداں — ستھرے صاف چٹیلے میداں
چھنگی چھنگی جھاڑیاں اس پر — قدرت کی گلکاریاں اس پر
نالیاں، دریا، ریتی — باغ چمن، آبادی کھیتی
ایسے تھے سب میری نظر میں — پائیں باغ ہو جیسے گھر میں
جب میں یہ سب دیکھ رہا تھا — خوش تھا دل اور یہ کہتا تھا

حد نظر کو اور بڑھاؤں
ایسی بلندی پر چڑھ جاؤں
ایسی چوٹی پر جا بیٹھوں میں
صاف جہاں سے دیکھ سکوں میں
شہر اور صوبے گاؤں اور قصبے
بکھرے بکھرے چھٹکے چھٹکے
سارا قدرت کا فرنیچر
میرے آگے آئے سمٹ کر
ساری انسانی آبادی
یعنی دنیا کی آبادی
میرے آگے کھیل رہی ہو
روتی گاتی اور ہنستی ہو
اس محویت میں جب میں تھا
مجھ کو ہوا معلوم کہ گویا

کوئی مجھ کو کھینچ رہا ہے
چونک پڑا میں کون ہی کیا ہی

نادر کاکوروی

۲۵۔ اکبر آباد

شہر سخن میں اب جو ملا ہے مجھے مکاں
کیوں کر نہ اپنے شہر کی خوبی کروں بیاں
دیکھی ہیں آگرہ میں بہت ہم نے خوبیاں
ہر وقت اس سے شاد رہیں ہیں جہاں تہاں

رکھیو الٰہی اس کو تو آباد جاوداں

ہر صبح اس کی رکھتی ہے وہ نور گستری
شرمندہ جس کو دیکھ کے ہو عارض پری
ہر شام بھی وہ رشک ملاحت سے ہے بھری
یلی کی جعد کر نہ سکے جس کی ہمسری

دن روئے مہ طلعتاں و شب زلف مہوشاں

باغات پُر بہار عمارات پُر نگار — بازار وہ کہ جس پہ چمن دل سے ہو نثار
محبوب دل فریب گل اندام و گل عذار — گلشن کہیں ہیں آپ کو گلزار پُر بہار
کوچے کہیں ہیں اپنے تئیں صحن گلستان

آب و ہوا کے لطف کوئی کیا بیاں کرے — دیکھو جدھر ادھر گل عشرت ہیں کھل رہے
ادھر کو قہقہے ہیں تو اودھر کو چہچہے — اشجار باغ و شہر وہ سر سبز لہلہے
سبزوں کو جن کے دیکھ کے حیراں ہو آسماں

ہر فصل میں وہ ہوتے ہیں پاکیزہ میوہ جات — دیکھے تو پھر نبات سے بن آوے کچھ نبات
شہد ان پہ آٹھ پہر لگائے رہے ہیں گھات — قند و شکر بھی دل سے فدا ہیں دن اور رات
رہتے ہیں اُن کے وصف میں ہر دم شکر فشاں

نہر چمن کو دیکھو تو جیسے چمن کی نہر — لاکھوں بہاریں رکھتی ہیں اک ایک جس کی لہر
کوئی نہاوے اور کوئی منہ دھووے شاد بہر — اس پر ہجوم رکھتے ہیں یوں ساکنان شہر
شمشاد و سرو ہوتے ہیں جیسے نہر پر عیاں

گریاں کے پیرنے کا کروں وصف میں رقم — تو بحر صفحہ بیچ لگے پیرنے قلم
پیرے بسیں ہیں اس روش کی بہاریں ہی ہو بہم — سو سو چمن بھرے ہوئے شبنم کے دمبدم
آجاتے ہیں نظر وہیں دریا کے درمیاں

اہل شنا جو کرتے ہیں سو سو طرح شنا — لہریں تماشا و عیش کی اٹھتی ہیں دل میں آ

ملتا نہیں کنارا کچھ عشرت کے بحر کا — ساحل پہ جوش خلق سے ملتی نہیں ہے جا
ہوتا ہے وہ ہجوم بھی ایک بحر بے کراں
یارو عجب طرح کا یہ دلچسپ ہے مقام — ہوتے ہیں ایسے کتنے ہی خوبی کے ازدہام
ہر طور خوش رہے دل اور طبع شاد کام — میری نظیرؔ دل سے یہی ہے دعا مدام
ہنستا رہے یہ شہر بصد امن اور اماں

نظیرؔ

۲۶۔ روضۂ تاج گنج

یارو یہ تاج گنج جو یاں آشکار ہے — مشہور اس کا نام بہ شہر و دیار ہے
خوبی میں سب طرح کا اُسے اعتبار ہے — روضہ جو اس مکاں میں دریا کنار ہے
نقشے میں اپنے یہ بھی عجب خوش نگار ہے
روئے زمیں پہ یوں تو مکاں خوب ہیں محل — پر اس مکاں کی خوبیاں کیا کیا کروں بیاں
سنگِ سفید سے جو بنا ہے قمر نشاں — ایسا چمک رہا ہے تجلّی سے یہ مکاں
جس سے بلور کی بھی چمک شرمسار ہے
گنبد ہے اس کا زور بلندی سے بہرہ مند — گرد اس کے گمٹیاں بھی چمکتی ہوئی ہیں چند
اور وہ کلس جو ہے سرِ گنبد سے سربلند — ایسا ہلال اس پہ سنہرا ہے دل پسند
ہر ماہ جس کے خم پہ مہِ نو نثار ہے

گنبد کے نیچے اور مکاں ہیں جو آس پاس وہ بھی برنگ سیم چمکتے ہیں خوش اساس
برسوں تک اس میں رہیئے تو ہووے نہ جی اداس آتی ہے ہر طرف سے گل یاسمن کی باس
ہوتا ہے شاد اس میں جو کرتا گزار ہے

ہیں بیچ میں مکاں کے وہ دو مرقدیں جو یاں گرد اُن کے جالی اور بھرے ہے درفشاں
سنگین گل جو اس میں بنائے ہیں تہ نشاں پتے کلی ہما گے رنگ و رنگ ہے عیاں
جو نقش اس میں ہے وہ جواہر نگار ہے

دیواروں پر ہیں سنگ میں نازک عجب نگار آئینے بھی لگے ہیں مجلیٰ و تابدار
دروازہ پر لکھا ہے خط طغرا طرز کار ہر گوشہ پہ کھڑے ہیں جو مینار اس کے چار
چاروں طرف سے طرز اوج کی خوبی دوچار ہے

پہلو میں ایک برج ہے کہتے ہیں اُسے آتے نظر ہیں اُس سے مکاں دور دور کے
مسجد ہے ایسی جس کی صفت کس سے ہو سکے پھر اور بھی مکاں ہیں اِدھر اور اُدھر کھڑے
دروازۂ کلاں بھی بلند استوار ہے

جو صحن باغ کا ہے وہ ایسا ہے دلکشا آتی ہے جس میں گلشن فردوس کی ہوا
ہر سو نسیم چلتی ہے اور ہر طرف ہوا ہلتی ہیں ڈالیاں سبھی ہر گل ہے جھومتا
کیا کیا روش روش پہ ہجوم بہار ہے

سرو سہی کھڑے ہیں قرینے سے لسترن کو کو کریں ہیں قمریاں ہو کر شکر شکن
لالہ و سیوتی سے بھرے ہیں چمن چمن گلنار لالہ و گل نسرین و لسترن

فوارے چھٹ رہے ہیں رواں جوئبار ہے

وہ تاجدار شاہ جہاں صاحب سریر
بنوایا ہے انھوں نے لگا سیم و زر کثیر

جو دیکھتا ہے اس کے یہ ہوتا ہے دل پذیر
تعریف اس مکاں کی ہیں کیا کیا کرشل نظیر

اس کی صفت تو مشتہر روزگار ہے

نظیر

۲۷۔ محل سرا

آئی نظر جو مجھ کو وہ نادر محل سرا
دل میں پری کے باغ کا مجھ کو یقین ہوا

جب اس مکاں کے پاس میں ڈھونڈتا ہوا گیا
دیکھوں تو اس کا ہے در دولت سرا کھلا

آیا یہ دل میں دیکھئے چل کر کوئی گھڑی

پہونچا یوں ہیں میں اس چمن زرفشاں میں
جھمکے مکاں جو اس کے مری آن آن میں

عالم سنہرے پردوں میں اور سائبان میں
کیا دیکھتا ہوں جا کے میں ہر ایک مکاں میں

سونے کی کھان ہے کہ ہی پھرتی ہے پڑی

گلشن کہیں چمن کہیں شیشہ صراحی جام
فرش طلا بچھا کہیں یکسر جڑت کا کام

تھی نقرئی زمین تو سنہرے تمام بام
طاق و رواق اس کے جھمکتے تھے یوں مدام

گویا کہ اینٹ اینٹ جواہر کی ہے جڑی

دیکھی جو میں نے واں یہ طلسمات کی ہوا
عالم جواہرات کا ہر جا چمک رہا

چمکا جو وہ مکاں مری آنکھوں میں نور سا
اس کی چمک دمک کی بہاریں کہوں میں کیا
حیرت سے عقل آن کے چکر میں جا پڑی

نظیر

۲۸ - قلعہ اکبر آباد

یارب یہ کیسی مشعلِ کشتہ کا دھواں ہے
یا گلشنِ برباد کی یہ فصلِ خزاں ہے
یا برہمیِ بزم کی فریاد و فغاں ہے
یا قافلۂ رفتہ کا بس خیمۂ دل ہے
ہاں شورِ گزشتہ کی مہابت کا نشاں ہے
بانیِ عمارت کا جلال اس سے عیاں ہے
اُڑتا تھا یہاں پرچمِ جم جاہیِ اکبر
بجتا تھا یہاں کوسِ شہنشاہیِ اکبر

باہر سے نظر آئے اس قلعہ پہ یک چند
برپا ہے لبِ آب حسیں صورتِ الوند
گویا کہ ہے اک سورما مضبوط تنومند
یا ہند کا رجپوت ہے یا ترک سمرقند
کیا بارۂ سنگین کا یہ ہی قزآگند
رنگی کا قزآگند پہ باندھا ہے کمربند
مسدود ہے خندق سے رہِ فتنہ و آشوب
اربابِ تمیز کے لئے برج میں مرکوب
تعمیرِ درِ قلعہ بھی البتہ ہے موزوں
پُرشوکت و ذی شان ہے اک کاخِ خسرو

گو ہم سرِ کیواں ہے نہ ہم پلۂ گردوں — محراب کی ہیئت نے پکایا ہے یہ مضمون

پیلانِ گران سلسلہ با ہودجِ زریں
اس در سے گذرتے تھے بصد رونق و تزئیں

اکبر سا کبھی مخزنِ تدبیر یہاں تھا — یا طنطنۂ دورِ جہانگیر یہاں تھا
یا شاہ جہاں مرجعِ توقیر یہاں تھا — یا مجمعِ ذی رتبہ مشاہیر یہاں تھا
القصہ کبھی عالمِ تصویر یہاں تھا — دنیا سے سوا جلوۂ تقدیر یہاں تھا

بہتا تھا اسی کاخ میں دولت کا سمندر
تھے جشنِ ملوکانہ اسی قصر کے اندر

وہ قصرِ معلیٰ کہ جہاں عام تھا دربار — آئینہ نما صاف ہیں جس کے در و دیوار
اور سقفِ زر اندود ہے مانندِ چمن زار — اور فرش ہے مرمر کا کہ چشمۂ انوار
اسبابِ تعیش ہیں یہیں جا بجا [illegible] — سرہنگ کمر بستہ نہ دو دو صفِ حضار

کہتا ہے سحر مرکزِ اقبال تھا میں بھی
ہاں قبلہ گہِ شوکت و اجلال تھا میں بھی

جب تک کہ مشیت کو مرا وقر تھا منظور — نافذ تھا یہاں میری ہی جاہ کا منشور
شاہانِ معاصر کا معین تھا یہ دستور — کرتے تھے بغیر ان فتوی القدر سو مامور
تا میری زیارت سے کرے چشم کو پر نور — آوازۂ توقیر کی شان کو پہنچی تھی بہت دور

اکناف جہاں میں تھا مرا دبدبہ طاری
تسلیم کو جھکتے تھے یہاں ہفت ہزاری

وہ چتر وہ دیہیم وہ سامان کہاں ہیں   وہ شاہ وہ فرزین وہ خاقان کہاں ہیں
وہ بخشی و دستور و دیوان کہاں ہیں   وہ صدر و حسب الامر وہ فرمان کہاں ہیں
وہ دولت مغلیہ کے ارکان کہاں ہیں   فیضی و ابوالفضل سے اعیان کہاں ہیں

سنسان ہے وہ شاہ نشیں آج صد افسوس
ہوتے تھے جہاں خان و خوانین زمیں بوس

وہ بارگہ خاص کی پاکیزہ عمارت   تاباں تھے جہاں نیر شاہی و وزارت
برتی تھی جہاں نظم ریاست کی مہارت   آتی تھی جہاں فتح ممالک کی بشارت
جس شخص نے [illegible] کارت   [illegible] کیا کرتے ہیں اب اس کی زیارت

کہتا ہے سخن فہم سے یوں کتبہ دروں کا
نقش مزین اسرار یہی تاج دروں کا

اورنگ سیہ رنگ جو قائم ہے لب بام   بوسہ جسے دیتا تھا ہر اک بندۂ عظام
اشعار ہیں ثبت اس پہ جہانگیر کا ہی نام   شاعر کا قلم اس کی بقا لکھتا ہے مدام
پر صاف نظر آتا ہے کچھ اور ہی انجام   سالم نہیں چھوڑے گی اسے گردش ایام

فرسودگی دہر نے شق اب تو کیا ہے
آئینہ کی نسلوں کو سبق خوب دیا ہے

ہاں کس لئے خاموش ہوا حسرت جگر بیں — کس غم میں سیہ پوش ہے کیا سوگ ہے درپیش

کھلی ہے ترے دوش پہ کیوں صورت درویش — جوگ ہے ترا جیتے جی دھونی ہے تری کیش

بولا کہ زمانے نے دیا نوش کبھی نیش — صیاد مجھے گذری ہے حیات ایسی کم و بیش

صدقے کبھی مجھ پر گہر و لعل ہوئے تھے

شاہان مغل کے قدم میں نے چھوئے تھے

وہ رنگ محل برج مثمن کا وہ انداز — صنعت ایسی ہے نقش تو فرحت میں سرافراز

یاں مطرب خوش لہجہ کی تھی گونجتی آواز — گہ بند دھرپت کی کبھی نغمۂ شیراز

اب لطف ہی بدلا ہے جو کیف آغاز — زنہار کوئی جلوہ و چشم پر نہ کھلے ناز

جن تاروں کے پرتو سے تھا یہ برج منور

اب ان کا مقابر میں زیر خاک ہے بستر

اس عہد کا باقی نہیں سامان ہی اسباب — فوارے شکستہ ہیں تو ہے حوض میں نہ آب

وہ جام بلوریں ہیں نہ وہ گوہر نایاب — وہ چمن زرتار نہ وہ بستر کمخواب

ہنگامہ جو گذرا ہے سو افسانہ تھا یا خواب — یہ عرصہ تھا وہ موقف عجب

وہ بزم نہ وہ دور نہ وہ جام نہ ساقی

ہاں طاق و رواق اور در و بام ہیں باقی

مستور سر پردۂ عصمت میں تھی جو گل — سو دو وہ ترک ماہ مغل کے ہی نہیں گل

کچھ خیر نہ رعنا ہے کچھ لالہ کا بل — پھر مولسری بندگی نہیں گل بل جل

تعمیر کے انداز کو دیکھو بہ تامل — تاتاری و ہندی ہے بہم شان و تجمل
سیاح جہاندیدہ کے نزدیک یہ تعمیر
اکبر کے خیالات مرکب کی ہے تصویر

درشن کی جھروکے کی پڑی تھی یہیں بنیاد — ہوتی تھی تُلادان میں کیا کیا دہش و داد
وہ عدل کی زنجیر ہوئی تھی یہیں ایجاد — جو سمع شہنشاہ میں پہونچاتی تھی فریاد
وہ نور جہاں نور جہانگیر کی افتاد — اس کاخ ہمایوں کو بہ تفصیل ہے سب یاد
ہر چند کہ بے کار یہ تعمیر پڑی ہے
قدر اس کی مورخ کی نگاہوں میں بڑی ہے

اب دیکھئے وہ مسجد و حمام زنانہ — وہ بند وہ حوض اور وہ پانی کا خزانہ
صنعت میں ہر اک چیز ہے یکتا و یگانہ — ہے طرز عمارت سے عیاں شان شہانہ
کیا ہو گئے وہ لوگ کہاں ہے وہ زمانہ — ہر سنگ کے لب پر ہے غم اندوز ترانہ
چھٹا یہ گلزار کی یہ فصل خزاں ہے
ممتاز محل ہے نہ یہاں نور جہاں ہے

وہ قصر جہاں جودھپوری رہتی تھی بائی — تھی دولت و ثروت کی جہاں عام رسائی
دیکھا اسے جا کے تو بری گت نظر آئی — صحنوں میں ہے گھاس تو دیوار پہ کائی
گویا در و دیوار یہ دیتے ہیں دہائی — ممکن نہیں طوفان حوادث سے رہائی

جس گھر میں تھے نسرین و سمن یا گُل و لالہ
اب نسلِ ابابیل میں ہے اس کا قبالہ

وہ مسجد زیبا ہی کہ اس بزم کی دلہن — خوبی میں یگانہ ہی وہ لے سادہ پُرفن
محراب و در و بام ہیں سب نور کا مسکن — موتی سے ہیں دالان تو ہے دودھ سا آنگن
کافور کا تودہ ہی کہ الماس کا معدن — یا فجر کا مطلع ہی کہ خود روز ہی روشن

بلور کا ہے قاعدہ یا نور کا ہے راس
باطل سی ہوئی جاتی ہی یاں قوتِ احساس

ہاتھوں نے ہنرمند کے اک سحر کیا ہے — سانچے میں عمارت کو مگر ڈھال دیا ہے
یا تار نظر سے کہیں پتھر کو سیا ہے — مرمر ہے کہ مہر کا سا نور و ضیا ہے
گو شمع نہ فانوس نہ تب نہ دیا ہے — ہاں چشمۂ خورشید سے آب اس نے لیا ہے

چلیے جو یہاں سے تو نظر کہتی ہے لِی الغفور
نظارہ کی دو مجھ کو اجازت کوئی دم اور

مسجد نے اشارہ کیا پتھر کی زبانی — اس قلعہ میں ہے شاہجہاں کی یہ نشانی
کچھ شوکت ماضی کی کہی اس نے کہانی — کچھ حالت موجودہ بایں سحر بیانی
ان حجروں میں ہے شمع نہ اب جوش جوانی — فواروں کے دل میں بھی ہے اک سوز نہانی

تسبیح نہ تہلیل نہ تکبیر و اذاں ہے
بس گوشۂ تنہائی ہے اور قفل گراں ہے

جمگھٹ تھا کبھی یاں فقرا و امرا کا — مجمع تھا کبھی یاں صلحا و علما کا
چرچا تھا شب و روز یہاں ذکرِ خدا کا — ہوتا تھا ادا خطبہ سدا حمد و ثنا کا
اک قافلہ ٹھیرا ہوا تھا عز و علا کا — جو کچھ تھا گزر جانے میں جھونکا تھا ہوا کا

ہیں اب تو نمازی مرے باقی یہی دو تین
یا دھوپ ہے یا چاندنی یا سایۂ مسکین

وہ دور ہی باقی نہ وہ ایام و لیالی — جو واقعۂ حسّی تھا سو ہے آج خیالی
ہر کوشک و ایوان ہر اک منزلِ عالی — عبرت سے ہے پُر اور مکینوں سے ہے خالی
آقا نہ خداوند۔ اہالی نہ موالی — جز ذاتِ خدا کوئی نہ وارث ہی والی

یہ جملہ محلات جو سنسان پڑے ہیں
پتھر کا کلیجہ کئے حیران کھڑے ہیں

اسمٰعیل

٢٩۔ ستارہ

قمر کا خوف کہ ہے خطرۂ سحر تجھ کو — مآلِ حسن کی کیا مل گئی خبر تجھ کو
متاعِ نور کے لٹ جانے کا ہے ڈر تجھ کو — ہے کیا ہراسِ فنا صورتِ شرر تجھ کو
زمیں سے دور دیا آسماں نے گھر تجھ کو — مثالِ ماہ اُڑائی قبائے زر تجھ کو

غضب ہے پھر تری ننھی سی جان ڈرتی ہے
تمام رات تری کانپتے گذرتی ہے

چمکنے والے مسافر! عجب یہ بستی ہے
جو اوج ایک کا ہے دوسرے کی پستی ہے
اجل ہے لاکھوں ستاروں کی اک ولادت مہر
فنا کی نیند مئے زندگی کی مستی ہے
وداع غنچہ میں ہے راز آفرینش گل
عدم عدم ہے کہ آئینہ دار ہستی ہے
سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں
ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں

اقبال

۳۰۔ صبح کا ستارہ

لطف ہمسائیگی شمس و قمر کو چھوڑوں
اور اس خدمت پیغام سحر کو چھوڑوں
عارضی حسن ہے دشمن ہے مرا نور سحر
یہ مرا خسرو خاور کا سپاہی بن کر
میرے حق میں تو نہیں تاروں کی بستی اچھی
اس بلندی سے زمیں والوں کی پستی اچھی
آسماں کیا عدم آباد وطن ہے میرا
صبح کا دامن صد چاک کفن ہے میرا
میری قسمت میں ہے ہر روز کا مرنا جینا
ساقی موت کے ہاتھوں سے صبوحی پینا
نہ یہ خدمت نہ یہ رفعت نہ یہ عزت اچھی
اس گھڑی بھر کے چمکنے سے تو ظلمت اچھی

میری قدرت میں جو ہوتا تو نہ اختر بنتا
قعرِ دریا میں چمکتا ہوا گوہر بنتا

واں بھی موجوں کی کشاکش سے جو دل گھبراتا
چھوڑ کر بحر کہیں زیبِ گلو ہو جاتا

ہے چمکنے میں مزہ حسن کا زیور ہو کر
زینتِ تاجِ سرِ بانوئے قیصر ہو کر

ایک پتھر کے جو ٹکڑے کا نصیبہ جاگا
خاتمِ دستِ سلیماں کا نگیں بن کے رہا

ایسی چیزوں کا مگر دہر میں ہے کام شکست
ہے گہرہائے گراں مایہ کا انجام شکست

زندگی وہ ہے کہ جو ہو نہ شناسائے اجل
کیا وہ جینا ہے کہ ہو جس میں تقاضائے اجل

ہے یہ انجام اگر زینتِ عالم ہو کر
کیوں نہ گر جاؤں کسی پھول پہ شبنم ہو کر

کسی پیشانی کے افشاں کے ستاروں میں رہوں
کسی مظلوم کی آہوں کے شراروں میں رہوں

اشک بن کر سرِ مژگاں سے اٹک جاؤں میں
کیوں نہ اس بیوی کی آنکھوں سے ٹپک جاؤں میں

جس کا شوہر ہو رواں ہو کے زرہ میں مستور
سوئے میدانِ وغا حبِّ وطن سے مجبور

یاس و امید کا نظارہ جو دکھلاتی ہو
جس کی خاموشی سے تقریر بھی شرماتی ہو

جس کی شوہر کی رضا تابِ شکیبائی دے
اور نگاہوں کی حیا طاقتِ گویائی دے

زرد رخصت کی گھڑی عارضِ گلگوں ہو جائے
کششِ حسن غمِ ہجر سے افزوں ہو جائے

لاکھ وہ ضبط کرے پر میں ٹپک ہی جاؤں
دل سے مانندِ مئے تند چھلک ہی جاؤں

صبر کا خون نکل آیا ہو مل کر مجھ میں
ایک طوفان ہو افکار کا مضمر مجھ میں

خاک میں مل کے حیاتِ ابدی پا جاؤں
عشق کا سوز زمانے کو دکھاتا جاؤں

اقبال

۳۱۔ مرجھایا ہوا پھول

ہے عجب عالم فضائے باغ پر آیا ہوا
ہر طرف تصویر کا سا ہی سماں چھایا ہوا

جس شجر کو دیکھیے تنتا ہے اپنے حسن پر
پھول جو دیکھو جوانی پر ہی اترایا ہوا

سیدھے منہ سے بات تک کرتے نہیں غنچے ذرا
اُن کا غرّہ آج کل زوروں پہ ہے آیا ہوا

دیکھیے موجِ صبا کو کچھ اکڑ سی ہے اکڑ
کہتی ہے سارا جہاں ہے میرا مہکایا ہوا

یہ سماں ہے دیکھتا ہوں پھر بھی گلزار میں
اک طرف کو شاخ پر اک پھول مرجھایا ہوا

اس بھلے چنگے چمن میں یہ گلِ پژمردہ ہے
یا کوئی حسرت کا پتلا عاشقِ دل مردہ ہے

کل اسی گل کا عجب انداز تھا طرفہ نکھار
تھی محبت سی لئے آغوش میں اُس کو بہار

لیتی تھی اس کی بلائیں گرد پھر پھر کر نسیم
چھڑکتی تھی اوس موتی اس کے اوپر وار وار

چاندنا سا مسکراہٹ سے تھا اس کی چار سو
تھیں ہوائیں اس کے دم سے مشک بیز و عطر بار

کس کے دل میں چٹکیاں لیتی نہ تھی اس کی ادا
دیکھ کر صورت کو اس کی کس کو آتا تھا نہ پیار

لونڈیوں کی طرح جھلتی تھی اسے پنکھا صبا
سر پہ چھتری اُس کی تھا کھولے ہوئی ابرِ بہار

نازپروردۂ عناصر تھا بجا کہنا اسے ۔۔۔ دیکھ کر اس کو نہیں پھولی سماتی تھی بہار
دیکھ پاتا تھا ذرا اس کو جو کوئی گل عذار
چاہتا تھا جھٹ گلے کا اپنے کر لے اس کو ہار

نام کو اس کی ہنسی میں تھا نہ غم کا شائبہ ۔۔۔ کیا خبر تھی جلد اڑ جانے کو ہے رنگِ بقا
تھا رگوں میں اس کی گویا موجزن آبِ حیات ۔۔۔ اس کو کیا معلوم تھا چلنے کو ہے بادِ فنا
گود میں بادِ بہاری نے کھلایا تھا اسے ۔۔۔ چومتی تھی اس کا ماتھا پیار سے بادِ صبا
کی جو کچھ بادِ سحر نے اس سے آکر چھیڑ چھاڑ ۔۔۔ گدگدانے سے یہ اس کے کھلکھلا کر ہنس پڑا
کچھ ہوا اٹکھیلیوں سے اس کی ایسا خندہ زن ۔۔۔ ہنستے ہنستے آنکھ میں شبنم کا آنسو آ گیا
چومتی تھیں اس کا منہ جھک جھک کے تتلیاں بار بار ۔۔۔ اونگھنے کو ٹہلنے کا اک بہانہ تھی صبا
اُس کی بو کی باندھتی تھی کل ہوا موجِ نسیم
انقلاب آیا ہے لیکن آج یہ کتنا عظیم

جان تھی گل اُسے جو شاخ اپنا تاجِ سر ۔۔۔ آج ہے اس کے لیے یہ بارِ خاطر سے بتر
درد سے اس کی نہیں بھرتی ہے ٹھنڈی سانس تک ۔۔۔ سرد مہری ایسی ہوئی ہے آج تو بادِ سحر
ڈھونڈتی تھی کل بہانے اس سے لگ چلنے کے تو ۔۔۔ آج کترانے لگی ہے اس سے تو کیوں اس قدر؟
آج آنکھیں پھیر لیں گلچیں بلبل گر اس سے تو کیا ۔۔۔ رال اس کی ٹپکتی تھی اُسے کل دیکھ کر
اپنے اپنے حال میں ہیں مست سکانِ چمن ۔۔۔ کس کو پروا ہے کرے جو اس کی حالت پر نظر
کل گلِ تر تھا تو تھا گلگونۂ روئے سخن ۔۔۔ حرفِ تشبیہ عذارِ مہوشان سیمبر

اب زبانِ شعر میں ہم معنیِ حسرت ہے یہ
اہلِ بینش کو چراغِ دیدۂ عبرت ہے یہ

اے تماشائی! مرے سیرِ چمن کے لوٹ کر
اس گلِ پژمردہ کی جانب ذرا کرنا نظر
یہ دکھاتا ہے اگر ہوں عقل کی آنکھیں کھلی
کوئی دن کی ہیں سب اس کی حسن کی یہ کرّ و فر
ہوش کے کانوں میں سُن یہ کہہ رہا ہے صاف صاف
اس دو روزہ زندگی کو اس طرح کر تو بسر
کاٹ تو ہنس ہنس کر اس مختصر ہستی کو تو
دے خوشی سب کے دلوں کو ورنہ پچھتیگا پھر
جا بسو پھیلے جہاں میں بو ترے اخلاق کی
دیکھ کر تجھ کو دلوں سے دور ہو غم کا اثر
گل کو چھپا جائے نہ ان پر موت کی پژمردگی
التفاتِ دوستاں کی آنچ ناداں قدر کر

ہے مری پژمردگی تاویلِ رویائے حیات
میری ایک ایک پنکھڑی تفسیرِ آئینِ ممات ۹

۳۲ - حباب

یہ حباب اس کا نزاکت جوش تھا
موج کی تھالی کا وہ سرپوش تھا
یا کہ تھی دریائے ہستی کے کہ چاہ
سر پہ شبنم کی فقط سادی کلاہ
یا ہوا نے قصد کرکے حوب کا
تھا وہ بے چوبہ بنایا آب کا
دستِ سیمیں ہوش اس پر کھوتا تھا
گنبدِ گردوں تصدق ہوتا تھا
کس نے دیکھا اس سوا بہتا ہوا
آب پر الٹا کٹورا سیم کا

تھی ہوا اس میں وہ کچھ خوبی بھری جس طرح شیشے میں ہوتی ہے پری
کیا کہوں اس کی صفائی اور چمک کاسۂ بلور جاتا تھا دمک
اب کہوں خوبی میں اس کی تا کجا
بندھ رہی تھی دور میں اس کی ہوا

نظیر

۴۳۔ کورا برتن

کورے برتن میں کیاری گلشن کی جس سے کھلتی ہے ہر کلی تن کی
بوند پانی کی اُن میں جب کھنکی کیا وہ پیاری صدا ہے سن سن کی
تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

پانی کی آب اب اسی سے ذات قطرہ قطرہ ہے جس کا آبِ حیات
کورے برتن میں جب گیا یا بات پھر تو آبِ حیات بھی ہے مات
تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

وہ جو پانی کی کوری گولی ہے وہی آنند کے مول کولی ہے
کیا ہی ٹھنڈا دوا کی گولی ہے کیا کہوں گولی گولی گولی ہے

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

یہ جو گولی کی بولیاں باندھیں — ہم نے پانی کی گولیاں باندھیں
سوندھی سوندھی ٹھٹولیاں باندھیں — دل نے پھولوں کی جھولیاں باندھیں

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

کورا پنہاری کا جو ہے مٹکا — اس کا جوبن کچھ اور ہی چٹکا
لے گیا جان پاؤں کا کھٹکا — دل گھڑے کی طرح سے ٹپکا

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

کوری ٹھلیا پہ دیکھ کر لوٹا — دل لگا ہونے کچھ کھرا کھوٹا
گرچہ لوٹا وہ قد کا ہے چھوٹا — جس نے دیکھا اسی کا دل لوٹا

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

کورے کوزوں کو دیکھ عالم میں — کوزے مصری کی بھیگ گئے غم میں
یوں وہ ہنستے ہیں آب کے نم میں — جیسے ڈوبے ہوں پھول شبنم میں

تازگی جی کی اور تری برتن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

وہ جو کورا سفید جھجر ہے
جس کی جاگیر ملک جھجر ہے
بیل بوٹے سی اس جھلک پر ہی
تاش کمخواب یا مشجر ہے

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

جس صراحی میں سرد پانی ہی
موتی کی آب پانی پانی ہے
زندگی کی یہی نشانی ہے
دوستو یہ بھی بات پانی ہے

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

جتنے نذر و نیاز کرتے ہیں
اور جو پیروں سے اپنی دیتے ہیں
جب کرے لا پھول پان دھرتے ہیں
وہ بھی کورے کی ہی ٹھلیاں لاتی ہیں

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

خاک سی جب کہ ان کو گڑھتے ہیں
بندگی سے یہ اپنی بڑھتے ہیں
کوروں پر پھول ہار چڑھتے ہیں
حور و غلماں درود پڑھتے ہیں

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

کو میں پہ جو نظیر جوبن ہے — جو جنت میں کہاں وہ کھن کھن ہے
جس گھڑونچی پہ کورا باسن ہے — وہ گھڑونچی نہیں ہے گلشن ہے

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

نظیر

۴۳۔ دال کی فریاد

ایک لڑکی بگھارتی ہے دال — دال کرتی ہے عرض یوں احوال
ایک دن تھا ہری بھری تھی میں — سارے آفات سے بری تھی میں
تھا ہرا کھیت میرا گہوارہ — وہ وطن تھا مجھے بہت پیارا
پانی پی پی کے تھی میں لہراتی — دھوپ لیتی کبھی ہوا کھاتی
مینہ برستا تھا جھونکے آتے تھے — گودیوں میں مجھے کھلاتے تھے

یہی سورج زمیں تھے ماں باوا
مجھ سے کرتے تھے نیک برتاوا

جب کیا مجھ کو پال پوس بڑا — آہ ظالم کسان آن پڑا

گئی تقدیر یک بیک جو پلٹ — کھیت کا کھیت کر دیا تلپٹ
خوب لوٹا دھری دھری کر کے — مجھ کو گونوں میں لے گئے بھر کے
ہو گئی دم کے دم میں بربادی — چھن گئی ہائے میری آزادی
کیا بتاؤں کہاں کہاں کھینچا — واں منڈی میں مجھ کو جا بیچا
ایک ظالم سے واں پڑا پالا — جس نے چکی میں مجھ کو دل ڈالا
ہوا تقدیر کا لکھا پورا — دونوں پاٹوں کے کر دیا چورا
نہ سنی میری آہ اور زاری — خوب بنیئے نے کی خریداری
چھانا چھلنی میں چھاج میں پھٹکا — قید خانہ بنا میرا مٹکا
پھر مقدر مجھے یہاں لایا — تم نے تو اور بھی غضب ڈھایا
کھال کھینچی الگ کئے چھلکے — زخم کیوں کر رہے نہ سو دل کے
نمک اور مرچ پر لٹایا خوب — رکھ کے چولہے پہ جی جلایا خوب
اس پہ کفگیر کے ٹھوکے ہیں — اور ناخن کے بھی کچوکے ہیں
میرے گلنے کی لے رہی ہو خبر — دانت ہی آپ کا ہے اوپر
گرم گھی کر کے مجھ کو داغ دیا — ہائے تم نے بھی کچھ نہ رحم کیا
ہاتھ دھو کر پڑی ہو پیچھے تم — جان پر آ بنی حواس ہیں گم

اجی بی بی تمہیں کرو انصاف
ظلم ہے یا نہیں قصور معاف

کہا لڑکی نے بڑی پیاری دال — مجھ کو معلوم ہے ترا سب حال
تو اگر کھیت سے نہیں آتی — خاک میں مل کے خاک ہو جاتی
یا کوئی گائے بھینس چر لیتی — پیٹ میں اپنے تجکو بھر لیتی
میں تو رتبہ ترا بڑھاتی ہوں — اب چپاتی سے تجکو کھاتی ہوں
نہ ستانا نہ جی جلانا تھا — یوں تجھے آدمی بنانا تھا

اگلی بیتی کا تو نہ کر کچھ غم
مہربانی تھی سب نہ تھا یہ ستم

یاسمین

۳۵۔ جیب گھڑی

ہے بڑی اچھی مری چھوٹی گھڑی — چلتی رہتی ہے یہ کٹ کٹ ہر گھڑی
گھومتی رہتی ہیں دونوں سوئیاں — ایک چھوٹی ہے تو ایک اس سے بڑی
اس کا ڈھکن کھول کر دیکھو ذرا — واہ وا اندر تو ہے جگمگ بڑی
پھر رہی ہیں پھرکیاں سی بیسیوں — کس صفائی سے ہر اک کل ہے جڑی

اس کے پرزے چلتے رہتے ہیں سدا
بس اسی سے نام ہے اس کا گھڑی

وجاہت

۷۵۔ عصا

ہوتی ہے دنیا میں جو کچھ تحفہ چیز
سب سے ہی سودا کو یہ لاٹھی عزیز

کوچ و مقام اس کا ہے سب اپنی ہاتھ
جب کہیں چلئے تو ہی بے عذر ساتھ

کس میں یہ توفیق ہے کیجو خیال
ہاتھ پکڑ گرتے کو لیوے سنبھال

اس کے گھرانے کو جو کیجے خیال
چھوٹے بڑے جتنے ہیں سب ذی کمال

کوئی تو ہے خامۂ معجز طراز
کوئی ستمگر ہے نئے نغمہ ساز

اس کے بڑوں کی ہی بڑائی قدیم
دال ہے اعجاز عصائے کلیم

گو کہ سخن گو نہیں یہ راست باز
تسپہ یہ سمجھاوے نشیب و فراز

جو کوئی سمجھے ہی رموز و نکات
اس سے سدا کہتی ہے لاٹھی یہ بات

گو کہ ہوں اب نالہ گرہ در گلو
میں بھی تھی سرسبز جہاں میں کبھو

سحر ہے یا لکڑی کی تقریر ہے
جس میں کہ عبرت کی یہ تاثیر ہے

لکڑی کی نسبت سے تو معذور ہے
آدمی ہونا تو بہت دور ہے

سودا

۳۷۔ بہشت کے پرند

بالائے شاخسار جو کی یک بیک نظر
ہوش اُڑ گئے بھڑک گئے دیکھی وہ جانور

سرخ و کبود و سبز منقش ہر اک کا سر
شکلیں جو مختلف تو مختلف تھا قلم کے پر

سرمایۂ جمال و محاسن متاع تھے
شہ پر حباب میں رشکِ خطوطِ شعاع تھی

ترکیب سے ہر ایک کی عیاں شانِ داوری
لعلیں کسی کی چشم مگر جسم اخضری

بالکل بسانِ سنگِ ستارہ کوئی زری
یک رنگ کوئی غیرتِ یاقوت احمری

سادہ تھا اک تو رشکِ درِ شاہوار تھا
سر سے قدم تک ایک جواہر نگار تھا

زریں کسی کا سر متلون کلی کلی
منقش کے کسی کے پروں میں جھلا جھلی

سر پر کسی کے نام محمدؐ لکھا جلی
سینے پہ بعض کے بخطِ سبز یا علیؓ

کتنوں کے جسم بھر پہ رقم پنجتن کے اسم
اکثر کے بازوؤں پہ حسین و حسن کے اسم

پیاری ادا و انکی اک ہی نظر کو بھائے
خوش خلیوں پہ ہر دلِ غمناک لوٹ جائے

پھولے بصد سرور کبھی گاہ چہچہائے
پلٹے کبھی اُدھر کبھی ان ڈالیوں پہ آئے

پتی ہلی تو رہ گئے پر تولتے ہوئے
چٹکی کلی تو ملکے اُٹھے بولتے ہوئے

انیس

۳۸۔ بہشتی پرند

جانور وہاں کے وہ خوش وضع وخوش انداز حسین
آنکھیں ہر ایک کی یاقوت و زمرد کے نگیں
گل شکم پر ہیں کسی کے تو بیاض پروں
صورتیں بہتر و خوشتر تو صدائیں رنگیں
زمزمے بھی ہیں ترانے بھی ہیں آہنگ بھی ہیں
ہیں اگر مختلف اللون تو یکرنگ بھی ہیں

ان کی خوش نعلیاں دلکش تو ادائیں پیاری
ہیئتیں وہ کہ عیاں شان جناب باری
سرخ کوئی کوئی زرد اور کوئی زنگاری
تن پہ بعضوں کے عجب حسن کی مینا کاری
عاشق آل ہیں شیدا شہ لولاک کے ہیں
نام سینوں پہ رقم پنجتن پاک کے ہیں

نقرئی سینکڑوں طائر ہیں بصد حسن حسن
بال و پر صاف چمکتے ہوئے سیماب سی تن
رنگ بعضوں کے طلائی کہ فدا ہو کندن
دمک ایسی کہ جہاں ماند ہی سورج کی کرن
ٹوٹتی ہے نہ کلی کوئی نہ پر جھڑتا ہے
بازوؤں کو جو کھجلاتے ہیں تو زر جھڑتا ہے

سادگی جن میں سراپا ہی کچھ ایسے ہیں طیور — تن پہ ہے شفاف پروں میں کہیں جھلک مثل بلور
دونوں پر پھول کے نقشے ہیں جو بھی دیتا ہے نور — یہ ادھر سے ہو عیاں اک کا ادھر سے ہو ظہور
بیچ میں قلب و جگر رنگ جو دکھلاتے ہیں
نگ یاقوت کے شیشوں میں نظر آتے ہیں

غول سے اڑ کے کوئی جانب دیگر جا بیٹھا — سب سے اونچا کوئی جا کے شجر جا بیٹھا
کوئی آیا ادھر اور کوئی ادھر جا بیٹھا — شوق میں کوئی قریب گل تر جا بیٹھا
سب نے اڑ کر کبھی چکر کیا گلزاروں پر
چہچہائے کبھی باغ کی دیواروں پر

۳۹. تتلی

خوش نما حسن ترا او تتلی — دلربا تیری ادا اے تتلی
جسم چھوٹا سا ہے نازک بازو — رنگ شکل گل رعنا ہے تو
صرف صورت تیری کیا پیاری ہے — تیرے اٹھنے کی ادا پیاری ہے
جا کے ہر پھول پہ چالاکی سے — تو لپٹ جاتی ہے بیباکی سے
پیار کرتی ہے اسے چوم کے تو — لیتی ہے اس کی غذا جھوم کے تو
دی ہے فطرت نے نزاکت تجھ کو — کہ کسی پھول پہ تو بار نہ ہو

ننھی منی سی ہے تتلی تری جان — تو خدا جانے ہے بچی کہ جواں
طرفہ خوش رنگ ہیں پر جو ہیں عیاں — ان سے چمکا تری صورت کا جمال
چھوٹے چھوٹے ہیں ستارے روشن — یا پروں پر ہیں ستارے روشن
صحن گلشن میں ادھر اور ادھر — پھول اڑتے ہوئے آتے ہیں نظر
تیری پرواز مجھے بھاتی ہے — مگر افسوس کہ ہرجائی ہے
گھومتی پھرتی ہے ڈالی ڈالی — جھومتی پھرتی ہے ڈالی ڈالی
باد صبا کا چلے جب جھونکا — تب ہی دشوار ہے ٹھہرنا تیرا
خوبیاں تجھ کو خدا نے دی ہیں — شوخیاں تجھ سے صبا نے لی ہیں
رنگ اچھا ترا پیارا ہے مگر — گل ترے رنگ سے جلتی ہے نظر
دھوپ آنے سے نہ ہو تو مایوس — جب لگے پیاس تو رس پھول کا چوس
بھاگ اٹھ بھاگ وہ بچے آئے — ان کے ہاتھوں سے نہ تو پکڑی جائے
بے سمجھ ہیں نہ تجھے چھوڑیں گے — تجھ کو پائیں گے تو پر توڑیں گے

ہے بہی خواہ ترا اے تتلی
مان محوی کا کہا اے تتلی

محوی لکھنوی

۴۰۔ اُڑنے والے پھول

آؤ دکھلائیں اُڑنے والے پھول | اس چمن میں ہیں یہ نرالے پھول
کوئی سبز اور کوئی گلابی ہے | آتشی کوئی اور کوئی آبی ہے
کوئی نیلا ہے اور کوئی پیلا | جس کو دیکھو غضب کا رنگیلا
چھڑکی قدرت نے اُن پہ افشاں ہے | آنکھ صنعت پہ اُن کی حیراں ہے
پتیاں دو ہیں کائنات اُن کی | حد سے بڑھ کر مگر صفات ان کی
گھاس پر دیکھو ان کی آرائش | کیسی ہے دلفریب زیبائش
نرم نازک ہرے بھرے تنکے | جھکے جاتے ہیں بوجھ سے ان کے
دیکھنا تم بڑھا نہ دینا ہاتھ | کبھی ان کو لگا نہ دینا ہاتھ
یاں سے کر جائیں گے ابھی پرواز | ان کی ہستی کا ہوگا افشا راز
شاد ہو کر ہوا میں کھیلیں گے | اس چمن کی فضا میں کھیلیں گے
خوب اٹکھیلیاں کریں گے یہ | ناز سے شوخیاں کریں گے یہ

پھول "سمجھے ہوئے" تھے ہم جن کو
لوگ کہتے ہیں "تتلیاں" ان کو

مہر حسن امرتسری

۴۱۔ جگنو

جگنو کی روشنی ہے کاشانۂ چمن میں
یا شمع جل رہی ہے پھولوں کی انجمن میں

آیا ہے آسماں سے اڑ کر کوئی ستارہ
یا جان پڑ گئی ہے مہتاب کی کرن میں

یا شب کی سلطنت میں دن کا سفیر آیا
غربت میں آکے چمکا گمنام تھا وطن میں

تکمہ کوئی گرا ہے مہتاب کی قبا کا
ذرہ ہے یا نمایاں سورج کے پیرہن میں

حسن قدیم کی یہ پوشیدہ اک جھلک تھی
لے آئی جس کو قدرت خلوت سے انجمن میں

چھوٹے سے چاند میں ہے ظلمت بھی روشنی بھی
نکلا کبھی گہن سے آیا کبھی گہن میں

پروانہ اک پتنگا جگنو بھی اک پتنگا
وہ روشنی کا جویا یہ روشنی سراپا

ہر چیز کو جہاں میں قدرت نے دلبری دی
پروانے کو تپش دی جگنو کو روشنی دی

رنگیں نوا بنایا مرغانِ بے نوا کو
گل کو زبان دے کر تعلیم خامشی دی

نظارۂ شفق کی خوبی زوال میں تھی
چمکا کے اس پری کو تھوڑی سی زندگی دی

رنگیں کیا سحر کو بانکی دلہن کی صورت
پہنا کے لال جوڑا شبنم کی آرسی دی

سایہ دیا شجر کو پرواز دی ہوا کو
پانی کو دی روانی موجوں کو بیکلی دی

اک مشتِ گل میں رکھا احساس کا شرارہ
انساں کو آگہی کیا ظلمت کو چاندنی دی

یہ امتیاز لیکن اک بات ہے ہماری
جگنو کا دن وہی ہے جو رات ہے ہماری

حسن ازل کی پیدا ہر چیز میں جھلک ہے
انساں میں وہ سخن ہے غنچے میں وہ چٹک ہے
یہ چاند آسماں کا شاعر کا دل ہے گویا
واں چاندنی ہے جو کچھ یاں درد کی کسک ہے
انداز گفتگو نے دھوکے دیے ہیں ورنہ
نغمہ ہے بوئے بلبل بو پھول کی چہک ہے
کثرت میں ہو گیا ہے وحدت کا راز مخفی
جگنو میں جو چمک ہے وہ پھول میں مہک ہے

یہ اختلاف پھر کیوں ہنگاموں کا محل ہو
ہر شے میں جب کہ پنہاں خاموشی ازل ہو

اقبال

۴۲ - بھونرا

طائر خوش خبر ہے نام مرا
الفت حسن ہے پیام مرا
مری بستی ہے پھول کی خوشبو
غنچہ و گل کی دید کام مرا
وادیٔ کوہ سیرگاہ مری
باغ مسکن ہے صبح و شام مرا
نہیں کس گل سے رسم و راہ مری
باغ مسکن ہے صبح و شام مرا
پھول پھولے نہیں سماتے ہیں
مسکراتے ہیں سن کے نام مرا
جتنے یہ کج کلاہ غنچے ہیں
جھک کے لیتے ہیں سب سلام مرا

مانتے ہیں صنوبر و شمشاد — سروِ آزاد ہے غلام مرا
بادۂ انس کا نشہ ہی مجھے — مے الفت سے پر ہے جام مرا
حسن کو ڈھونڈتا ہوں ہر گل میں — ذوقِ دید اس قدر ہے عام مرا

جستجوئے گل است ہستیٔ من
ہوشیاری نثارِ مستیٔ من

شاہدِ گل کا حسن جاں پرور — کوئی دیکھے گا مجھ سے کیا بڑھ کر
ابھی اس کے جمالِ رعنا تک — نہیں پہونچی نگاہِ ذوقِ نظر
ابھی اس بھینی بھینی خوشبو سے — نہیں مہکا مشامِ بادِ سحر
ابھی اس پیلے پیارے چہرہ کو — نہیں دھویا ہے اُس نے آ آ کر
اس کی شہرت کا چار سو ہے پیام — نہیں لے کر گئی نسیمِ سحر
حال پر عندلیب نالاں کے — نہیں کی اس نے مسکرا کے نظر
اس دلآویز حسنِ زیبا کی — نہیں گلچیں کو خواب میں بھی خبر
میں ہوں اس حال میں بھی گل پہ قرباں — ہیں عنایات اس قدر مجھ پر
ہم نفس ہوں انیس و محرم ہوں — میری الفت میں اس قدر ہے اثر

محفل آرائے خلوتستم من
بزم پیرائے جلوتستم من

دادِ گلگشت دے رہا ہوں میں — محوِ ہر رنگ و ہر ادا ہوں میں

پیار کرتا ہوں جا کے گیندے کو
منہ بنفشے کا چومتا ہوں میں

آنکھ نرگس سے جا لڑاتا ہوں
مائل چشم فتنہ زا ہوں میں

لگ چلا ہنس کے سیوتی سے کبھی
کبھی چنپا سے جا ملا ہوں میں

کبھی جوہی سے چھیڑ کر بیٹھا
دل لگی میں کوئی بلا ہوں میں

یاسمن سے ہے میری سرگوشی
موتیا سے سخن سرا ہوں میں

ہے نسیم سحر سے یارانہ
رازدار دل صبا ہوں میں

دل دکھاتا نہیں کسی کا بھی
ابروئے جادۂ صفا ہوں میں

سبق خذ ما صفا سے واقف ہوں
علم دع ما کدر پڑھا ہوں میں

دلم از نور مہر معمور است
رہ بیگانگی زمن دور است

نیر فلک

۴۳۔ بھونرے کی بیقراری

نہ وہ کیتکی کی پھبن رہی
نہ وہ موتیا کی ادا رہی

نہ وہ نسترن نہ سمن رہی
نہ وہ گل رہے نہ فضا رہی

نہ گلوں کے اب ہیں وہ قہقہے
نہ وہ بلبلوں کے ہیں چہچہے

نہ غزل سرا وہ کوئی رہے
نہ وہ قمریوں کی صدا رہی

نہ وہ سرو ہے نہ آبِ جو   نہ وہ ہم صفیر ہیں خوش گلو
نہ بنفشہ ہے نہ وہ نازبو   نہ وہ جعفری نہ حنا رہی
نہ وہ صبح کی ہیں تجلیاں   نہ شفق کی آہ! وہ جھلکیاں
نہ وہ اودی اودی ہیں بدلیاں   نہ وہ بھینی بھینی ہوا رہی
نہ امنگیں ہیں وہ شباب کی   نہ وہ پتیاں ہیں گلاب کی
نہ ہوائیں بو ہے شراب کی   مجھے مست تھی جو بنا رہی
وہ کنول غضب کے تھے دلربا   جہاں اُڑتے تھے سر ہم نوا
مگر اب نہ اُن کی ہے وہ ادا   نہ وہ بو رہی نہ صفا رہی
لبِ آب جو تھی فضا غضب   وہ بہار کی تھی ہوا عجب
مرے کنج میں مجھے روز و شب   مئے بیخودی تھی پلا رہی
وہ غضب کی کوکو وہ زمزمہ   وہ سہیلی درد بھری صدا
سرِ شام سرو پہ فاختہ   مجھے لوریاں تھی سنا رہی
ہیں کنول کی خنک جو پتیاں   مری خواب گہ تھی کبھی یہاں
یہیں شب کو دے دے کی تھپکیاں   تھی نسیم مجھ کو سلا رہی
یہاں ننھی جوہی کی اک کلی   جو بہار کے نازوں کی تھی پلی
مجھے لگتی جس کی ادا بھلی   مجھے کنج میں تھی بلا رہی
یہاں گل شگفتہ تھے جابجا   یہیں ننھا ڈیزی تھا ہنس رہا

یہاں مسکرائی تھی موتیا — یہاں چمپا اداتھی دکھا رہی
نہ گلوں میں بوئے وفا رہی — نہ وہ دل فروز ادا رہی
نہ چمن رہا نہ فضا رہی — نہ وہ دن رہے نہ ہوا رہی
نہ روش ہے اب وہ سپہر کی — نہ گلوں میں بو ہے وہ قہر کی
کہ ہوا ہے گلشن دہر کی — مجھے سبز باغ دکھا رہی

سرور جہاں آبادی

۴۴۔ نغمہ

مرے قلب کو زندگی دے کے جاؤ — حقیقت کی محفل سے پردہ اٹھاؤ
میں قطرہ ہوں مجھ کو سمندر بناؤ — کچھ اس طرح تادیر نغمہ سناؤ
یوں ہی پیاری چڑیو! ابھی اور گاؤ
مہکتے ہوئے پھول کے پاس جاؤ — لچکتی ہوئی شاخ پہ بیٹھ جاؤ
ہوا میں کبھی اڑ کے بازو ہلاؤ — کبھی صاف چشموں میں غوطہ لگاؤ
یوں ہی پیاری چڑیو! ابھی اور گاؤ
پھدک کر ادھر سے ادھر دوڑ جاؤ — چہک کر ادھر سے ادھر پر ہلاؤ
چٹک کر کبھی شاخ پر چہچہاؤ — اچھل کر کبھی نہر پر گنگناؤ
یوں ہی پیاری چڑیو! ابھی اور گاؤ

کبھی برگ تازہ کو منہ میں دباؤ — کبھی کنج میں بیٹھ کر پھڑپھڑاؤ
کبھی گھاس پر لوٹ کر دل لبھاؤ — کبھی جا کے بیلوں کو جھولا بناؤ

یوں ہی پیاری چڑیو! ابھی اور گاؤ

نہیں جاگتی روح میری جگاؤ — میں غفلت میں ہوں دل پہ چرکا لگاؤ
کوئی سرمدی ساز کی گت بجاؤ — مجھے اپنے نغموں کے معنے بتاؤ

یوں ہی پیاری چڑیو! ابھی اور گاؤ

میں بیتاب ہوں مجھ کو جلوہ دکھاؤ — میں گمراہ ہوں مجھ کو رستہ بتاؤ
نہ مجھکو نہ سمجھو نہ کچھ خوف کھاؤ — مرے پاس آؤ مرے پاس آؤ

یوں ہی پیاری چڑیو! ابھی اور گاؤ

شبیر حسین

۴۵۔ مرغی اور اس کے بچے

شام ہے اور اندھیرے کا وقت — ہے پرندوں کے بسیرے کا وقت
اب ہے پانی کی نہ دانہ کی تلاش — جس کو ہے اپنے ٹھکانے کی تلاش
رات پھر جب کہ گذر جائے گی — اور اُجالے کی گھڑی آئے گی
سنیو تم اُٹھ کے سویرے سی ذرا — یہ جو ہے گھر میں تمہارے مرغا
پھڑپھڑاتا ہے پروبال کو کیا — جھاڑ دیتا ہے وہ سستی گویا

اور سمجھتا ہے کہ میں بھی کچھ ہوں
چیختا زور سے ہے گُکڑوں کوں

دن نکلتے ہی اِدھر مرغی بھی
فوج بچوں کی لئے نکلے گی
تاکہ وہ صبح کا کھائیں کھانا
رات بھر کے ہیں بے آب و دانہ
چونچ سے دیگی وہ منہ میں اُن کی
جو پڑے پائے گی دانے دُنکے
ٹکڑے روٹی کے ہوں یا ہو دانہ
ہے غذا اُن کی یہی روزانہ

مینہ برستا ہے تو بچے سارے
آ دبکتے ہیں پروں میں سارے
چین سے اُن میں چھپے رہتے ہیں
ماں کی چھاتی سے لگے رہتے ہیں
مرغی جس طرح کہ ان بچوں کی
کرتی ہے شام و سحر رکھوالی
بس اسی طرح سمجھ لو کہ خدا
ہے ہماری بھی حفاظت کرتا

حالی

۴۶۔ تلاشِ محبت

(ایک بلّی کے بچے کو دیکھ کر)

اس قدر بے چین کیوں پھرتی ہے اے ننھی سی جان
شور سے سر پر اُٹھا رکھا ہے کیوں سارا مکان
دودھ پینے بھوک نے تجھ کو ستایا ہے اگر
وہ دھرا ہے دودھ چھوٹی سی پیالی میں اِدھر

دودھ بھی پیتی نہیں تو اے خبر لے تیرے لئے
گوشت تھوڑا سا منگا رکھا ہی یہ بازار سے

گوشت کو بھی تو نہیں چھوتی ہے تو کوئی کیا کرے؟
ہاں! ستایا ہے کہیں سردی کی شدت نے تجھے

آغوش میں تجھے اپنی بٹھا لیتا ہوں میں
آ تجھے سردی کے حملے سے بچا لیتا ہوں میں

پر یہاں پر بیٹھ کر تجھ کو کہاں آرام ہے
تلملانے سے تڑپنے ہی سے یہاں کیا کام ہے

بیٹھ کر گھٹنے پہ غور کرنے لگتی ہے کبھی
سر کو میرے پاؤں پر تو دھرنے لگتی ہے کبھی

پیار کرتا ہوں تو اس پر بھی نہیں تجھ کو قرار
ناشکیبائی ہے تیری حرکتوں سے آشکار

کس قدر الفت سے تکتی ہے نگاہوں میں مری
ہائے کیا حسرت ٹپکتی ہے نگاہوں سے تری

ہائے نادان اب سمجھا میں ترا مدعا
تو تلاشِ مہر و الفت میں ہے آتش زیر پا

ڈھونڈتی پھرتی ہے ہاں وہ گوہرِ نایاب تو
جس کی ہے انساں کو محبوبوں میں ناحق جستجو

نیرنگ

۷۴۔ گھوڑا

جولانیٔ سمند سے بجلی تھی شرمسار
ہر دم تھی جست و خیز طرارے تھے بار بار

تنگی سے دشتِ ظلم کے دل تھا جو بیقرار
گھبرا کے چاہتا تھا کہ ہو آسماں کے پار

جاتا عدم میں اُڑ کے حدِ کائنات سے
لیکن نہ زور چلتا تھا قیدِ حیات سے

گندے تھان میں گریۂ بیباک سے راہوار
شبنم کی طرح صحن میں سبزے پہ ہو نہ بار

سمجھے صبا کہ راز ہے گلشن کا آشکار — بلبل کہے کہ از سرِ نو آ گئی بہار
ہر گُل کو ہو یقین کہ چمن کی نسیم ہے
دھوکا نسیم کو ہو کہ گُل کی شمیم ہے

اُنس

۴۸۔ گھوڑا

زور آور و قوی و توانا و سر بلند (۱) نازک مزاج و خود سر و طناز و خود پسند
بانکی کنوتیاں تھیں تلو نادر تھے جوڑ بند — سیرت میں شیرِ نر تھا تو صورت میں تھا سمند
بُو تھا ہوا تھا۔ بادِ بہاری شمیم تھا — صرصر تھا دوڑ میں تو قدم میں نسیم تھا
منزل تمام کرتا تھا یکدم میں راہوار (۲) چلنے کا عزم کرتے ہی ہوتا تھا وہ فرار
کودا تو پہنچا قلعہ کی چوٹی پہ ایک بار — جاتا تھا آسماں پہ۔ اگر ہو کوئی سوار
دریا بھی پیچھے رہتا تھا اس کی روانی میں — جوہر دکھائی دیتے تھے گھوڑے کے پانی میں
کبکِ دری نثار تھا گھوڑے کی چال پر (۳) اڑ کر اسی نے ماری تھی ٹھوکر ہلال پر
ریشم کے لچھے صدقے ہوئے بال بال پر — مشکِ گہر نثار تھی اس کی ایال پر
سُم اس فرس کا تختِ سلیماں کا پایہ تھا — خورشید اس کے پیکرِ زیبا کا سایہ تھا
سرعت میں برق و باد کا منہ اس نے موڑا تھا (۴) جنبش لبوں کی اس کے لئے ایک کوڑا تھا
نادر تھا لاجواب تھا نایاب گھوڑا تھا — یکتا تھا پر غزالِ ختن کا وہ جوڑا تھا

اس کو قدم میں کوئی پرندہ نہ پاتا تھا
سرپٹ میں وہ خیال سے بھی آگے جاتا تھا
پھرتا تھا ایک آن میں شہر و دیار وہ (۵)
طائر کی طرح کرتا تھا طے کوہسار وہ
پانی میں کاٹتا تھا سمندر کی دھار وہ
ایک ہی زغن میں جاتا تھا دریا کے پار وہ
کاوے میں گھوم کر ادھر آیا اُدھر گیا
دوڑا تو پھر نہ آیا نظر وہ کدھر گیا

گوپال جی سہائے

۹۴ - شیرنی اور اُس کے بچے

بچوں کے آنے کے جب غل ہوئے کروڑ
وہ شیرنی بھی تکنے لگی اپنے منہ کو موڑ
جب لا کے اُس کے سامنے بچے دیئے نہ چھوڑ
یوں خوش ہو چاٹنے لگی الفت کی کر جھنجھوڑ
انسان جیسے کرتا ہے بچوں کو اپنے پیار
بچے بھی دوڑ ماں کے گلے سے لپٹ گئے
یوں جیسے کوئی دور کا بچھڑا ہوا ملے
چھاتی پہ لوٹ لوٹ کے جا دودھ پی لگے
اس شیرنی کے جیسے کلیجے میں داغ تھے
ویسے ہی اس کے منہ پہ خوشی کی ہوئی بہار

نظیر

۵۰۔ ہاتھی کی تعریف

شان و شکوہ تیرے ہاتھی کا کیا کہوں میں
چرخی بجا ہے اس کی گر چرخ آسماں ہو

ہے سر بلند اتنا یہ بھی عجب نہیں ہے
انکس پہ ماہ نو کے گر دست پیلباں ہو

مستک پہ رنگ اس کے جس طرح جلوہ گر ہے
گو سانجھ لاکھ پھولے پر لطف یہ کہاں ہو

اس قد و قامت اوپر یہ حسن ہی کہ اس کی
زنجیر پا بجا ہے گر زلف مہوشاں ہو

پائل جھول سایہ کیا کیا کہوں میں اس کی
اصلا کہیں جو اس میں شوخی کا کچھ نشاں ہو

گجباک تک مہاوت چھیڑے تو یوں چلے ہی
عاشق کے وصل کی شب جس طرح مے رواں ہو

ہاتھی میں یہ چلا وہ کب ہی سوائے اس کے
تشبیہ یاب جس سے رفتار خوش قداں ہو

جس وقت تھان پر سے کھولے اسے مہاوت
ہمت سے تیری اس کو خطرہ یہ ہر زماں ہو

دلویں گے بخش مجھ کو ناحق کہیں صلے میں
یارب حضور جاؤں تو دل نہ بیچ خواں ہو

سودا

۵۱۔ یادِ طفلی

کدھر گیا آہ میرا بچپن۔ نجات تھی جب غم جہاں سے
نہ دل تھا حسرت کش تمنا۔ نہ تھی زباں آشنا فغاں سے

کہاں گئی وہ بہار۔ کدھر گئے وہ نشاط کے دن
گلاب سا آہ! میرا چہرہ۔ نہ زرد تھا جب غم خزاں سے

کبھی تھا کوئل کا ہم نوا میں کبھی تھا میں ہم سرود قمری
چمن میں کرتا تھا چہچہے پھر شلیں میں جا کے مرغانِ نغمہ خواں سے

میں دل میں خوش تھا کہ گا رہی ہے مری محبت کا یہ ترانہ
کھلا نہ تھا راز عشقِ گل کا جو مجھ کو بلبل کی داستاں سے

بہت دنوں ہمصفیر تیرا رہا ہوں بچپن کی صحبتوں میں
ہزار نغمہ سنا کیا ہوں میں او پپیہے تری زباں سے

بہائیں کاغذ کی میں نے ناویں بہت لب جو بنا بنا کے
برس گئی کوئی ٹھنڈی ٹھنڈی جھڑی جو ساون کی آسماں سے

کبھی شگوفوں کو چومتا تھا کبھی تھا کلیوں کو پیار کرتا
نثار میں بھی تھا آہ! بلبل ادائے گل پر ہزار جاں سے

کبھی تمنا کہ چاند کو میں گھر اپنے لاؤں بنا کے مہماں
کبھی یہ حسرت کہ توڑ لاؤں میں جا کے تاروں کو آسماں سے

وہ شوق افزا عجب تھیں راتیں میں جب اچکتا تھا توڑنے کو
اگرچہ اونچے بہت ستارے تھے دستِ بازوئے ناتواں کو

کبھی جو آئینہ میں یکایک نظر پڑی مجھ کو اپنی صورت
رہا ہوں پہروں میں محو حیرت کہ پیاری شکل آ گئی یہ کہاں سے

لبوں پہ بچپن کی کیا نہ آئے گی اب وہ معصوم مسکراہٹ
ادھورے الفاظ اے جوانی! وہ کیا نہ نکلیں گے اب زباں سے

نسیم دینے کو مجھ کو لوری نہ شام فرقت ہی آئے گی کیا
جگر کے ٹکڑے اڑیں گے کب تک ہوا میں آہ شرر فشاں سے

بتوں کی تیر نظر کا بسمل نہ تھا خوشا روزگار طفلی
نہ لاگ شہ رگ کو نیشتر سے نہ چھیڑ پہلو کو تھی سناں سے

نہ دل کو فکر معاش کا غم نہ مرگ احباب کا تھا ماتم
لہو کے آنسو نہ آہ راتوں کو تھے رواں چشم خوں فشاں سے

نہ تھی گرانباریٔ مشاغل نہ تھی یہ پابندیٔ علائق
اسیر زنجیر غم نہ تھا میں نجات تھی شورش جہاں سے

مرا ہنڈولا تھا عرش اعظم مرے کھلونے تھے چاند سورج
اتار لاتا تھا جا کے تارے زمیں پہ راتوں کو آسماں سے

مرا گھروندا تھا گھر کا آنگن اسی میں مہماں تھا میرا بچپن
تجھے بلایا تھا کس نے ظالم شباب تو آ گیا کہاں سے

رہے جو تو اے شباب مہماں بایں غم و رنج و یاس و حرماں
نہیں ہے یہ بھی مجھے توقع طلسم نیرنگ آسماں سے

ابھی ہے تیر افشار باقی ۔ ابھی بڑھاپا ہے آنے والا
فلک کو لینا ابھی ہے بدلے بہت سی اک جز و ناتواں سی

ہزار جھگڑے ہیں زندگی کے ہزار دنیا کے ہیں بکھیڑے
سرورؔ صدمے اٹھیں تو کیوں کر اٹھیں گے اک مشت استخواں سی

سرور جہان آبادی

۵۲۔ شوخ چنچل

نظر آیا مجھے اک شوخ ایسا نازنیں چنچل
کہ جس کی دیکھ کر سج دھج مرا دل ہوگیا پاگل

ادا بھی چلبلی اور آن میں بھی کچھ عجب چھلبل
فسونگر انکھڑیاں ظالم کی اور جس پر لگا کاجل

کبھی نظریں لڑائے اور کبھی منھ پر لیے آنچل
پڑا در کان میں جھمکے گلے میں بج رہی ہیکل

نگاہیں گلعذار ے نوبہارے ناز پیرائے
دلارامے پری شکلے بتے شوخے دلارائے

نظیر

۵۳ - پیاری بچی

سیدہ کیسی پیاری بچی ہے
صورت اچھی، سمجھ لو اچھی ہے

ذرا دیکھو تو اس کی صورت کو
بچی چینی کی جیسی مورت ہو

ہے ابھی دو برس کی نیرے جاں
پر سب اچھے بُرے کی ہے پہچاں

ماں نے جو کچھ اُسے سکھایا ہے
جو ادب قاعدہ بتایا ہے

وہ سبق سارے اس کو ہیں ازبر
نقش ایک ایک بات ہی دل پر

ہے ادب سے بڑوں کا لیتی نام
سب کو کرتی ہے ہاتھ اُٹھا کے سلام

پھر ادب سے وہیں سلام کے ساتھ
پوچھتی ہی مزاج جوڑ کے ہاتھ

جھوٹ موٹ اس کو گر ڈراتے ہیں
بات ڈر کی کوئی سناتے ہیں

بچے پن سے یقین نہیں کرتی
دیر تک سنتے "نہیں نہیں" کرتی

وہ کسی بات پر مچلتی نہیں
اپنی عادت کبھی بدلتی نہیں

ایک بیماری سے تو ہے لاچار
ورنہ روتی نہیں کبھی زنہار

ایسی کم عمر، بے سمجھ ہو کر
دودھ بھی مانگتی نہیں رو کر

بے پیئے دودھ جب نہیں سرتی
ہے وہ ماں کی خوشامدیں کرتی

کبھی کہتی ہے پیار سے "اماں"
اور کبھی ڈالتی ہے گل بہیاں

کوٹ کوٹ اس میں ہی بھری ہے غیرت
اُس کو کوئی گھڑک دے کیا طاقت

ماں نے چھو لوں کبھی جو گھور دیا　　اس نے بیچ ہی وہیں بسور دیا
ماں کی خفگی سے ہے بہت ڈرتی　　اُس کے تیور ہے دیکھتی رہتی
جب ذرا دیکھتی ہے چپ ماں کو　　بار بار اُس کو کہتی ہے "بولو"
ماں یہ سُن کر اگر ذرا ہنس دی　　پھر کوئی دیکھے اُس کی آکے خوشی
ہنستی ہے اور کھلکھلاتی ہے　　بچی پھولی نہیں سماتی ہے
چاہنے والے اُس کے ہیں جو جو　　خوب پہچانتی ہے اک اک کو
پھوپھیوں سے تو ہے لگاؤ بہت　　گھر کا خالاؤں کے ہے چاؤ بہت
ہے چچاؤں کے نام کی عاشق　　اُن کے کلمہ کلام کی عاشق
غور سے اُن کا پڑھنا سنتی ہے　　اور سن سن کے سر کو دھنتی ہے
ختم ہو چکتے ہیں جب اُن کے بول　　کہتی ہے بار بار "اَبّا اوّل"
آرزو تو بہت ہے بولنے کی　　پر نہیں اٹھتی ہے زبان ابھی
یوں تو تھا جب ہی پیاری اِس کی زبان　　جب کہ کرنے لگی تھی وہ غوں غاں
پھر تو آتا ہی اُس پہ اور بھی پیار　　ہوتی جاتی ہے جس قدر ہوشیار
نہیں منہ سے نکلتے پورے بول　　بولتی ہے سدا ادھورے بول
لوٹ جاتے ہیں ہنستے ہنستے سب　　زرگری اپنی بولتی ہے جب
نئے آتے ہیں گھر میں جب مہماں　　دیکھ دیکھ اُن کو ہوتی ہے خنداں
پا کے بیٹھا ادھر اُدھر سب کو　　دیکھتی ہے مُنہ مُنہ سب کو

اُوپری شکل سے ہے گھبراتی — ہے مگر جلد سب سے ہل جاتی
ہیں جو ماں جائے بھائی اور بہن — یوں تو ہے سب کی اُسکے دل میں لگن
پر ذرا بھائی سے ہے لاگ اِس کو — کیونکہ اوپر تلے کے ہیں دونوں
پس جہاں بھائی ماں کے پاس آیا — اور وہیں اُس نے ہاتھ پھیلایا
جا لپٹتی ہے دوڑ کے ماں سے — بھائی سے کہتی ہے "ہٹو یاں سے"
عمر اُس کی خدا دراز کرے — علم سے اس کو سرفراز کرے

چڑھیں ماں باپ کی سلامتی میں
سارے پروان ۔ بھائی اور بہنیں

حالی ۔

۵۴ ۔ پدمنی

عندلیبوں کو ملی آہ و بکا کی تعلیم — اور پروانوں کو دی سوز وفا کی تعلیم
جب ہر ایک چیز کو قدرت نے عطا کی تعلیم — آئی حصے میں ترے ذوقِ فنا کی تعلیم

نرم و نازک تجھے اعضا دئے جلنے کے لئے
دل دیا آگ کے شعلوں پہ پگھلنے کے لئے

رنگ تصویر کے پردہ میں جو چمکا تیرا — خود بخود لوٹ گیا جلوۂ رعنا تیرا
ڈھال کر کالبد نور میں پُتلا تیرا — ید قدرت نے بنایا جو سراپا تیرا

بھر دیا کوٹ کے سوزِ غمِ شوہر دل میں
رکھ دیا چیر کے اک شعلۂ مضطر دل میں

تو وہ لیلیٰ تھی کہ دیوانہ بنایا تجھ کو — تو وہ شمع کہ پروانہ بنایا تجھ کو
نازشِ ہمتِ مردانہ بنایا تجھ کو — رونقِ خلوتِ شاہانہ بنایا تجھ کو

ناز آیا ترے حصے میں۔ ادا بھی آئی
جاں فروشی بھی محبت بھی وفا بھی آئی

چمن دہر میں پھولی گل رعنا بن کر — آئی دنیا میں جو تو حسن میں یکتا بن کر
دلِ شوہر میں رہی خال سویدا بن کر — رہی ماں باپ کی آنکھوں کا جو تارا بن کر

حسنِ خدمت سے شگفتہ دلِ شوہر رکھا
کہ قدم جادۂ طاعت سے نہ باہر رکھا

تیری صورت میں ادا بھی تھی طرحداری بھی — تیری فطرت میں مروت بھی تھی غم خواری بھی
درد آیا ترے حصے میں تو خودداری بھی — جلوۂ حسن میں شامل تھی نکوکاری بھی

آگ پر بھی نہ تجھے آہ ! مچلتے دیکھا
تپشِ حسن کو پہلو نہ بدلتے دیکھا

حسنِ سیرت سے تھی تیری متجلا تصویر — تو وہ عصمت کی تھی او آئینہ سیما تصویر
تجھ کو قدرت نے بنایا تھا سراپا تصویر — لاکھ تصویروں سے تھی اک تو ہی زیبا تصویر

نور ہی نور ترے جلوۂ مستور میں تھا
انجمِ ناز کا جھرمٹ رخِ پُرنور میں تھا

لب میں اعجازِ حیا چشم فسوں ساز میں تھی
کہ قیامت کی ادا تیرے ہر انداز میں تھی

شکل پھرتی جو تری دیدۂ غماز میں تھی
برقِ بیتاب تری جلوہ گہِ ناز میں تھی

یہ وہ بجلی تھی قیامت کی تڑپ تھی جس میں
شعلۂ نازِ عقوبت کی تڑپ تھی جس میں

یہ وہ بجلی تھی جو تیغِ شرر افشاں ہو کر
کوندا اٹھی قلعۂ چتوڑ میں جولاں ہو کر

یہ وہ بجلی تھی جو سوزِ غمِ حرماں ہو کر
خاک سے لوٹ گئی تیری پشیماں ہو کر

یہ وہ بجلی تھی کہ جس کے شرنے پھونکا
رفتہ رفتہ تپشِ سوزِ جگر نے پھونکا

آہ! او عشوہ و انداز و ادا کی دیوی
آہ! او ہند کے ناموس وفا کی دیوی

آہ! او پرتوِ انوارِ صفا کی دیوی
او زیارت کدۂ شرم و حیا کی دیوی

تیری تقدیس کا قائل ہے زمانہ اب تک
تیری عفت کا زباں پر ہے فسانہ اب تک

آفریں ہے تری جاں بازی کیمن کیلئے
آفریں ہے تری عفت تری عصمت کیلئے

کیا مٹائے گا زمانہ تری شہرت کیلئے
کہ چلی آتی ہے اک خلق زیارت کیلئے

نقش اب تک تری عظمت کا ہی بیٹھا دل میں
تو وہ دیوی ہے ترا لگتا ہے میلا دل میں

سرور جہان آبادی

۵۵۔ خوشی کی پری

فجر ہوتے جو گئی آج مری آنکھ جھپک
دی رؤیا میں آ کے خوشی نے در دل پر دستک

پوچھا میں کون ہے، بولی کہ میں ہوں غافل
نہ لگے شوق میں جس کے کبھو شائق کی پلک

ہے پری نام مرا میں ہوں عزیز دلہا
زندگانی کی حلاوت ہے جہاں میں مجھ تک

کھول آغوش دل اور لے مجھے جلدی ناداں
پھر خدا جانے یہ دن کب تجھے دکھلائے فلک

آنکھیں مل کر کے جو دیکھوں تو ہے اک بادلہ پوش
سر سے لے غرق جواہر میں ہے وہ پاؤں تک

زلفیں یوں بکھری ہوئی چہرہ پہ یا انگلیں تھیں دل
جس طرح ایک کھلونے پہ جھپٹیں دو بالک

حسن سے کان کے آویزے میں یہ لطف کہ جوں
مستعد قطرۂ شبنم کہ گرے گل سے ٹپک

مسی آلودہ لب۔ اخگر تھے تہ خاکستر
کہ ہوا ہے وہ سخن کہنے کی جاتے تھے دہک

سلک گوہر نے صفا وام لی ان دانتوں سے
برق دیوانہ کرے موج تبسم کی چمک

قامت ایسا ہے کہ ہنگام خرام اس کے اگر
آگے آ جائے قیامت تو یہ بولے کہ سرک

ناگہاں شوخ نے مجھ سے یہ کہا اے سودا
اب تو شیشہ ہے اندوہ کا تیرے ٹپک

یہ کوئی طرز ہے رہنے کا زمیں پر ناداں یہ کوئی طور ہے جینے کا ترے زیرِ فلک
نہ کبھی گھر میں ترے ناچ ہیں ہوتے دیکھا نہ ترے در پہ سنی آ کے کبھی وجد کی گمک
آج وہ دن ہے کہ جس گھر میں بجی دیکھو اس میں کہیں ہوتی ہے بھگت اور کہیں ہے ڈھولک
یاں تلک شیخ و برہمن ہیں طرب کے مصروف دیر میں بجتی ہے مردنگ حرم میں ڈھولک
سن کے میں نے یہ کہا اس سے کہ اے مایۂ ناز خیر ہے بات سمجھ کر تو کہ اتنا نہ بہک
ہے سبب کیونکہ میں اندوہ کی الفت چھوڑوں کس طرح دوستیٔ غم کروں دل سے منفک
کر کے دریافت یہ مجھ سے کہا اس نے کہ مگر سمع میں تیرے یہ مژدہ نہیں پہونچا اب تک

آج اس شخص کی ہے سالگرہ کی شادی
کہ بصورت ہے وہ انساں بسیرت ہے ملک

سودا

۵۶۔ مہ لقا

دیکھی پھر اس میں اک ستم ایجاد مہ لقا اوپر نظر گئی جو مری سر سے تا بپا
صورت وہ قمر چاند کا ٹکڑا سا بے بہا اور حسن کا بیان تو جاتا نہیں کہا
نقشہ وہ جس کے پاؤں پہ لوٹے پری پری
خونریز ابرو جان کی قاتل ہر اک نگاہ مژگاں وہ برچھیوں کو لئے ترک ہی سیاہ
مہندی سے انگلیوں نے کئے خون بیگناہ آنکھوں میں کھینچ رہا تھا وہ کاجل غضب سیاہ

پڑ جائے جس سے دل میں فرشتوں کے ہڑبڑی

زلفیں وہ مشک ناب سی چہرہ وہ چاند سا جگنو رہا گلے میں ستارہ سا جگمگا
گہنے کا وصف یا کہ بدن کی کہوں صفا جاتا تھا سرخ جوڑے میں تن یوں جھمک دکھا
گویا شفق میں آن کے بجلی چمک پڑی

کیا کیا کہوں میں شوخ کے عالم بناؤ کا تصویر بن رہی تھی لٹا سر سے تا بہ پا
اس دم بندھی تھی اس کی غضب آن کر ہوا کافر کھڑی ہوئی تھی عجب قد سج بنا
اک ہاتھ میں لے آئینہ اک ہاتھ میں چھڑی

نظیر

۵۷. موتی

رہے ہیں اب تو پاس اُس شوخ کے شام و سحر موتی
جبیں پر موتی اور جھیر میں موتی مانگ پر موتی
ادھر جگنو ادھر کچھ بالیوں میں جلوہ گر موتی
بھرے ہیں اس پری میں یارو اب تو سر بسر موتی
گلے میں کان میں نتھ میں جدھر دیکھو ادھر موتی

کوئی اس چاند سے ماتھے کے ٹیکے میں اچھلتا ہے
کوئی بندوں سے مل کر کان کی نرموں میں لٹا ہے

پٹ کر دھاگی میں کوئی سینے پر مچلتا ہے
کوئی جھمکوں میں جھولے ہی کوئی بالی میں ہلتا ہے
یہ کچھ لذت ہے جب اپنا چھداتے ہیں جگر موتی

کبھی وہ ناز میں ہنس کر جو کچھ باتیں بناتی ہے
تو اک اک بات میں موتی کو پانی میں بہاتی ہے
اداؤ ناز میں چنچل عجب عالم دکھاتی ہے
وہ سمرن موتیوں کی انگلیوں میں جب پھراتی ہے
تو صدقے اس کے ہوتے ہیں پھرے ہر پور پر موتی

غلط ہے اس لب رنگیں کو برگ گل سے کیا نسبت
کہ جن کی ہے عقیق احمر نے اور یاقوت کو حسرت
اداہٹ کچھ مسی کی اور کچھ اس پہ پان کی رنگت
وہ ہنستی ہے تو کھلتا ہے جواہر خانۂ قدرت
ادھر لعل اور ادھر نیلم ادھر مرجاں ادھر موتی

کبھی جو بال بال اپنے میں وہ موتی پروتی ہے
نزاکت سے عرق کی بوند بھی گھڑے کو دہوتی ہے
بدن بھی موتی سنہا پاؤں سے پہنے بھی موتی ہے
سراپا موتیوں کا پھر تو اک گچھا وہ ہوتی ہے

کہ کچھ وہ خشک ہوتی کچھ پسینے کے وہ تر موتی

گلے میں اس کے جس دم موتیوں کے ہار ہوتے ہیں
چمن کے گل سب اُس کے وصف میں موتی پروتے ہیں
نہ تنہا رشک سے قطراتِ شبنم دل میں روتے ہیں
فلک پر دیکھ کر تارے بھی اپنا ہوش کھوتے ہیں
پہن کر جس گھڑی بیٹھے ہے وہ رشکِ قمر موتی

وہ زیور موتیوں کا واہ اور کچھ تن وہ موتی سا
پھر اس پر موتیا کے ہار بازوبند اور گجرا
سراپا زیب و زینت میں وہ عالم دیکھ کر اس کا
جو کہتا ہوں ارے ظالم ٹک اپنا نام تو بتلا
تو ہنس کر مجھ سے یوں کہتی ہے وہ جادو نظر موتی

کڑے پازیب توڑے جس گھڑی آپس میں لڑتے ہیں
تو پھر جھنکار میں کس کس طرح باہم جھگڑتے ہیں
کسی دل سے بگڑتے ہیں کسی کے جی پہ اڑتے ہیں
کڑے سونے کے کیا موتی بھی اس کے پاؤں پڑتے ہیں
اگر باور نہیں دیکھو ہیں اس کی کفش پر موتی

خفا ہو اِن دنوں کچھ روٹھ بیٹھی ہے جو ہم سے دُو
تو اس کے غم میں جو ہم پر گذرتا ہے سو مت پوچھو
چلے آتے ہیں آنسو دل پڑا ہے ہجر میں غش ہو
وہ دریا موتیوں کا ہم سے روٹھا ہو تو پھر یارو
بھلا کیوں کر نہ برساوے ہماری چشم تر موتی

شفق میں اتفاقاً جیسے سورج ڈوب کر نکلے
و یا ابر گلابی میں کہیں بجلی چمک جائے
بیاں ہو کس طرح سے آہ اس عالم کو کیا کہئے
تبسم کی جھلک میں یوں جھمک جاتے ہیں دانت اس کے
کسی کے یک بیک جس طور جاتے ہیں بکھر موتی

ہمیں کیوں کر پر یزادوں سے بوسوں کے نہ ہوں لہنے
جڑاؤ موتیوں کے اس غزل پر وارئے گہنے
سخن کی کچھ جو اس کے دل میں ہے الفت لگی رہنے
نظیرؔ اس ریختہ کو سُن وہ ہنس کر یوں لگی کہنے
اگر ہوتے تو میں دیتی تجھے اک تھال بھر موتی

نظیر ۱

۵۸۔ ادھر آ تو پھول والے

یہ صدا کسی کی سن کر کہ یہ ہار بیچ ڈالے
وہ کھڑے پکارتے ہیں ادھر آ تو پھول والے

وہ زمانہ کم سنی کا وہ بناؤ سادگی کا
کہ پڑے ہیں کانوں میں ابھی سلونے بالے

وہ رنگ ارغوانی وہ اٹھان پہ جوانی
وہ شریر چتونیں ہیں کہ ہمیں ہیں جی کے لالے

وہ ادا ادا میں مستی وہ حیا حیا میں شوخی
وہ نظر نظر میں جادو جو چاہے سو جگا لے

وہ متانت اور تمکیں وہ لب اُن کے کتنے شیریں
مروئیں بال آئے جو بل ابروؤں میں ڈالے

وہ مژہ کے تیر آفت وہ نگاہیں اک قیامت
جو ادا ہے وہ نئی ہے جو چلن ہیں وہ نرالے

مجھے کر نہ دیں پریشاں کہیں گجر بکھری ہوتی
مرے دل کے ہوں نہ گاہک مرے دل لبھانے والے

یہی راز دار دل ہیں یہی پردہ دار دل ہیں
جنہیں چلمنوں سے دیکھا ابھی ہم نے سر نکالے

نہ تو شوق دلربائی نہ تو ذوق خود نمائی
کشش ایسی حسن کی [illegible] تجھے والے

کوئی پیش بیٹھا ہے کوئی [illegible] فدا ہے
کوئی کھینچتا ہے آہیں کوئی کر رہا ہے نالے

تری شوخیوں کے صدقے تری اس ادا کے قرباں
کہ تڑپ تڑپ گئے ہیں جبھی سُن کے سننے والے

مرے دل کو ہے یہ حسرت کہ وہ مست ناز الفت
پھر اسی ادا سے کہہ دے ادھر آ تو پھول والے

صفدر۔ مرزاپوری

۵۹۔ شریف بیبیاں

اے ماؤ! بہنو! بیٹیو! دنیا کی زینت تم سے ہے
ملکوں کی بستی ہو تمہیں قوموں کی عزت تم سے ہے

تم گھر کی ہو شہزادیاں، شہروں کی ہو آبادیاں
غمگیں دلوں کی شادیاں دکھ سکھ میں راحت تم سے ہے

تم ہو تو غربت ہی وطن تم بن ہے ویرانہ چمن
ہو دیس یا پردیس۔ جینے کی حلاوت تم سے ہے

نیکی کی تم تصویر ہو۔ عفت کی تم تدبیر ہو
ہو دین کی تم پاسباں، ایماں سلامت تم سے ہے

فطرت تمہاری ہے حیا۔ طینت میں ہے مہر و وفا
گھٹی میں ہے صبر و رضا۔ انساں عبارت تم سے ہے

مردوں میں ست والے تھے جو سب بیٹھے اپنا کب کا کھو
دنیا میں اے ستونتیو لے دے کے اب ست تم سے ہے

مونس ہو خاوندوں کی تم غمخوار فرزندوں کی تم
تم بن ہے گھر ویران سب گھر بھر میں برکت تم سے ہے

تم آس ہو بیمار کی۔ ڈھارس ہو تم بیکار کی
دولت ہو تم نادار کی عسرت میں عشرت تم سے ہے

آتی ہو اکثر بے طلب۔ دنیا میں جب آتی ہو تم
پر موہنی سی اپنے یہاں گھر بھر پہ چھا جاتی ہو تم

حالی

۶۰۔ غریب ماں

یہ کھاتے ہو جو تم ہر روز روٹی
بتاؤ کیونکہ ہے تیار روٹی؟

اگر آٹے کی پکتی ہے تو آٹا
بتاؤ ہے کہاں سے روز آتا

تمہارا باپ ہے جو کچھ کماتا — اناج اُس کا یہ وہ ہی مول لاتا
تمہاری ماں کو دیدیتا ہے لاکر — وہ اُن کو چن پھٹک کر اور بنا کر
خود اپنے ہاتھ سے ہے پیس لیتی — لگا رکھی ہے اُس نے گھر میں چکی
اُسی چکی کا پیسا تھا وہ آٹا — چڑھے پروان ہو تم جس کو کھا کھا
وہ بیچاری ہمیشہ صبح ہوتے — کہ جب تم بے خبر ہوتے ہو سوتے
جھٹ آٹا پیسنے جا بیٹھتی ہے — عجب بندی خدا کی محنتی ہے
وہ ہے اس ہاتھ سے چکی چلاتی — اور اُس سے گیہوں ڈالے جاتی
جب اس کا ہاتھ تھک جاتا ہے دایاں — بدل لیتی ہے تب وہ ہاتھ بایاں
کبھی گھبرا کے دل ہی دل میں اپنے — خدا کا نام وہ لگتی ہے جپنے
کبھی دل کو خدا سے لو لگا کر — تسلی دیتی ہے وہ گیت گا کر
جب آٹا پس چکتا ہے تو گویا — سمجھتی ہے بڑا گڑھ میں نے جیتا
پھر آٹا چھان کر بھوسی جدا کر — اُسے بھرتی ہے مٹکے میں اٹھا کر
پکانے کا جونہیں وقت اس کا آیا — سنبھالا اُس نے جب آٹے کا کونڈا
لگی پھر گوندنے آٹا چھپا چھپ — اور اس میں مارنے مُکی تھپاتھپ
وہ یوں آٹے کو ہے دے دے پٹختی — کہ گویا لڑ رہی ہے اس سے کشتی
جب آٹا گوندھ چکتی ہے تو لے کر — توا دیتی ہے رکھ چولھے کے اوپر
بناتی ہے گندھے آٹے کے پیڑے — کہ ہو جس طرح سے جلدی نبیڑے

وہ جب صبح پھر پکاتی ہے روٹی   چپاتی خواہ پھلکی۔ خواہ موٹی
ذرا دیکھو تو کوئی اس کی پھرتی   توے پر دم میں ڈالی اور الٹی
پکا کر۔ ریندھ کر۔ کھا کر کھلا کر   ہوئے جھوٹے جو باسن سو دھلا کر
لیا کچھ اور گھر کا کام دھندا   یہی ہے اس کا صبح و شام دھندا
وہ کرتی رہتی ہے تم سب کی خدمت   نہیں ملتی اسے مرنے کی فرصت
یہی رہتا ہے دن رات اس کو رونا   پکانا۔ ریندھنا۔ سینا پرونا
رُندھی رہتی ہے تم بچوں میں دن رات   کہے بھی تو کسی سے کیا کہے بات
نہ ہے شوق اچھے کا اس کو اور برے کا   نہ ہے ڈر پہننے اور اوڑھنے کا
کہیں پڑ رہنا فارغ جب کہ ہونا   کوئی سونے میں داخل ہے یہ سونا
ڈھلا دن اور چڑھا سب کھانے کا فکر   تمہارے باپ کے گھر آنے کا فکر
سویرے کو وہ نکلا نکلا گھر سے   پھر آئیگا شام کو جب کام پر سے
تو اس کو دیکھتے ہی آپ سے آپ   بڑے اور چھوٹے ہو جائیں گے چپ چاپ
قدم رکھے گا جونہی گھر کے اندر   سنبھل بیٹھو گے تم سب اس سے ڈر کر
اور الٹا چھوڑ کر پھر سوئی تاگا   لگے گی لینے اس کا آگا تاگا
وہ سستانے نہیں پاتا کہ لا کے   بچھا دیتی ہے دسترخوان آگے
گھڑی ہم کو کھڑی کرتی ہے پنکھا   گھڑی پانی پلاتی ہے دھلا
دیے جاتی ہے تم سب کو وہ سالن   بچے اپنے لئے کچھ کچھ نہ لاون

جو بھوکی رہتی ہے پیچھے بھی بھوکی لگا کر اُس سے کھاتی ہی روٹی
اُسے تم کو کھلانے سے ہی مطلب نہیں کچھ اپنے کھانے سے ہی مطلب
اگر کھانے میں آئی تم کو لذت تو سمجھو لگ گئی ٹھیک اُس کی محنت
نہ پکتا گر مزے کا تو نگوڑی ہوئی جاتی ہے دل میں تنگ تھوڑی
بھلا ماں کے سوا کس میں یہ آئے؟ نہ کھائے آپ اور تم کو کھلائے
تمہیں کیا فکر ان جھگڑوں کی بھائی کہ ملتی ہے تمہیں پکی پکائی
پکانے سے نہ کچھ لینے سے مطلب اگر ہے تم کو تو کھانے سے مطلب
ذرا سی دیر کھانے میں اگر ہو تو تم رو رو کے گھر سر پر اُٹھا لو
نہ الفت باپ کی تم جانتے ہو؟ نہ ماں کی مامتا پہچانتے ہو؟
نہ اُن کی محنتوں کی ہے خبر کچھ؟ نہ اُن کی جانفشانی پر نظر کچھ؟
نہیں کر سکتے حق اُن کا ادا تم کرو اُن پر سے گر جاں بھی فدا تم
دل و جاں سے کرو تم اُن کی عظمت بجا لاؤ ادب سے اُن کی خدمت
سمجھ لو اس میں ماں کی قدر و عظمت کہ اُس کے پاؤں کے نیچے ہے جنت

حالی

۶۱۔ جوگی کا بھیس

یہ کہتا تھا میں۔ جی میں عشق نے یہ بات لا ڈالی
منگا تھوڑا سا گیرو اور وہیں کفنی رنگا ڈالی
اُٹھا مُندرے گلے کے بیچ سے لی بر ملا ڈالی
لگا مُنہ سے بھبوت اور شکل جوگی کی بنا ڈالی
ہوا سر پاؤں سے اودھوت جوگی جوگ کا گیانی
بنا بالوں کا انڈوا کھول بال اور ہو کے متوالا
چھپا آنکھ اور دہتورا کر دیا آنکھوں کا گل لالا
اُٹھا تونبی کو اور کاندھے کے اوپر رکھ مرگ چھالا
پھرا ہاتھوں میں سمرن اور گلے میں ڈال کر مالا
چلا پڑھتا ہوا گرُو کا سبد اور ناتھ کی بانی

نظیرؔ

۶۲۔ موچی

چمڑا مول منگاتا ہوں دھوکے اُسے سکھاتا ہوں
مل کر نرم بناتا ہوں یوں چمڑے کو کماتا ہوں
میں موچی کہلاتا ہوں

پنّے وَنے کاٹ کتا کرتا ہوں خوب ان کو صفا
پھر لے پتنا اور تلا سیتا ہوں دونوں کو ملا
یوں کام اپنا بناتا ہوں

پھر جوتی قالب پہ چڑھاتا ہوں ٹھونک ٹھکا اور کوٹ کٹا
رانپی سے بُرشا کے تلا سیتا ہوں دونوں کو ملا
پھر کام اور لگاتا ہوں

چاہئے گر اندھا گھوڑا میری دُکان سے لو جوڑا
پھر درکار نہیں کوڑا جتنا چلاؤ ہے تھوڑا
مضبوط ایسا بناتا ہوں

اوروں کی سی سِیلن نہیں لوت جانیو میری بات نہ جھوٹ
سال کے اندر میرا بوٹ میں ضامن جو جائے ٹوٹ
اس کی شرط لگاتا ہوں

بالو ہو یا ہو لالا　　گورا ہو یا ہو کالا
بوڑھا ہو یا - ہو بالا　　ادنی ہو یا ہو اعلیٰ
سب کا حکم بجا لاتا ہوں

حالی

۶۳ - چٹھی رساں

(منقول از "اطوار بازیچہ")

لو وہ دیکھو آرہا ہے ڈاکیا　　منتظر تھا جس کا ہر چھوٹا بڑا
ہے اسی جانب کو سیدھا اس کا رُخ　　خط تمہارا ہو گا یا شاید مرا
پوچھتا ہے اس سے ہر ایک اپنا خط　　نام بتلاتا ہے اور اپنا پتا
دیکھتا ہے وہ لفافے غور سے　　دیتا ہے پڑھ پڑھ کے جو لکھا پڑا
یہ تو بتلاؤ خطوں کا اتنا ڈھیر　　اس کو کیونکر اور کہاں سے مل گیا؟
دیکھتے ہو روز کیفیت یہ تم　　پر نہیں رکھتے خبر اس کی ذرا
رات کو سوتے تھے جب ہم ایک شخص　　جا رہا تھا اس طرف سے دوڑتا
تھے کمر سے اس کے کچھ گھنگرو بندھے　　تاکہ سب جانیں کہ ہے یہ ڈاکیا
ہر قدم پر دوڑتا تھا جبکہ وہ　　گھنگرؤں کی اس کے آتی تھی صدا
کہتے ہیں ہرکارہ جس کو تھا وہی　　تم نے بھی یہ نام شاید ہو سُنا

وہ چلا تھا لے کے ڈاک اِس شہر سے
آ کے دم یاں ڈاک خانے میں لیا

تھیلیاں تھیں ایک تھیلے میں کئی
جن سے تھا وہ ڈاک کا تھیلا بھرا

تھیلیوں میں تھے بھرے پیکٹ تمام
تھا کوئی دھولا تو کوئی زرد تھا

تھا غرض جو بوجھ اس کے پاس سب
ڈاک منشی کے حوالے کر دیا

شام تک اب اس کو ہوش آئی تو آئے
وہ تو ایسا ہو کے بیدم جا پڑا

اور ادھر وہ تھیلیاں جھٹ پٹ سنبھال
ڈاک منشی نے سنو اب کیا کیا

کھول کر سب کر لئے پیکٹ الگ
اور خط بھی رکھ لئے کر کے جدا

بانٹنے کو ڈاک پھر دیدی تمام
ڈاک چٹھی رسانوں کو بلا

ڈاک میں آیا ہے اک میرا بھی خط
او ہو یہ تو خط ہے میرے دوست کا

پڑھ کے خط تو ہو گی جو ہو گی خوشی
پہلے آنکھوں سے تو لوں اس کو لگا

دوست کے پاس آئے نامہ دوست کا
اس خوشی سے ہی زیادہ اور کیا

اب پڑھوں گا جا کے اطمینان سے
گھر میں اپنے بیٹھ کر سب سے جدا

حالی

۶۴ و ۶۵ ۔ آدمی آدمی

دنیا میں بادشاہ ہے سو ہے وہ بھی آدمی
اور مفلس و گدا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
زردار بے نوا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
نعمت جو کھا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
ٹکڑے جو مانگتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

ابدال و قطب و غوث و ولی آدمی ہوئے
منکر بھی آدمی ہوئے اور کفر کے بھرے
کیا کیا کرشمے کشف و کرامات کے کئے
حتیٰ کہ اپنے زہد و ریاضت کے زور سے
خالق سے جا ملا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

فرعون نے کیا تھا جو دعویٰ خدائی کا
شداد بھی بہشت بنا کر ہوا خدا
نمرود بھی خدا ہی کہاتا تھا برملا
یہ بات ہے سمجھنے کی آگے کہوں میں کیا
یاں تک جو ہو چکا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہے نار ہے اور آدمی ہی نور
یاں آدمی ہی پاس ہے اور آدمی ہی دور
کل آدمی کا حسن و قبح میں ہے یاں ظہور
شیطان بھی آدمی ہی جو کرتا ہے مکر و زور
اور ہادی رہنما ہے سو ہے وہ بھی آدمی

مسجد بھی آدمی نے بنائی ہے یاں میاں
بنتے ہیں آدمی ہی امام اور خطبہ خواں
پڑھتے ہیں آدمی ہی قرآن اور نمازیاں
اور آدمی ہی ان کی چراتے ہیں جوتیاں
جو ان کو تاڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی پہ جان کو وارے ہے آدمی　　اور آدمی کو تیغ سے مارے ہے آدمی
پگڑی بھی آدمی کی اتارے ہے آدمی　　چلا کے آدمی کو پکارے ہے آدمی
اور سن کے دوڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

چلتا ہے آدمی ہی مسافر ہو لے کے مال　　اور آدمی ہی مارے ہے پھانسی گلے میں ڈال
یاں آدمی ہی صید ہے اور آدمی ہی جال　　سچا بھی آدمی ہی نکلتا ہے میرے لال
اور جھوٹ کا بھرا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی شادی ہے اور آدمی بیاہ　　قاضی وکیل آدمی اور آدمی گواہ
تاشے بجاتے آدمی چلتے ہیں خواہ مخواہ　　دوڑے ہیں آدمی ہی مشعلیں جلا کے واہ
اور بیاہنے چڑھا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی نقیب ہو بولے ہے بار بار　　اور آدمی ہی پیادے ہیں اور آدمی سوار
حقہ صراحی جوتیاں دوڑیں بغل میں مار　　کاندھے پہ رکھ کے پالکی ہیں دوڑتے کہار
اور اس پہ جو چڑھا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

بیٹھے ہیں آدمی ہی دکانیں لگا لگا　　اور آدمی ہی پھرتے ہیں رکھ سر پہ خونچا
کہتا ہے کوئی لو کوئی کہتا ہے لائے لا　　کس کس طرح سے بیچے ہیں چیزیں بنا بنا
اور مول لے رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی قہر سے لڑتے ہیں گھور گھور　　اور آدمی ہی دیکھ انہیں بھاگتے ہیں دور

چاکر غلام آدمی اور آدمی مزدور — یاں تک کہ آدمی ہی اُٹھاتے ہیں جاضرور
اور جس نے وہ پھرا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی لعل و جواہر ہیں بے بہا — اور آدمی ہی خاک سے بدتر ہی ہو گیا
کالا بھی آدمی ہے کہ اُلٹا ہے جوں توا — گورا بھی آدمی ہے کہ ٹکڑا سا چاند کا
بدشکل و بدنما ہے سو ہے وہ بھی آدمی

اک آدمی ہیں جن کی یہ کچھ زرق برق ہیں — روپے کے اُن کے پاؤں ہیں سونے کی فرق ہیں
جھمکے تمام غرب سے لے تا بہ شرق ہیں — کمخواب تاش شال دوشالوں میں غرق ہیں
اور چیتھڑوں لگا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

مرنے میں آدمی ہی کفن کرتے ہیں تیار — نہلا دھلا اُٹھاتے ہیں کاندھے پہ کر سوار
کلمہ بھی پڑھتے جاتے ہیں روتے ہیں زار زار — سب آدمی کرتے ہیں مردے کا کاروبار
اور وہ جو مر گیا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

اشراف اور کمینے سے لے شاہ تا وزیر — ہیں آدمی ہی صاحب عزت بھی اور حقیر
یاں آدمی مرید ہیں اور آدمی ہی پیر — اچھا بھی آدمی ہی کہاتا ہے اے نظیر
اور سب میں جو برا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

نظیر

۶۶ - بہرام پہلوان

خود سر کا سر ہے آئنہ پر مسکن غرور   نارِ حسد سے سینہ دہکتا ہوا تنور
کج رو کے ذہن میں ہے کجی عقل میں فتور   پہلو میں دل ہے خزانہ بغض و عناد و زور
نخوت میں ہر کلام بھی بھیجا لعین کا ہے
سینے میں سنگ لاخ کلیجا لعین کا ہے

جو کچھ ہے فن سپاہگری کے وہ سب ہیں یاد   لاکھوں کو نیزہ بازی میں ہے اس کی اعتقاد
تیر افگنی میں ثانیِ ارجن ہے بد نہاد   حاصل کمال تیغ زنی حد سے ہے زیاد
ہمراہ گرز بھی ہے سنان بھی تبر بھی ہے
رومی کمان بھی تیغ دو دم بھی سپر بھی ہے

اس درجہ ہے جسیم سیہ مست و سخت جاں   ہے فیل جس کے سامنے اک مور ناتواں
سر پر ہے خود سنگ وہ بھاری کہ الاماں   فولاد کی زرہ میں تنِ نحس ہے عیاں
پنہاں جھلم میں چہرۂ بد شت پسند ہے
پھنس جائے جس میں دیو وہ محکم کمند ہے

انس

۶۷۔ پیٹ کا بندہ

ہے عجیب و غریب زرہما ایک یاں صورت آشنا اپنا
آدھ سیر آٹے کا خدا ہے کفیل پیٹ اس کا ہے عمر کی زنبیل
گھر میں اب جس کے دیکھے گھر کے در پر اس کے یہ بیٹھے یوں اڑکے
گو رسے پھر جو رستم اٹھو کر آئے میت اس کی اٹھائے یا نہ اٹھائے
خوردنی کی ہو جس زمیں پر باس جمع واں کر کے اپنے ہوش حواس
بیٹھ مکھی کی طرح چپکے در پے دونو ہاتھوں سے سر کو پیٹے ہے
ہر کسی بنئے کی دوکان پر جا اپنی باتوں میں اس کو لے ہی لگا
کام ہو جو اپنا کر لیوے کلّے بندر کی طرح بھر لیوے
نان بائی محلّہ یوں فریاد کرے ہے یارو دیکھو یہ بیداد
چاٹے ہے جو ری سے رفیدی کو مار ڈالوں گا اس ندیدے کو
جو اسے میہماں بلاوے ہے آفت اپنے وہ گھر پہ بلاتا ہے
کھانا آوے تو اس طرح لوٹے جیسے کوئی کسی کا گھر لوٹے
مارے لقمے تو اس طرح بیذ دات جیسے جھاڑے کوئی پٹا کے ہاتھ
ایک تھا اس کا آشنا دل سوز وارد اس کے یہ گھر ہوا اک روز
ظاہرا اس کے گھر تھی کچھ شادی سر مجلس بلا اسے جا دی

نہ تھی اسکو کسی سے بات اور بیت — بھوک سے اس کی لگ رہی تھی بیت
گاہ اونگے تھا گاہ چونکے تھا — گاہ مطبخ کی باس سونگھے تھا
جاوے بازار کو اگر وہ لئیم — خلق سمجھے کہ پہنچی فوج غنیم
بھوک میں جب ادھر یہ آتا ہے — لوگوں کو کاٹ کاٹ کھاتا ہے

چار کے کاندھے جب یہ جاویگا
توشہ کی روٹی گور بھی کھاویگا

سودا

۶۸۔ حافظ اکول

اک حافظ ہم سے آشنا ہے — کھانے کا جی سے مبتلا ہے
ہر لحظہ ہے اس کو پیٹ کا فکر — کچھ کھائے ہی یا ہی کھانے کا ذکر
موقوف طعام پہ مدارات — کچھ اس کی نہیں ہو گھاس یا پات
جو آگے تم اس کے دھر دو کھا جائے — بکری کی طرح سے منہ چلا جائے
حتی کہ جو وقت کھانے کے آئے — کھانا نہ ملے تو مار ہی کھائے
از بسکہ یہ پیٹ کا ہے بندا — کھانے ہی کا نت اسے ہے دھندا
ممکن نہیں جس جباب جیں آئے — گو بھوک سے پیٹ دم نکل جائے
فاقوں سے زبس بھے ہے مضطر — موت اپنی وہ مانگتا ہے اکثر

پر شرط کرے ہے یہ خدا سے ۔۔۔ مریئے بھی تو دردِ ابتلا سے
حسرت سے غرض کہ بھر کے وہ آہ ۔۔۔ پڑھتا ہے یہ شعر گاہ بے گاہ
خوش زیست بسر وہ کر گئے ہیں ۔۔۔ ہیضہ سے جو لوگ مر گئے ہیں
دیکھے ہی اگر کہیں بھری مشک ۔۔۔ کھاتا ہی یہ بکریوں پہ اں رشک
کہتا ہی خوشا نصیب ان کے ۔۔۔ مر کر بھی بھرے ہیں پیٹ جن کے
کاش اپنے گلے پہ بھی چھری ہو ۔۔۔ پر یوں ہی شکم کی تو پُری ہو
جاتا ہی جو نان پُز کے یہ گھر ۔۔۔ وہاں بیٹھے ہی جل تنور گر کر
کھاتا ہے اگرچہ واں یہ بدذات ۔۔۔ آٹے کی طرح سے مکی اور لات
پر چھوڑے ہی روٹی کی یہ کب دھن ۔۔۔ گو نکلے ہے مار سے پلیتھن
ہو آتشِ معدہ دونی برپا ئے ۔۔۔ جوں آگ یہ جتنی لکڑیں کھائے
ہوتا ہے کبھو جو کچھ میسر ۔۔۔ یوں ہوئے ہی اس کو کھاتے مضطر
چاہے ہی کہ وہ ہیں سب نگل جائے ۔۔۔ گو دست و دہان کچھ ہی جل جائے
قد سے بھی غرض کہ کچھ دوبالا ۔۔۔ جوں چیونٹی اٹھائے ہی نوالا
دیکھ اس کا سلوک ہانڈی کے ساتھ ۔۔۔ نت زیرِ زنخ ہی ڈوئی کا ہاتھ

جو علم کیا تھا ان نے تحصیل
سو بھوک میں ہوگیا وہ تحلیل

قائم

۶۹۔ کوتوال بدخصال

شہر میں کیا رہے تھا امن و اماں — کیسی کرتی تھی خلق خوش گزراں
تھا نہ رشوت سے کوتوال کو کام — شہر میں تھا نہ چوٹٹے کا نام
اب جہاں دیکھو واں جھمکا ہے — چور ہے ٹھگ ہے اور اُچکّا ہے
دمڑی کے سودے کو جو واں جاوے — پگڑی کو سر کو پیٹتا آوے
کس طرح شہر کا نہ ہو یہ حال — شیدی فولاد اب جو ہے کوتوال
ان سے رشوت لیے یہ بیٹھا ہے — اس کے دل میں یہ چور بیٹھا ہے
کتنے نوکر ہیں اس کے خدمت گار — فن دزدی میں سب ہیں بانی کار
شہر کے بیچ کیا کہوں میں اب — روز محشر کی دھوم ہے ہر شب
بزم میں شب ہر ایک پیر و جواں — بیٹھے ہیں کر کے رزم کا ساماں
شام سے صبح تک یہی ہے شور — دوڑیو گٹھری لے چلا ہے چور
رات جو اپنے گھر میں کھنکارے — چور دروازہ پر یہ پکارے
ہوگی کب تک بچا خبرداری — چور جاتے رہے کہ اندھیاری
خلق جب دیکھ کر کے یہ بیداد — کرتی ہے کوتوال سے فریاد
بولے ہے وہ کہ میں بھی ناچار — گرم ہے چوٹوں کا اب بازار

کرتے ہیں مجھ سے اب بجا کر ڈھول
میری پگڑی کا میرے سر پہ مول

سودا

خسیس مکھی چوس

ہے خدا کا یہ ایک شمۂ نور — جس سے روشن ہو آسماں کا تنور
کرتے اس لگے نہ ذرّہ دیر — مہر و مہ کو بشکل نان و پنیر
کیا اس نے بعرصۂ اک آن — نقل اختر سے پر سپہر کا خوان
وہ کروروں نعم کو لذت دے — ذائقہ میں زبان انساں کے
کس زباں سے ہو اس کا شکر ادا — نعمتیں کیا کیا ان نے کیں پیدا
میوے ہیں باغ میں زمانے کے — واسطے کھانے اور کھلانے کے

فضل سے اس کے کچھ نہیں ہے کمی
لیک وہ کیا کرے جو ہم ہوں دنی

سنیو یارو کرشمہ ہے یہ اک نقل — جس کو باور کرے نہ ہرگز عقل
اتفاقاً اک آشنا میرے — گئے تھے اک عمدہ کے ڈیرے
جوں ہی وارد ہوئے وہاں ناگاہ — اٹھا چاروں طرف سے ابر سیاہ
ان کے ہوتے جو ابر گھر آیا — صاحب خانہ سخت گھبرایا

نہ خبر پوچھی ان کی نے احوال ‏ ‏ بیٹھتے ہی کیا یہ ان سے سوال
کچھ ہوا پر بھی ہے تمہاری نگاہ ‏ ‏ گھونگری پٹو کچھ بھی ہے ہمراہ
بولے یہ مینھ نہ تھا مجھے معلوم ‏ ‏ ورنہ لاتا میں ساتھ اے مخدوم
جب نہ سمجھا وہ اتنے رمز کتیں ‏ ‏ سوجھی یہ بات اس کے تئیں وو ہیں
جوں لگی ہونے قطرہ افشانی ‏ ‏ لا رکھی اس کے آگے بارانی
پھر لگا کہنے یہ بھی اپنا نصیب ‏ ‏ آوے مدت کے بعد اپنا حبیب
اور مینھ آسمان برساوے ‏ ‏ بھیگتا اپنے گھر کو وہ جاوے
یہ تو سادے غریب کیا جانے ‏ ‏ اس غرور کو کیوں کہ پہچانے
بولا یہ سادگی ہے کیا ہی ضرور ‏ ‏ بھیگتا جاؤں گا میں اتنی دور
رکھے خالق سلامت آپ کی ذات ‏ ‏ نہ کھلے گا تو میں رہوں گا رات
یہ سخن جوں ہی پہنچا اس کے کان ‏ ‏ لگی اس کی وہیں نکلنے جان
سنتے ہی اس کے یوں ہوا مضطر ‏ ‏ اپنے بیگانے کی رہی نہ خبر
جس کے منہ کی طرف کرے تھا نگاہ ‏ ‏ یہی کہتا تھا اس سے بھر کر آہ
کیوں میاں ابر اس قدر چھایا ‏ ‏ حرف رہنے کا درمیاں آیا
مضطرب برق سے نہ ہو یوں حال ‏ ‏ بادلوں سے حواس کا تھا احوال
کبھی کہتا تھا یارو تیل جلاؤ ‏ ‏ کبھی کہتا تھا شمع ڈھونڈو بناؤ
گاہ بولے تھا دیکھیو اوپر ‏ ‏ آوے ہی آسماں کہیں سے نظر

گاہ بولے تھا مہر ہو جو پدید · کیسی ہو جاوے اپنے گھر میں عید
ناگہاں بولا ایک یوں فی الفور · کچھ نظر آئے ہے جو کیجے غور
کہا اس نے یہ سچ ہی ہے مری جان · لے میں تیری زبان کے قربان
لیک پڑنالے جب لگے بہنے · تب تو جھنجلا کے یوں لگا کہنے
کیا برستا ہی یوں بربس کم بخت · گوہ سے ڈوب جائیں لے کے درخت
نہ رہے غرب نے رہے اب شرق · چاہیے ہو تمام عالم غرق
لے کے ماہی سے اوج تا مہتاب · کاش ہو جائے ایک قطرۂ آب
غرض اپنی سی وہ تو کر گزرا · ہو گئی رات اور مینھ نہ کھلا
آخر الامر کر کے دل کو کرخت · لگا کہنے کہ سنگ آمد و سخت
کر چکا اپنے جب اصول و فروع · کیا مہماں سے اختلاط شروع
پر نہ تھا یہ کچھ اور ذکر و سخن · واں بغیر از حدیث زُرْغِبًّا
وقت آیا جب اس کے کھانے کا · مرتکب ہو کے اس بہانے کا
لگا کہنے کہ کوئی ہے حاضر · بولا اس وقت ڈیوڑھی کا ناظر
کہا اس سے کہ بھر کے آفتابہ · محل کے جا ضرور میں رکھوا
غرض اُٹھ کے چلا یہ جب واں سے · کہہ گیا کان میں یہ مہماں سے
چاہو جو کچھ کہ اب تناول کو · کہہ دو بلوا کے تم بکاول کو
اُنہوں نے اس کے موجب ارشاد · کی بکاول کے تئیں وہیں فریاد

آیا بعد از سماعت بسیار — انہوں نے پوچھا کچھ ہے اب تیار
بولا تیار تو نہیں ہے کچھ — جاؤں ڈھونڈھوں اگر کہیں ہے کچھ
تو تو لاؤں ابھی آپ کی خاطر — ورنہ کھاؤ مجھے میں ہوں حاضر
بولے بیچے اگر نہیں تیار — دیکھو ہووے گا مودی بسرکار
اس سے تم جا کے جنس منگواؤ — واسطے میرے کچھ تو پکواؤ
لگا کہنے وہ کوئی مانع ہے — آپ ہی بھڑوا خاک چھانے ہے
جب کہ اس کا حساب ہوتا ہے — جان کو وہ بڑوں کی روتا ہے
اور قصاب بھی جو آوے ہے — چھری بغدا مجھے بتاوے ہے
کیا کہوں تجھ سے میں غرض اے یار — دے کے خدمت کیا ہے مجھ کو خوار
بس کہ مطبخ میں سردی رہتی ہے — ناک باورچیوں کی بہتی ہے
ان کے مطبخ سے دود اٹھے اگر — سقے لے دوڑتے ہیں مشکیں بھر
الغرض مطبخ اس گھرانے کا — اشک ہے آب دار خانے کا

جس سے طوفاں نے کیا تھا ظہور
ان کی نانی کے گھر کا تھا وہ تنور

سودا

۱۷- جھوٹا امیر

آہ کیا ہو گئے وہ لیل و نہار
کہ کہ و مہ کو جھوٹ سے تھا عار

یا اب اک وقت یہ انوٹھا ہے
جو ہے اس وقت میں سو جھوٹا ہے

سیّما اس گروہ کا سردار
جس کی مانخن فیسر ہے تکرار

جھوٹ سے بس کہ ہے مزہ پاتا
جھوٹے باسن نہیں یہ دھلواتا

ہے یہ وہ جھوٹ بولنے والا
جھوٹوں کا سب جہاں کے ہو سالا

اک مصاحب سے اس کے دوشینہ
پوچھا میں کاے محب دیرینہ

کچھ میں سمجھا نہ اس سخن کو ہنوز
جھوٹ کیوں بولتا ہے یہ شب و روز

مجھ سے اس نے کئے ہیں جو اقرار
سینکڑوں ہی ہیں کیجیے جو شمار

لیک ہے یہ زبان کا کچّا
ایک دیکھا نہ اس سے میں سچّا

بولا کہتا ہے بات تو کس کی
بولنا جھوٹ ارث ہے اس کی

باپ اس کا جو تھا بڑا نواب
تھا وہ نسلِ مسیلمِ کذّاب

کل ہی زیور جو اس کا ٹوٹا تھا
خوب دیکھا تو سب وہ جھوٹا تھا

روپئے کے جو عصا رکھے ہیں غلام
خول کا ان پہ سب ہے جھوٹا کام

کفش زر دوزی پہرے ہے یہ اگر
ہے وہ جھوٹا کلابتوں یکسر

ایسے جھوٹے کی باتوں پر تو نہ جا
ہو جو رخصت ہی یہاں سے تو ہی بچا

قائمؔ

۲۷۔ مُسرف مقروض

پھر رہے ہیں اب تو گلیں جھانکتے ۔۔۔ دل ہے سینہ میں نہایت بیقرار
بات بھی کوئی نہیں اب پوچھتا ۔۔۔ چند دن پہلے جمے رہتے تھے یار
دوستوں کو روز دیتے تھے ڈنر ۔۔۔ وعدے ہوتے تھے پئے سیر و شکار
جھمگٹے باغوں میں تھے احباب کے ۔۔۔ ناچ گانے ہیں کٹے لیل و نہار
تھاپ طبلے پر پڑا کرتی تھی روز ۔۔۔ قصر میں ہر روز بجتا تھا ستار
ہارمونیم، ارغنوں، فونوگراف ۔۔۔ دل کے بہلانے کے تھے سامان ہزار
تھی بٹیروں کی کہیں پالی جمی ۔۔۔ جنگجو مُرغوں کی تھی اک سو قطار
روز اڑاتے تھے کبوتر شام کو ۔۔۔ تھے کبوتر باز نوکر بے شمار
بچپنے سے تھا جو کنکوے کا ذوق ۔۔۔ بے بدے میداں نہ آتا تھا قرار
گھر کی دولت اور اثاثہ پھونک کر ۔۔۔ رہ گیا تھا قرض ہی پر بس مدار
تھا نہ لینے کے سوا دینے کا نام ۔۔۔ اک خزانۂ غیب کا سمجھے ادھار
شاپ والوں نے بھی دعوے کر دیئے ۔۔۔ قرقیاں آنے لگیں انجام کار

تھی جو مرہونہ بکی وہ جائداد — پھر قرضہ رہ گیا ہے بے شمار
کون ہی ڈھارس جو دے اس وقت میں — قرض خواہوں کا ہی نرغہ بے شمار
روزِ بد آخر دکھایا قرض نے
قعرِ ذلت میں گرایا قرض نے

یاور

۲۷۔ نیم حکیم

صدر کے بازار میں ہی اک دبنگ — عارِ اطبّا وطبابت کا ننگ
مملکت ہند میں اب گھر بہ گھر — ہی ملک الموت سے مشہور تر
ننگ و دہن اس کا ہے بدبو و قیر — جیسے کہ جلاب کا دست اخیر
صاحبِ ہیچش کو بتایا کٹول — واسطے ہیضہ کے لکھا اسپغول
لکھ دیا مجنوں کو شیر شتر — کہہ دیا مستسقی کو جا فصد کر
پوچھا جو اُن سے تو غذا کیا کہی — ساتھ گلقنّد کے کہا کھا دہی
یہ کہا اس کو جسے تھی آتشک
موضعِ مخصوص پہ چھڑکو نمک

سودا

۴۷ـ بھنگ نوش

تھے اک بھنگی لیکن نو آموز سے
کچھ افراط اُنہوں نے کی ہر روز سے

کہیں جس جگہ پر یہ بیٹھے تھے وہاں
تحائف کا ہر صنف کے تھا بیاں

جو کھجلوں کا آیا بنارس کے ذکر
لگے کہنے یہ کر کے دل بیچ فکر

کہ کھجلے یہ کس شکل سے کھائیے
مگر کوٹّے بنئے اور اُڑ جائیے

چلے یاں سے اُڑتے یہ اس لہر میں
گئے بار کوٹّے ہو اس شہر میں

اُتر کر انہوں نے زردئے ہوا
لیا وہاں جو ہیں مُنہ میں کھجلا اُٹھا

کی حلوائی نے ان پہ جیسے کہ چوٹ
یہ قیں دینے کر ہو گئے لوٹ پوٹ

زبس زار و مجروح پایا اُنہیں
احبّل نے مل کر اُٹھایا اُنہیں

یہ گودی میں تھے دوستوں کی نڈھال
کرے تھا ہر اک ان سے تفتیش حال

یہ ثابت ہوا بعد چندیں درنگ
کہ آج آپ نے پی تھی تھوڑی سی بھنگ

جو رکھتا ہے کچھ جی تو عقل و حواس
تو مت ہو گدھا کھا کے ہر ایک گھانس

قائم

۷۵۔ حجّام نافرجام

اب جو حجّام اپنے ساتھ ہی یہاں
سو یہ بھڑوا پلشت گندہ وہاں

سر تراشی کو جس کسی کی یہ آئے
استرا سر پہ اس طرح سے چلائے

درد کے مارے ہووے یہ احوال
یکّے پھوڑے سے جیسے نوچئے بال

غرض اک دن تھی میری کمبختی
جائے کیدھر نصیب کی سختی

ساتھیوں سے کہا میں اپنے تمام
لائیں اصلاح کو میرے حجّام

جوں ہی کوئی اسے بلا لایا
لوگ بولے کہ ہائے وہ آیا

جب گلو بند اس نے باندھ دیا
پھر تو گویا گلے میں پھاندا دیا

رو کے دم بولتا تھا ہچر ہوں
جیسے ڈمری کے لڑکے کی چوں چوں

اک گلے پر تھا ایک سر پہ ہاتھ
ہو کے مضطر کہے تھا اس کے میں ساتھ

ہوئی استاد شرط ہم تم میں
بس کر اس اگلے اب جنم میں

گو مرے یا جیے کوئی کچھ ہو
کام سے اپنے کام تھا اس کو

آئے ہاتھوں جو ان نے سر کو لیا
سرنوشت ازل کو میٹ دیا

زخموں کی زیادتی جو تن پہ ہوئی
ہر جگہ پر چپیکی ان نے روئی

بس کہ تن پر ہوا روئی کا وفور
ہولی کا تھا یہ روسیاہ لنگور

فصد جانے کا جب لگا کرنے
حق خدمت طلب لگا کرنے

میں نفر سے کہا جو ہے معتاد | دے وہی چار پیسے کم نہ زیاد
بولا بس یہ بھی مسخری ہی ہوئی | اس سے دونے کی تو لگی ہی رہی
خوب اک شخص سے لیا نہ لیا | مفت ہی ایک سر میں مونڈ دیا
میں جو دیکھا بگاڑ کا اسلوب | جی میں سوچا کہ ہے مصالحہ خوب

چوں توں راضی کیا میں اس کے تئیں
کہ ٹلے سر سے یہ بلا تو کہیں

قائم

۷۶۔ مفلسی کے احوال

جب آدمی کے حال پہ آتی ہے مفلسی | کس کس طرح سے اس کو ستاتی ہے مفلسی
پیاسا تمام روز بٹھاتی ہے مفلسی | بھوکا تمام رات سلاتی ہے مفلسی
یہ دکھ وہ جانے جس پہ کہ آتی ہے مفلسی

کہئے تو اب حکیم کی سب سے بڑی ہے شان | تعظیم جس کی کرتے ہیں نواب اور خان
مفلس ہوئے تو حضرت لقماں کیا ہیں یاں | عیسیٰ بھی ہو تو کوئی نہیں پوچھتا میاں
حکمت حکیم کی بھی ڈباتی ہے مفلسی

جو اہل فضل عالم و فاضل کہاتے ہیں | مفلس ہوئے تو کلمہ تلک بھول جاتے ہیں

پوچھے کوئی الف تو اسے بے بتاتے ہیں — وہ جو غریب غربا کے لڑکے پڑھاتے ہیں
ان کی تو عمر بھر نہیں جاتی ہے مفلسی

مفلس کرے جو آن کے مجلس کے بیچ حال — سب جانیں روٹیوں کا یہ ڈالا ہی اس نے جال
گر گر پڑے تو کوئی نہ لیوے اسے سنبھال — مفلس میں ہوویں لاکھ اگر فضل اور کمال
سب خاک بیچ آ کے ملاتی ہے مفلسی

جب روٹیوں کے بٹنے کا آ کر پڑے شمار — مفلس کو دیویں ایک تونگر کو چار چار
گر اور مانگے وہ تو اسے جھڑکیں بار بار — اس مفلسی کا آہ بیاں کیا کروں میں یار
مفلس کو اس جگہ بھی چباتی ہی مفلسی

مفلس کی کچھ نظر نہیں رہتی ہے آن پر — دیتا ہے اپنی جان وہ ایک ایک نان پر
ہر آن ٹوٹ پڑتا ہے روٹی کے خوان پر — جس طرح کتے لڑتے ہیں اک استخوان پر
ویسا ہی مفلسوں کو لڑاتی ہی مفلسی

کرتا نہیں حیا سے جو کوئی وہ کام آہ — مفلس کرے ہی اس کے تئیں انصرام آہ
سمجھے نہ کچھ حلال نہ جانے حرام آہ — کہتے ہیں جس کو شرم و حیا ننگ و نام آہ
وہ سب حیا و شرم اٹھاتی ہی مفلسی

یہ مفلسی وہ شے ہی کہ جس گھر میں بھر گئی — پھر جتنے گھر میں بہت تھی اسی گھر کی در گئی
زن بچے روتے ہیں گویا نانی گزر گئی — ہمسائے پوچھتے ہیں کہ کیا دادی مر گئی
بن مردے گھر میں شور مچاتی ہے مفلسی

لازم ہے گر غمی میں کوئی شور غل مچائے　　مفلس بغیر غم کے ہی کرتا ہے ہائے ہائے
مر جائے گر کوئی تو کہاں سے اسے اٹھائے　　اس مفلسی کی خواریاں کیا کیا کہوں میں ہائے
مردے کو بن کفن کے گڑاتی ہے مفلسی

کیا کیا میں مفلسی کی کہوں خواری پھکڑیاں　　جھاڑو بغیر گھر میں بکھرتی ہیں جھکڑیاں
کونوں میں جالے لپٹے ہیں چھپر میں مکڑیاں　　پیدا نہ ہوویں جن کے جلانے کو لکڑیاں
دریا میں ان کے مردے بہاتی ہے مفلسی

بی بی کی نتھ نہ لڑکوں کے ہاتھوں کڑے رہے　　کپڑے میاں کے بنئے کے گھر میں پڑے رہے
جب کڑیاں بک گئیں تو کھنڈر میں اڑے رہے　　زنجیر نے کواڑ نہ پتھر گڑے رہے
آخر کو اینٹ اینٹ کھداتی ہے مفلسی

جب مفلسی سے ہووے کلاونت کا دل اداس　　پھرتا ہے لے طنبورے کو ہر گھر کے آس پاس
اک پاؤ سیر آٹے کی دل میں لگائے آس　　گوری کا وقت ہووے تو گاتا ہے وہ بیاس
یاں تک حواس اس کے اڑاتی ہے مفلسی

مفلس جو بیاہ بیٹی کا کرتا ہے بول بول　　پیسا کہاں جو جا کے وہ لائے جہیز مول
جورو کا وہ گلا ہے کہ پھوٹا ہو جیسے ڈھول　　گھر کی حلال خوری تلک کرتی ہے ٹھٹھول
ہیبت تمام اس کی اٹھاتی ہے مفلسی

بیٹے کا بیاہ ہو تو نہ بھائی نہ ساتھی ہے　　نے روشنی نہ باجے کی آواز آتی ہے

ماں پیچھے ایک میلی چیدر اوڑھے جاتی ہے
بیٹا بنا ہے دولھا تو باوا براتی ہے
مفلس کی یہ برات چڑھاتی ہے مفلسی

چولھے توا نہ پانی کے مٹکے میں آبی ہے
پینے کو کچھ نہ کھانے کو اور نے رکابی ہے
مفلس کے ساتھ سب کے تئیں بے حجابی ہے
مفلس کی جورو سچ ہے کہ یاں سب کی بھابی ہے
عزت سب اس کے دل کی گنواتی ہے مفلسی

کیسا ہی آدمی ہو پر افلاس کے طفیل
کوئی گدھا کہے اُسے ٹھہراوے کوئی بیل
کپڑے پھٹے تمام بڑھے بال پھیل پھیل
منہ خشک دانت زرد بدن پر جمے ہے میل
سب شکل قیدیوں کی بناتی ہے مفلسی

جب مفلسی ہوئی تو شرافت کہاں رہی
وہ قدر ذات کی وہ نجابت کہاں رہی
کپڑے پھٹے تو لوگوں میں عزت کہاں رہی
تعظیم اور تواضع کی بابت کہاں رہی
مجلس کی جوتیوں پہ بٹھاتی ہے مفلسی

رکھتی نہیں کسی کی یہ غیرت کی آن کو
سب خاک میں ملاتی ہے حرمت کی شان کو
سو محنتوں میں اس کی کھپاتی ہے جان کو
چوری پہ آکے ڈالے ہے مفلس کے دھیان کو
آخر ندان بھیک منگاتی ہے مفلسی

دنیا میں لے کے شاہ سے اے یارو تا فقیر
خالق نہ مفلسی میں کسی کو کرے اسیر
اشراف کو بناتی ہے اک آن میں حقیر
کیا کیا میں مفلسی کی خرابی کہوں نظیرؔ
وہ جانے جس کے دل کو جلاتی ہے مفلسی

نظیرؔ

۷۷. جاہل ماں

عروسی کی محمد میرزا نے — دیا اک چاند سا بیٹا خدا نے
محمد میرزا ہی صاحبِ جاہ — بڑھایا تھا جنہیں بخت رسا نے
بڑا معروف تھا ان کا گھرانا — بہت کم ہوتے ہیں ایسے گھرانے
امارت ان کی تھی مشہور عالم — تجارت کے تھے کارخانے
سب اچھا تھا مگر بیوی تھی جاہل — وہ کیا جانے کسی کے گھر بنانے
ہوئی فرزند ہونے کی وہ شادی — بجے گھر میں کئی دن شادیانے
ادھر اٹھا مبارک باد کا غل — ادھر مطرب لگے گانے بجانے
جگر ٹھنڈا ہوا محفل ہوئی گرم — کھنچے تنبو قنات اور شامیانے
کھلے توڑوں کے منہ فرطِ خوشی سے — لگے خوش ہو کے سب دولت لٹانے
کئی دن تک رہا شادی کا عالم — مگر کچھ دن میں رُخ بدلا ہوا نے
یکایک اُڑ گئی دولت وہاں کی — دکھائی ذات اپنی بے وفا نے
غنی سے ہو گئے محتاج مرزا — گئے باہر کہیں کھانے کمانے
اکیلی رہ گئی وہ نامبارک — لگی اپنے چلن سے گھر چلانے
کبھی کاجل کبھی تیل اور اُبٹنا — لگی بچے کو آئے دن لگانے
نہ سمجھا فائدہ نقصان اپنا — لگی ہر چیز بچے کو کھلانے

بڑھی بچے کی جب بے اعتدالی
خلل بھی پھر لگا صحت میں آنے

کھلائیں اس کو چیزیں ناموافق
نکل آئے بدن میں اس کے دانے

پڑا بیمار بچہ ماں کے ہاتھوں
بخار اس کو لگا شدت سے آنے

دوا پرہیز سے بچتا وہ بچا
مگر مارا اسے اس ناسزا نے

جہالت کا برا ہو وہ محبت
عداوت تھی محبت کے بہانے

دوا اور سن کو لوگوں کی کہا جب
لگی ناداں ناک اور بھوں چڑھانے

سنایا نام جس نے ڈاکٹر کا
چلی وہ گالیاں اس کو سنانے

لگی کہنے یہ کوئی اور شے ہے
نگوڑا اڈا انگڈر کیا اس کو جانے

مرا نتھا کہیں نظرا گیا ہے
اسے صورت ہی دی ایسی خدا نے

پڑوسن اس کی تھی اک اور بے عقل
ملائی ہاں میں ہاں خوب اس دوانے

بلائیں گھنٹیاں بے سمجھے بوجھے
لگیں پھر منتیں دونوں منانے

مزاروں پر لونگی چل کے آنکھیں
چلوں گی قبر پر چادر چڑھانے

گنی. سیاں. نالائق نجومی
سب آئے قسمتیں اپنی لڑانے

منگائے مولوی ملّا سے جنتر
بلائے وہیں کے عامل سیانے

کبھی جب شاہ جی مسجد میں آئے
چلی خود پھونک بچے پر دلانے

کئی تعویز سید سے منگائے
وہ سید جس نے دیکھے تھے زمانے

خدا کا نام تھا معمول ان میں
جنہیں وہ سمجھتی تھی آنے آنے

کسی سے کوئی حکمت بن نہ آئی — ہوئے مایوس سب اپنے بگانے
ہوا آرام بیٹے کو نہ زنہار — گئی محنت نہ اماں کی ٹھکانے
کوئی اس بات کی تہ کو نہ پہنچا — یہ کیا اسرار تھا اللہ جانے
شکم کا عارضہ تھا بے زباں کو — مگر ماں نے نہ یہ بات اس کو نہ جانے
دوا کا نام جو لیتا تھا کوئی — اسی کو دوڑتی تھی کاٹ کھانے
جہالت کی بلا کیونکر دکھاؤں — لگی نادان والی اپنی گلانے
زمانہ لاکھ سمجھاتا تھا اس کو — مگر اس کی جہالت کس کو مانے
"مرا بچہ مرا جاتا ہے لوگو — چلے پر اور تم آئے جلانے"
کھڑا رہنے نہ دوں گی ڈاکٹر کو — یہی ٹھانی تھی اپنے دل میں ٹھانے
خبر گیری نہ اس کی ہو سکی جب — خبر لی آ کے بچے کی قضا نے
وہ بچہ پس گیا نادانیوں سے — لگی ماں پیٹنے اور خاک اڑانے
سنا یہ حال جب تو فرط غم سے — کہا چلا کے اک مرد خدا نے
جو چاہو خیر لڑکوں کی تو پہلے — بٹھاؤ لڑکیاں اپنی پڑھانے
کھلی ہے نیند کچھ فضل خدا سے — کچھ اب بدلی ہے کروٹ انڈیا نے

غضب تھا یہ جہالت کا نتیجہ
ستم ہے جان لی بچے کی ماں نے

طالب بنارسی

۷۸۔ عیدگاہ اکبرآباد

ہے دھوم آج مدرسہ و خانقاہ میں
تلتے بندھے ہیں مسجد جامع کی راہ میں
گلشن سے کھل رہی ہیں ہر اک کج کلاہ میں
سو سو چمن جھمکتے ہیں اک اک نگاہ میں
کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عید گاہ میں

جھمکا ہے ہر طرف کو جو آباد لازری
پوشاک میں جھمکتے ہیں سب تن زری زری
گلرو چمکتے پھرتے ہیں جوں ماہ و مشتری
ہے سب کے عید۔ عید کی دل میں خوشی بھری
کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عید گاہ میں

آتے ہیں گھر سے اپنے جو بن بن کے کج کلاہ
صحن چمن ہی بنتا ہے سب صحن عید گاہ
چھاتی سے لپٹے جاتے ہیں ہنس ہنس کے خواہ مخواہ
دل باغ سب کے ہوتے ہیں فرحت سے واہ واہ
کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عید گاہ میں

کچھ بھیڑ سی ہے بھیڑ کہ بے حد و بے شمار
خلقت کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ ہیں بندھے ہر طرف ہزار
ہاتھی گھوڑے بیل و رتھ و اونٹ کی قطار
غل شور بلبلے بھونپو کھلونوں کی ہے پکار
کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عید گاہ میں

پہنے پھرے ہیں شوخ کڑے اور ہنسلیاں
پھولوں کی پگڑیوں میں لٹک شاخیں اڑسیں لمبیاں
کمریں سبھوں نے ملنے کی خاطر ہیں کسلیاں
ملتے ہیں یوں کہ چھاتی کی کڑکے ہیں پسلیاں
کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عید گاہ میں

آتے ہیں ملتے ملتے جو عاجز پری رخاں | دیتے ہیں ملنے والوں کو گھبرا کے گالیاں
کھُبی لپٹے جاتے ہیں جوں گڑ پہ مکھیاں | دامن کے ٹکڑے ساٹتے ہیں پھٹتی ہیں چولیاں

کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عیدگاہ میں

ہیں ملتے ملتے تن جو پسینوں میں تر بتر | ملنے کے ڈر سے پھرتے ہیں چھپتے ادھر ادھر
چھپتے پھرے ہیں لوگ کہیں جاتے ہیں وہ جدھر | ٹھٹھا ہنسی و سیر تماشے جدھر تدھر

کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عید گاہ میں

ہیں کرتے وصل شہر کے سب خورد و کبیر | ادنیٰ غریب امیر سے لے شاہ تا وزیر
ہر دم گلے لپٹ کے مرے یار دل پذیر | ہنس ہنس کے مجھ سے کہتا ہے یوں کیوں میاں نظیر

کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عید گاہ میں

نظیر

۷۹۔ عید الفطر

ہے عابدوں کو طاعت و تجرید کی خوشی | اور زاہدوں کو زہد کی تمہید کی خوشی
رندِ عاشقوں کو ہے کئی اُمید کی خوشی | کچھ دلبروں کے وصل کی کچھ دید کی خوشی

ایسی نہ شب برات نہ بقرید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اس عید کی خوشی

روزے کی خشکیوں سے جو ہیں زرد رو گال | خوش ہو گئے وہ دیکھتے ہی عید کا ہلال

پوشاکیں اُن میں زرد سنہری سفید لال   دل کیا کہ ہنس رہا ہے پڑا تن کا بال بال

ایسی نہ شب برات نہ بقرید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اس عید کی خوشی

پچھلے پہر سے اُٹھ کے نہانے کی دھوم ہے   شیر و شکر سویاں پکانے کی دھوم ہے
پیر و جواں کو نعمتیں کھانے کی دھوم ہے   لڑکوں کو عید گاہ کے جانے کی دھوم ہے

ایسی نہ شب برات نہ بقرید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اس عید کی خوشی

محبوب دلبروں سے ہے جن کی لگی لگن   ان کے گلے سے آن لگا ہے جو گلبدن
سو سو طرح کے چاؤ سے مل مل کے تن سے تن   کہتے ہیں تم کو عید مبارک ہو جانِ من

ایسی نہ شب برات نہ بقرید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اس عید کی خوشی

کیا ہی معانقے کی مچی ہے الٹ پلٹ   ملتے ہیں دوڑ دوڑ کے باہم جھپٹ جھپٹ
پھرتے ہیں دلبروں کے بھی گلیوں میں غٹ کے غٹ   عاشق مزے اُڑاتے ہیں ہر دم لپٹ لپٹ

ایسی نہ شب برات نہ بقرید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اس عید کی خوشی

روزے کی سختیوں میں نہ ہوتی اگر اسیر   تو ایسی عید کی نہ خوشی ہوتی دل پذیر
سب شاد ہیں گدا سے لگا شاہ تا وزیر   دیکھا جو ہم نے خوب تو سچ ہے میاں نظیر

ایسی نہ شب برات نہ بقرعید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اس عید کی خوشی

نظیر

۸۰۔ عیدالفطر میں گڑبڑ

اب کے رویت میں آگیا ہے خلل — رمضان ایک اور عید ڈبل
یعنی اُنتیس تیس ۳۰ تھا اُنتیس ۲۹ — کیا تواریخ میں پڑا ہے بل
آج جکھی کس نے افطاری — کوئی روزہ ہی کو گیا ہے نگل
دی کسی نے شہادت کامل — کوئی سمجھا اسے کرے یہ زٹل
نو بجے دن کے بج گیا ڈھولنا — روزہ داروں میں پڑ گئی ہلچل
خشکیِ روزہ شدتِ گرمی — کر رہی ہے دماغ کو مختل
آج برپا ہے عام جوش و خروش — ہوئی آپس میں خوب رد و بدل
جا پڑا دیو بند میں پہلے — چاند کا جس گیا تھا پاؤں پھسل
ایک دن تک وہیں رہا ناچار — سب کی آنکھوں سے ہو گیا اوجھل
ہیں جھگڑا کہیں لڑائی ہے — ایک کو غصہ ایک کو جھنجھل
کوئی سمجھا رہا ہے ملا جی — کس لیے کر رہے ہو جنگ و جدل
تو آناوہ میں چھپ گیا فتویٰ — علما کا نہیں ہے اس پہ عمل

بست و ہفتم کو چاند دیکھ لیا — خود مخالف تھی شہادت اوّل
دیکھ کر اختلاف دُنیا کا — یاد آئی مجھ کو ایک مثل
"کونسی ہے مجھے بتا تو سہی — اونٹ رے اونٹ تیری سیدھی کل"
چاند کے اختلاف نے اب کے
میری عید کو کر دیا مہمل

اسمٰعیل

۸۱۔ شب برات کا حلوا

مُلّا جو دیتے فاتحہ گھر گھر میں جاتے ہیں — حلوا کہیں کہیں وہ چپاتی اڑاتے ہیں
مفلس کوئی بلا دے تو منہ کو چھپاتے ہیں — شکر کا حلوا سنتے ہی بس دوڑے جاتے ہیں
کہتے ہوئے یہ دل میں اہاہا ری شب برات

دنیا کی دولتوں میں جو زردار ہیں بڑے — قندوں کے حلوے روغنی نانیں لئے کھڑے
پہونچاتے خوان پھرتے ہیں نوکر کئی پڑے — زندے ہی رہ تکتے ہیں مردے بھی ہیں کھڑے
ان خوبیوں کی رکھتی ہے طیاری شب برات

ٹھلیا چپاتی حلوے کی تو سب یہ چال ہے — ادنیٰ غریب کے تئیں یہ بھی محال ہے
کالے سے گڑ کی لپٹی کڑھی کی مثال ہے — پانی کی ہانڈی گیہوں کی روٹی بھی لال ہے
کرتی ہے آئی دکھیا پسنہاری شب برات

نظیرؔ

۸۲۔ شب برات کی آتشبازی

چھوڑی لٹو تو نہ رہی ہر دم بنا کے جو ۔۔۔ عالم کا پیادہ کتنا ہی یوں ان سے تلخ ہو
کپڑے بدن بچا کے جو چاہو سو چھوڑ دو ۔۔۔ چھچھوندر جلاؤ گے تو وہ لا دے گی جسم کو
تم سے چبوترے میں گنہگاری شب برات

کھنچکر اپنی دم میں کہیں چرخ کھاتے ہیں ۔۔۔ لوٹنے ہوائی سنگ کہیں تھتھاتے ہیں
زنبیٹ زیت پٹاخے کہیں غل مچاتے ہیں ۔۔۔ لڑکوں کے غول باندھ کہیں لڑنے جاتے ہیں
کرتی ہے پھر تو ایسی دھواندھاری شب برات

آ کر کسی کے سر پہ چھچھوندر لگی کڑی ۔۔۔ اوپر سے اور ہوائی کی آ کر پڑی چھڑی
ہو گی گلے کا ہار پٹاخے کی ہر لڑی ۔۔۔ پاؤں سے نبیتی شور مچا کر قلم نڑی
کرتی ہے پھر تو ایسی ستمگاری شب برات

چہرہ کسی کا جل گیا آنکھیں جھلس گئیں ۔۔۔ چھاتی کسی کی جل گئی بانہیں جھلس گئیں
ٹانگیں بھیں کسی کی تو رانیں جھلس گئیں ۔۔۔ مونچھیں کسی کی پھک گئیں پلکیں جھلس گئیں
رکھے کسی کی داڑھی پہ چنگاری شب برات

کوئی دوستوں کو دل میں سمجھتا ہے اپنے غیر ۔۔۔ کوئی دشمنوں سے دل کا نکالے ہے اپنا بیر
کہتا ہے واں نظیر بھی آتش کی دیکھ سیر ۔۔۔ یارب تو سب کی کیجیو برسا برس کی خیر
بے طرح کر رہی ہے نمودار شب برات ۔۔۔ نظیر

٨٣ ۔ برسات کی شب برات

بگڑی ہی کیا انار پٹاخوں کی اب کے بات
ساون میں اتفاق سے آئی شب برات

بارود ہے خراب پٹاخے ہیں پھسپھسے
کمزور ہیں انار چھچھوندر ہے واہیات

مہتاب میں مزا ہے نہ کچھ پھلجھڑی میں لطف
پیسے ہمارے مفت گئے یونہی آٹھ سات

پیسے گئے فضول تو خیر اس کا غم نہیں
ہے سال بھر کے کھیل کی گویا یہی زکواۃ

پاتا ہے اس جہان میں کچھ کھو کے آدمی
آئندہ ایسے کھیل پہ ماریں گے ہم بھی لات

بس چھوڑ کھیل کود کہ حلوا ہے گرم گرم
شامل ہے جس میں ذائقۂ قند اور نبات

شیریں ہے خوش قوام ہے چٹ کیجئے اسے
حلوہ کی چاشنی سے ہے مصری بھی آج مات

بدعت کہو گناہ کہو یا چھچھور پن
اچھا نہیں سمجھتا اسے زمرۂ ثقات

بچوں کے واسطے ہے خور و نوش کھیل کود
اصحاب اتقا کے لئے صوم اور صلوٰۃ

جاگیں گے آج اہل عبادت تمام رات
درگاہ کبریا سے کریں گے طلب نجات

اسمٰعیل

۸۴۔ حضرت سلیم چشتی کا عرس

ہے یہ مجمع نکو سرشتی کا	ذکر کیا یاں گنہ کی زشتی کا
بحر ہے عارفوں کی کشتی کا	فخر ہے حرف سرنوشتی کا

رشک ہے گلشنِ بہشتی کا
عرس حضرت سلیم چشتی کا

باغ جنت ہے آج یہ درگاہ	پھول پھولے ہیں فیض کے دلخواہ
دیکھ رضوان بہاریاں کی واہ	دل میں کہتا ہی دمبدم واللہ

رشک ہے گلشن بہشتی کا
عرس حضرت سلیم چشتی کا

یہ تجلی نہ سیم و زر سے ہے	ابر رحمت کا لوز بر سے ہے
حور و غلماں کی روح تن میں ہی	اور اشارہ یہی نظر سے ہے

رشک ہے گلشن بہشتی کا
عرس حضرت سلیم چشتی کا

صحن درگہ ہے باغ اور بستاں	اور یہیں زوار سب گل و ریحاں
جی میں سب کے ہے پھول جھوں شاداں	یہی کہتے ہیں ہر گھڑی ہر آں

رشک ہے گلشنِ بہشتی کا
عُرس حضرت سلیم چشتی کا

بسکہ خلقت بھری ہی لالوں لال ۔ گھر مکاں ہی گلوں سی مالا مال
حسن راگ اور مشائخوں کی حال ۔ بھیڑ غل شور اور یہ قیل مقال
رشک ہے گلشنِ بہشتی کا
عُرس حضرت سلیم چشتی کا

کھل رہا ہی چمن جو فیض بھرا ۔ جھرنا گویا ہے حوضِ کوثر کا
قدسیاں دیکھ وہ بہشت سرا ۔ سب پکاریں ہیں یوں آہا ہاہا
رشک ہے گلشنِ بہشتی کا
عُرس حضرت سلیم چشتی کا

کتنے درگہ میں فیض اٹھاتے ہیں ۔ کتنے جھرنے میں جا نہاتے ہیں
کتنے نظروتیاز لاتے ہیں ۔ کتنے خوش ہو یہی سناتے ہیں
رشک ہے گلشنِ بہشتی کا
عُرس حضرت سلیم چشتی کا

ہے بہم دور دور کا عالم ۔ سبز سرخ و سفید وزرد بہم
سب خوشی ہو کے جوں گل شبنم ۔ دیکھ مہریں یہ کہتے ہیں ہردم

رشک ہے گلشن بہشتی کا
عرس حضرت سلیم چشتی کا

بھیڑ انبوہ خلق کی تکثیر
بادشاہ و گدا و میر و وزیر
طفل و پیر و جوان غریب و فقیر
پر سبھوں کی زباں پہ یہ تقریر

رشک ہے گلشن بہشتی کا
عرس حضرت سلیم چشتی کا

نظیر

۵۰۔ کرشن جی کی بانسری

جب مرلی دھر نے مرلی کو اپنی ادھر دھری
کیا کیا پریم پریت بھری اس میں دھن بھری
لے اس میں رادھے رادھے کی ہر دم بھری کھری
لہرائی دھن جو اس کی ادھر اور ادھر ذری
سب سننے والے کہہ اٹھے جے جے ہری ہری
ایسی بجائی کشن کنہیا نے بانسری

جس آن کانھ جی کو وہ منظور بھاؤنی
جس کان میں وہ آوتی واں سدھ بھلاوتی

ہرمن کی ہو کے ہوجتی اور چھپ لبھائی
نکلی جہاں دھن اس کی وہ میٹھی سہاؤنی

سب سننے والے کہہ اُٹھے جے ہری ہری
ایسی بجائی کشن کنہیا نے بانسری

گوالوں میں نندلال بجاتے وہ جس گھڑی
گوئیں دھن اُس کی سننے کو رہجاتیں سب کھڑی

گلیوں میں جب بجاتے تو وہ اس کی دھن بڑی
لے لے کے اپنی لہر جہاں کان میں پڑی

سب سننے والے کہہ اُٹھے جے جے ہری ہری
ایسی بجائی کشن کنہیا نے بانسری

بنسی کو مرلی دھر جی بجانے لگے جدھر
پھیلی دھن اس کی زور ہر اک دل پہ کر اثر

سنتے ہی اس کی دھن کی حلاوت ادھر اُدھر
منہ چنگ اور نے کی دھنیں دل سے بھول کر

سب سننے والے کہہ اُٹھے جے جے ہری ہری
ایسی بجائی کشن کنہیا نے بانسری

بن میں اگر بجاتے تو وان بھی یہ اُس کی چاہ
کرتی دھن اُس کی پنچھی پسو ہی کے دل میں راہ
بستی میں جو بجاتے تو کیا شام کیا پگاہ
پڑتے ہی دھن وہ کان میں بھاری ہو کے راہ

سب سننے والے کہہ اٹھے جے جے ہری ہری
ایسی بجائی کرشن کنہیا نے بانسری

کتنے تو اس کی دھن کے لئے رہتے بے قرار
کتنے لگائے کان ادھر رکھتے بار بار
کتنے کھڑے ہو راہ میں کر رہتے انتظار
آئے جدھر بجاتے ہوئے شیام جی مرار

سب سننے والے کہہ اُٹھے جے جے ہری ہری
ایسی بجائی کرشن کنہیا نے بانسری

نظیر

۸۶۔ آنند بدھاوا

تھی کونے کونے خوشوقتی اور طبلے تال کھٹکتے تھے
کوئی ناچ رہی کوئی کود رہی کوئی ہنس ہنس کے کچھ روپ سجے
ہر چار طرف آنندیں تھیں واں گھر میں نند جسودا کے
کچھ آنگن بیچ براجے تھیں کوئی بیٹھی کوٹھے اور چھجے
سو خوبی اور خوش حالی سے دکھلاتی تھیں سامان کھڑی
سچ بات ہے بالک ہونے کی ہی دنیا میں آنند بڑی
پھر اور خوشی کی بات ہوئی جب ریت ہوئی دو کاندوں کی
رکھوائی دودھ کی مٹکی بھر اور ڈالی ہلدی بہتیری
یہ اس پہ پھینکے بھر بھر کر وہ اس پر ڈالے گھڑی گھڑی
کوئی یوں چھینٹے تکھ اور باہن کو کوئی سگری بھیگی اور نتھری
اس دودھ کی بھی رنگ رلیوں میں روپ اور ہوا ہزاری کا
اور تن کے ابرن یوں بھیگے جو رنگ ہو کیسر کیاری کا
شکھ منڈل میں یہ دھوم مچی اور باہر نیگی جوگی بھی
کچھ ناچیں بھانڈ بھگتیے بھی کچھ ہیجڑے پاویں بیل پڑی

آنند بدھاوے باج رہے نرسنگے برنا اور ترئی
رنگین سنہرے پالنے بھی لے ہاتھ کھڑے کتنے برتی
ہر آن اچھلتے تھے مانک کیا گنتی سونے روپے کی
نند اور جسودا نے ایسی کی شادی بالک ہونے کی
جو نیگی جوگی تھے ان کو اس آن نپٹ خوش حال کیا
پھر آئے بانگے ریشم کے اور زر بھی بخشا بہتیرا
اور جتنے ناچنے والے تھے اسباب انہیں بھی خوب دیا
مہمان جو گھر میں آئے تھے سب ان کا بھی ارمان رکھا
دن رات چھٹی کے ہونے تک من خوش کیا لوگ لگائی کا
بھر تھال روپے اور مہریں دیں جب نیگ چکایا دائی کا
نند اور جسودا بالک کو واں ہاتھوں چھاؤں میں تھے رکھتے
نت پیار کریں من واریں ستھری ابرن گہنے بنکے
جی بہلاتے من پرچاتے اور خوب کھلونے منگواتے
ہر آن جھلاتے پلنے میں ادھر اور ادھر جھلاتے
کریا د نظیر اب ہر ساعت اس پالنے اور اس جھولے کی
آنند سے بیٹھو چین کرو جے بولو کان جھنڈولے کی

نظیر

۸۷۔ ہولی

آ جھمکے عیش و طرب کیا کیا جب حُسن دکھایا ہولی نے
ہر آن خوشی کی دھوم ہوئی یوں لطف جتایا ہولی نے
ہر خاطر کو خرسند کیا ہر دل کو لُبھایا ہولی نے
دف رنگیں نقش سُنہری کا جس وقت بجایا ہولی نے
بازار گلی اور کوچوں میں غُل شور مچایا ہولی نے

یا سوانگ کہوں یا رنگ کہوں یا حُسن بتاؤں ہولی کا
سب ابرن تن پر جھمک رہا اور کیسر کا ماتھے ٹیکا
ہنس دینا ہر دم ناز بھرا دکھلانا سج دھج شوخی کا
ہر گالی مصری قند بھری ہر ایک قدم اٹکھیلی کا
دل شاد کیا اور موہ لیا یہ جوبن پایا ہولی نے

کچھ طبلے کھٹکے تال بجے کچھ ڈھولک اور مردنگ بجی
کچھ جھڑپیں بین رباہوں کی کچھ سارنگی اور چنگ بجی
کچھ تار طنبوروں کے جھنکے کچھ ڈھمڈھی اور منہ چنگ بجی
کچھ گھنگرو کھٹکے جھم جھم جھم کچھ گت گت پر آہنگ بجی
ہے ہر دم ناچنے گانے کا یہ تار بندھایا ہولی نے

ہر جاگہ تھال گلالوں سے خوش رنگت کی گل کاری ہے
اور ڈھیر عبیروں کے لاگے سو عشرت کی تیاری ہے
ہیں راگ بہاریں دکھلاتے اور رنگ بھری پچکاری ہے
منہ سرخی سے گلنار ہوئے تن کیسر کی سی کیاری ہے
یہ روپ چمکتا دکھلایا یہ رنگ دکھایا ہولی نے

پوشاکیں چھڑکی رنگوں کی اور ہر دم رنگ فشانی ہے
ہر وقت خوشی کی جھمکیں ہیں پچکاری کی زر افشانی ہے
کہیں ہوتی ہے دھینگا مشتی کہیں ٹھہری کھینچا تانی ہے
کہیں لٹیاں جھمکیں رنگ بھری کہیں جوتا کیچڑ پانی ہے
ہر چار طرف خوش حالی کا یہ جوش بڑھایا ہولی نے

ہر آن خوشی سے آپس میں سب ہنس ہنس رنگ چھڑکتے ہیں
رخسار گلالوں سے گلگوں کپڑوں سے رنگ ٹپکتے ہیں
کچھ آگ اور رنگ جھمکتے ہیں کچھ مے کے جام چھلکتے ہیں
کچھ کودیں ہیں کچھ اچھلیں ہیں کچھ ہنسنے ہیں کچھ بکتے ہیں
یہ طور یہ نقشہ عشرت کا ہر آن بنایا ہولی نے

محبوب پری رو یاروں کی ہر جانب نوک جھونکی ہے
کچھ آن رنگیلی چلتی ہے کچھ بان ادھر سے روکی ہے

کچھ سینیں ترچھی سحر بھری کچھ گھات لگاوٹ خو کی ہے
کچھ شور اہا ہا ہا ہا کا کچھ دھوم اُہو ہو ہو ہو کی ہے
یہ عیش یہ خفا یہ کام یہ ڈھب ہر آن جتایا ہولی نے

معجونوں سے رنگ لال ہوئے کہیں چلتی مے کی پیالی ہے
کہیں ساز طرب کے بجتے ہیں دل شاداں مُنہ پر لالی ہے
سو کثرت عیش و مسرت کی خوش وقتی اور خوش حالی ہے
کچھ بولی ٹھولی پیار بھری کچھ گالی ہے کچھ تالی ہے
اِن چرچوں کا اِن چہلوں کا یہ تار لگایا ہولی نے

ہیں کیا کیا مہر میں رنگ بھرے اور سوانگ بھی کیا کیا آتے ہیں
کر باتیں ہر دم چہل بھری خوش ہنستے اور ہنساتے ہیں
کچھ جوگی چیلے بیٹھے ہیں کچھ کامینوں کے گانے ہیں
کچھ اور طرح کے سوانگ بنیں کچھ ناچتے اور کچھ گاتے ہیں
ہر آن نظیر اس فرحت کا سامان دکھایا ہولی نے

نظیر

٨٨۔ ہولی کی بہار

جب پھاگن رنگ جھمکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی
اور دف کے شور کھڑکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی
پریوں کے رنگ دمکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی
خُم شیشے جام چھلکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی
محبوب نشے میں چھکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

ہو ناچ رنگیلی پریوں کا بیٹھے ہوں گل رو رنگ بھرے
کچھ بھیگی تانیں ہولی کی کچھ ناز و ادا کے ڈھنگ بھرے
دل بھولے دیکھ بہاروں کو اور کانوں میں آہنگ بھرے
کچھ طبلے کھڑکیں رنگ بھرے کچھ عیش کے دم منہ چنگ بھرے
کچھ گھنگرو تال جھنکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

سامان جہاں تک ہوتا ہے اس عشرت کے مطلوبوں کا
وہ سب سامان مہیّا ہو اور باغ کھلا ہو خوبوں کا
ہر آن شرابیں ڈھلتی ہوں اور ٹھٹھ ہو رنگ کے ڈوبوں کا
اس عیش و مزے کے عالم میں اک غول کھڑا محبوبوں کا
کپڑوں پر رنگ چھڑکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

اس رنگ رنگیلی مجلس میں وہ رنڈی ناچنے والی ہو
منہ جس کا چاند کا ٹکڑا ہو اور آنکھ بھی مے کی پیالی ہو
بدمست بڑی متوالی ہو ہر آن بجاتی تالی ہو
مے نوشی ہو بے ہوشی ہو بھڑوے کے منہ میں گالی ہو
بھڑوے بھی بھڑوا بکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

اور ایک طرف دل لینے کو محبوب بھویوں کے لڑکے
ہر آن گھڑی گت بھرتے ہوں کچھ گھٹ گھٹ کے کچھ بڑھ بڑھ کے
کچھ ناز جتاویں لڑ لڑ کے کچھ ہولی گاویں اڑ اڑ کے
کچھ لچکیں شوخ کمر پتلی کچھ ہاتھ چلے کچھ تن پھڑکے
کچھ کافر نین مٹکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

یہ دھوم مچی ہو ہولی کی اور عیش مزے کا جھکڑ ہو
اس کھینچا کھینچ گھسیٹی میں بھڑوا رنڈی کا پھکڑ ہو
معجون شرابیں ناچ مزا اور ٹکیا سلفا لکڑ ہو
لڑ بھڑ کے نظیر بھی نکلا ہو کیچڑ میں لتھڑ پتھڑ ہو
جب ایسے عیش مہکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

نظیر

۸۹۔ دوالی کے جواری

ہر اک مکاں میں جلا پھر دیا دوالی کا — ہر اک طرف کو اجالا ہوا دوالی کا
سبھی کے دل میں سماں بھا گیا دوالی کا — کسی کے دل کو مزہ خوش لگا دوالی کا
عجب بہار کا ہے دن بنا دوالی کا

صرف حرام کی کوڑی کا جن کا ہے بیوپار — انہوں نے کھایا ہے اس کے واسطے ہی ادھار
کہے ہیں ہنس کے قرض خواہوں سے ہر اک بار — دوالی آئی ہے سب دیں چلائیں گے اے یار
خدا کے فضل سے ہے آسرا دوالی کا

مکان لیپ کے ٹھلیا جو کوری رکھوائی — جلا چراغ کو کوڑی وہ جلد جھنکائی
اصل جواری تھے ان میں تو جان سی آئی — خوشی سے کود اچھل کر پکارے او بھائی
شگون پہلے کرو تم ذرا دوالی کا

شگن کی بازی لگی پہلے بار گنڈے کی — پھر اس سے بڑھ کے لگی تین چار گنڈے کی
پھری جو ایسی طرح بار بار گنڈے کی — تو آگے لگنے لگی پھر ہزار گنڈے کی
کمال نرخ لگا پھر تو آ دوالی کا

کسی نے گھر کی حویلی گرو رکھا ہاری — جو کچھ تھی جنس میسر بنا بنا ہاری
کسی نے چیز کسی کی چرا چھپا ہاری — کسی نے گٹھری پڑوسن کی اپنی لا ہاری
یہ ہار جیت کا چرچا پڑا دوالی کا

کسی کو داؤ پہ لا نکّی موٹھ نے مارا کسی کے گھر پہ دھر اسوختہ نے انگارا
کسی کو نرد نے چوپڑ کے کر دیا زارا لنگوٹی باندھ کے بیٹھا اناڑ تک ہارا
یہ شور آ کے مچا جا بجا دوالی کا

کسی کی جورو کہے ہے پکار دے بھڑوے بہو کی نوگرہی بیٹے کے ہاتھ کے کڑوے
جو گھر میں آوے تو سب ہل کے ہیں سو گھڑوے نکل تو یاں سے ترا کام یاں نہیں بھڑوے
خدا نے تجھ کو شہدا کیا دوالی کا

وہ اس کے جھونٹے پکڑ کر کہے ہے ماروں گا ترا جو گہنا ہے سب تار تار اتاروں گا
حویلی اپنی تو اک داؤ پر میں ہاروں گا یہ سب تو ہارا ہوں خندی تجھے بھی ہاروں گا
چڑھا ہے مجھ کو بھی اب تو نشا دوالی کا

تجھے خبر نہیں خندی یہ لت وہ پیاری ہے کسی زمانہ میں آگے ہوا جو جواری ہے
تو اس نے جورو کی نتھ اور ازار اتاری ہے ازار کیا ہے کہ جورو تلک بھی ہاری ہے
سنا یہ تو نے نہیں ماجرا دوالی کا

یہ باتیں سچ ہیں نہ جھوٹ ان کو جانیو یارو نصیحتیں ہیں انہیں دل میں ٹھانیو یارو
جہاں کو جاؤ یہ قصہ بکھانیو یارو جو جواری ہو نہ برا اس کا مانیو یارو
نظیر آپ بھی ہے جواریا دوالی کا

نظیر

۹۰. سلونوں کی راکھی

چلی آتی ہے اب تو ہر کہیں بازار کی راکھی
سنہری سبز ریشم زرد اور گلنار کی راکھی
بنی ہے گو کہ نادر خوب ہر سردار کی راکھی
سلونوں میں عجب رنگیں ہے اس دلدار کی راکھی
نہ پہنچے ایک گل، لو یار جس گلزار کی راکھی

عیاں ہے اب تو راکھی بھی، چمن بھی، گل بھی، شبنم بھی
جھمک جاتا ہے موتی اور جھلک جاتا ہے ریشم بھی
تماشا ہے اہا ہا ہا غنیمت ہے یہ عالم بھی
اٹھانا ہاتھ پیارے واہ وا ٹک دیکھ لیں ہم بھی
تمہاری موتیوں کی اور زری کے تار کی راکھی

مچی ہے ہر طرف کیا کیا سلونوں کی بہار اب تو
ہر اک گل رو پھرے ہے راکھی باندھے ہاتھ میں خوش ہو
ہوس جو دل میں گزرے ہے کہوں کیا آہ میں تم کو
یہی آتا ہے جی میں بن کے باہمن آج تو یارو
میں اپنے ہاتھ سے پیارے کے باندھوں پیار کی راکھی

ہوئی ہے زیب و زینت اور خوباں کو تو راکھی سے
ولیکن تم سے اے جاں اور کچھ راکھی کے گل پھولے
دوانی بلبلیں ہوں دیکھ گل چننے لگیں تنکے
تمہارے ہاتھ نے مہندی نے انگشتوں نے ناخن نے
گلستاں کی چمن کی باغ کی گلزار کی راکھی

ادا سے ہاتھ اٹھنے میں گل راکھی جو ہلتے ہیں
کلیجے دیکھنے والوں کے کیا کیا آہ چھلتے ہیں
کہاں نازک یہ پہنچے اور کہاں یہ رنگ ملتے ہیں
چمن میں شاخ پر کب اس طرح کے پھول کھلتے ہیں
جو کچھ خوبی میں ہے اس شوخ گل رخسار کی راکھی

پھریں ہیں راکھیاں باندھے جو ہر دم حسن کے تارے
تو ان کی راکھیوں کو دیکھ اے جاں چاؤ کے مارے
پہن زنار اور قشقہ لگا ماتھے اوپر بارے
نظیر آیا ہے باہمن بن کے راکھی باندھنے پیارے
بندھا لو اس سے تم ہنس کر اب اس تیوہار کی راکھی

نظیر

۹۱۔ طرز جنگ

خوف غالب تھا مگر شرم سے خونخوار بڑھا　　ڈھال روکے ہوئے توڑے ہوئے تلوار بڑھا
فن پھکیتی کا دکھاتا ہوا اکتار بڑھا　　ہٹ گیا موڑ گیا دو بار تو اک بار بڑھا
ڈر بھی تھا کبھی جرأت تھی دل بدخو میں
سل سینے تھا کبھی نامرد کبھی پہلو میں

تن کے بڑھتا تھا کبھی جھک کے دبکتا تھا کبھی　　ہٹ کے پیچھے بغضب شیر کو تکتا تھا کبھی
نیچے دیکھ کے بڑھنے میں جھجکتا تھا کبھی　　سر کو شعلے کی طرح دھن کے لپکتا تھا کبھی
یہاں سے نعرہ تھا کہ افسوس نہ یہ پیکار دکھا
پھرتیاں دیکھ چکے وار بھی دو چار دکھا

وحید

۹۲۔ ازرق پہلوان اور حضرت قاسم کا مقابلہ

صدا یہ دلبر شبر نے دی کہ او بیدیں　　زمیں سے چار دل کے مردے اٹھائیگا کہ نہیں
اب آ دلیر سے لڑنے کو او شقی لعیں　　جہاں اسیر ہیں تیرے بھیج دیں تجھے بھی وہیں
یہ دیر تشنہ دہانوں پہ شاق ہی اب تو
وغا کا تجھ سے ہمیں اشتیاق ہی اب تو

چلے حسام زباں کے جو ولد پھر دو چار　　خفیف اور ہوا دل میں ازرق غدار
چڑھا فرس پہ جفا جو سجے ہوئے ہتیار　　چلا وہیں سے وہ سرکش علم کئے تلوار
مثال گرگ یمین و یسار تکتا تھا
نظر سے قہر تو آنکھوں سے خوں ٹپکتا تھا

سیاہ قلب فساد و عناد پہ گرم　　حیا نہ آنکھ میں ذرہ نہ مطلقاً آزرم
شقی شریر جفا کیش سنگدل بے شرم　　وہ استخواں کہ ہو فولاد جس کے سامنے نرم
کسی کو روم میں اور شام میں نہ مانتا تھا
وہ اپنے زعم میں رستم کو زال جانتا تھا

وہ نحس و بد کہ ڈرے جس کا سایہ دیکھ کے بوم　　وہ تیرہ رنگ کہ جس سے سوادِ شام ہو روم
گریز دیو بھی جس سے کرے وہ جثّہ شوم　　سیہ کلائی تھی یا پیلِ مست کی خرطوم
گڑھے زمیں پہ ہوں جس جا یہ بے ادب جائے
وہ قد کا بار کہ جس سے پہاڑ دب جائے

وہ عضو عضو کی سختی وہ فربہی تن کی　　نہ جس کے سامنے کچھ اصل تھی تہمتن کی
وہ چار آئینہ کڑیاں کڑی وہ جوشن کی　　وہ دوش نحس و نجس پر سپر کئی من کی
وہ تیغ جس کا نہ لنگر ہزار سے اٹھے
وہ نیزہ جو کہ نہ اسفندیار سے اٹھے

تنی ہوئی تھیں رگیں اس طرح سے گردن کی　　عیاں تھا یہ کہ ساپنیں ٹھہری ہیں آس کی

درہ تھا کوہ کا جو شان صدر دشمن کی — فرس نے جست جو کی ہل گئی زمیں رن کی

عقب میں اس کے جو دیل جمع تھے گرجنے لگے

ادھر سپاہ میں طنبور و طبل بجنے لگے

مقابلہ کو بڑے حنظلہ سے آ پہنچا — اکڑ کے سامنے غازی کے یہ جیا پہونچا

اٹھائی تیغ دو دم دشمن خدا پہونچا — ملا کے آنکھ قریب یہ اسد بھی جا پہونچا

فلک پہ اٹھ کے سم اسپ سے غبار چلا

جدل سے پہلے حسام مظفر کا وار چلا

رجز کے بعد شقی مثل فیل چنگھاڑا — اوٹھا کے سر کبھی ترچھا ہوا کبھی اکڑا

زمیں سے نیزہ اکھاڑا کبھی گاڑا — غبار راہ کو پونچھا کبھی کبھی جھاڑا

کبھی بڑا تو کبھی پاؤں تھرتھرانے لگا

فرس پہ جھوم کے نوشاہ مسکرانے لگا

ذریں یہ جسم ہے تیرا باطل کی طرح بچھ کر جا — کہا کہ زور کا میرے ہے غلغلہ ہر جا

پہاڑ کو جو ہٹاؤں ہٹے نہ وہ ہر جا — مرا ہے نام دلاوروں میں بڑھا ہوا درجا

مقابلہ مرا جس نے کیا وہ ہارا ہے

اسد کی اصل ہے کیا اژدہوں کو مارا ہے

پکارا دلبر شبیر کہ تو بحث کر جا — ہماری تیغ کی بجلی کا شور ہے ہر جا

ہٹیں گے ہونٹ نہ تیرے مرے ترے سر جا — یہ تیغ تیز کرے گی ترا برباد جب

کھلے ہوئے تھے خاطرِ عدم کے رستے ہیں
زیادہ جو ہیں گرجتے وہ کم برستے ہیں

کہا شقی نے ڈریں جن جو میری تیغ چلے　　پکڑ لوں شیر کی گردن اگر تو سانس نہ لے
جسے میں غیظ سے دیکھوں نہ موت سے ٹلے　　جری وہ ہیں کہ سوں کہ کاٹے ہیں سیکڑوں کے گلے
وغا میں مجھ سے کوئی بیل زور تُل نہ سکا
کسی سے اک مرے نیزہ کا بند کھل نہ سکا

پکارا بڑھ کے جگر بندِ سیدہ والا　　زباں کو بند کر اب ہاتھ میں اٹھا بھالا
وہ میں ہوں ضیغمِ نر سب سے زور میں بالا　　علیؓ کے شیروں نے آغوش میں جسے پالا
لہو بہا کے تجھے اب جہاں سے کھوتا ہوں
حسینؓ کا ہوں بھتیجا علیؓ کا پوتا ہوں

کسی سے شیرِ خدا کے پسر نہیں ڈرتے　　شرر اٹھا کے کریں شور وہ نہیں ڈرتے
تعلیوں سے تری پُر جگر نہیں ڈرتے　　سگوں کے بھونکنے سے شیرِ نر نہیں ڈرتے
ہماری ضرب سے جراں فوج ٹلے ہوئے
[illegible] کے پڑے ہیں زباں نکلے ہوئے

بتا کہ زیر کیا ہم نے فوج کو کیسا　　نہ دیکھا ہے کوئی [illegible] تھا سا جیسا
وہ چاروں جیسے تھے نامرد تو بھی ہے ویسا　　رہے گا شور [illegible] یہاں لڑے ایسا

اسد کو زور میں کم وقت جنگ جانتے ہیں
ہم ایسے بودوں سے لڑنے کو ننگ جانتے ہیں

وغا کے جوش میں لو دو طرف کھنچی تلوار سنبھل کے لیں سپریں ہاتھ اٹھے بڑھے رہوار
ادھر سے سب سمٹ آئے پیادہ و سوار چہار سمت سے ہے اک غل بگیر و بدار
نگہ پہ ڈر بھی کہ ایسا نہ ہو کہ پسپا ہو
لڑی ہوئی ہیں نگاہیں کہ دیکھئے کیا ہو

کبھی ہے خود پہ یہ تیغ اور سپر پہ کبھی ملی ہوئی ہے گلے سے کبھی کمر پہ کبھی
کبھی کلائی پہ ہے دوش فتنہ گر پہ کبھی کبھی بغل کی طرف صدر اہل شر پہ کبھی
مجال و تاب نہیں آنکھ چار کرنے کی
شقی کو بار نہیں ملتی وار کرنے کی

چمک کے تیغ دو دم سے کبھی جھجکتا ہے کبھی زباں کبھی دست قوی بہکتا ہے
کبھی ادھر تو کبھی اس طرف بھٹکتا ہے جھکا کے سر کبھی پیچھے قدم سرکتا ہے
امید فتح نہیں زندگی کی آس نہیں
ٹھکانے ہوش نہیں ہیں بجا حواس نہیں

بڑھا سنبھل کے ادھر پھر شقی ظلم پسند قریب آ گیا شبدیز تیز بہر زغند
وہ آیا بائیں طرف دست ظلم کر کے بلند یہ آئے دہنی طرف شیر سے اڑا کے سمند

انھیں جو دھیان تھا اس حد پہ آ گیا ظالم
قدم فرس کے رکے زد پہ آ گیا ظالم
لگائی تیغ دو دم کہہ کے یا علیِ ولی
اڑا لعین کا سر نحس پھر نہ موت ٹلی
گلے سے کھینچ کے دو بارا جو پھر کے چلی
دو بارہ ہو گئے مرادِ دشمنِ خدا و علی
غرورِ شیر نے بدمست کا نکال دیا
زمیں پہ فیل کو چو رنگ کر کے ڈال دیا

نفیس

۹۳ چوسر کا کھیل

عجب طرح کی و رنگین چوپڑ غرض بچھائی ہے اب خدا نے
کوئی ہی پھٹکل کسی کا جگ ہی پھریں ہیں نردیں کچی خانے جانے
جو پاسا پھینکے بنا بنا کر وہ داؤں کتنے ہی دل میں ٹھانے
جو چاہنا ہو اٹھارہ آویں تو اس کو پڑتے ہیں تین جانے
پڑے بھٹکتے ہیں لاکھ دانا کروڑوں پنڈت ہزار سیانے
جو خوب دیکھا تو یارو آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

نظیر

۹۴۔ ریچھ کا تماشا

کل راہ میں جاتے جو ملا ریچھ کا بچہ ۔۔۔ لے آئے وہیں ہم بھی اٹھا ریچھ کا بچہ
سو نعمتیں کھا کھا کے پلا ریچھ کا بچہ ۔۔۔ جس وقت بڑا ریچھ ہوا ریچھ کا بچہ
جب ہم بھی چلے ساتھ چلا ریچھ کا بچہ

تھا ہاتھ میں اک اپنے سوا من کا جو سونٹا ۔۔۔ لوہے کی کڑی اس پہ کھڑکتی تھی سراپا
کاندھے پہ چڑھا جھولنا اور ہاتھ میں پیالا ۔۔۔ بازار میں لے آئے دکھانے کو تماشا
آگے تو ہم اور پیچھے وہ تھا ریچھ کا بچہ

تھا ریچھ کے بچے پہ وہ گہنا جو سراسر ۔۔۔ ہاتھوں میں کڑے سونے کے بجتے تھے جھمک کر
کانوں میں دُر اور گھنگھرو پڑے پاؤں کے اندر ۔۔۔ وہ ڈور بھی ریشم کی بنائی تھی جو پُر زر
جس ڈور سے یارو تھا بندھا ریچھ کا بچہ

جھمکے وہ جھمکتے تھے پڑے جن پہ کرن پھول ۔۔۔ مقیش کی لڑیوں کی پڑی پیٹھ اوپر جھول
اور اُن کے سوا کتنے بچھائے تھے جو گل پھول ۔۔۔ یوں لوگ گرے پڑتے تھے سر پاؤں کی سدھ بھول
گویا وہ پری تھا کہ نہ تھا ریچھ کا بچہ

اک طرف کو تھیں سیکڑوں لڑکوں کی پکاریں ۔۔۔ اک طرف کو تھیں پیر و جوانوں کی قطاریں
کچھ ہاتھیوں کی قیق اور اونٹوں کی ڈکاریں ۔۔۔ غل شور، مزے، بھیڑ، ٹھٹھ، انبوہ، بہاریں
جب ہم نے کیا لا کے کھڑا ریچھ کا بچہ

کہتا تھا کوئی ہم سے میاں آؤ قلندر ‏ ‏ وہ کیا ہوئے اگلے جو تمہارے تھے وہ بندر
ہم ان سے یہ کہتے تھے یہ پیشہ ہے قلندر ‏ ‏ ہاں چھوڑ دیا بابا انھیں جنگلے کے اندر
جس دن سے خدا نے یہ دیا ریچھ کا بچہ

مدت میں اب اس بچہ کو ہم نے ہے سدھایا ‏ ‏ لڑنے کے سوا ناچ بھی اس کو ہے سکھایا
یہ کہہ کے جو ڈھپلی کے تئیں گت پہ بجایا ‏ ‏ اس ڈھب سے اسے چوک کے جمگھٹ میں نچایا
جو سب کی نگاہوں میں کھبا ریچھ کا بچہ

پھر ناچ کے وہ راگ بھی گایا تو وہاں واہ ‏ ‏ پھر کہروا ناچا تو ہر اک بولی زباں واہ
ہر چار طرف سنئے کہیں پیر و جواں واہ ‏ ‏ سب ہنس کے یہ کہتے تھے میاں واہ میاں واہ
کیا تم نے دیا خوب نچا ریچھ کا بچہ

اس ریچھ کے بچے میں تھا اس ناچ کا ایجاد ‏ ‏ کرتا تھا کوئی قدرت خالق کے تئیں یاد
ہر کوئی یہ کہتا تھا خدا تم کو رکھے شاد ‏ ‏ اور کوئی یہ کہتا تھا ارے واہ رے استاد
تو بھی جیئے اور ترا سدا ریچھ کا بچہ

جب ہم نے اٹھا ہاتھ کڑوں کو جو ہلایا ‏ ‏ خم ٹھونک پہلواں کی طرح سامنے آیا
لپٹا تو کشتی کا ہنر آن دکھایا ‏ ‏ جو چھوٹے بڑے جتنے تھے ان سب کو رجھایا
ہم بھی نہ تھکے اور نہ تھکا ریچھ کا بچہ

جب کشتی کی ٹھہری تو وہیں سر کو جو جھاڑا ‏ ‏ للکارتے ہی اس نے ہمیں آن لتاڑا

گہ ہم نے پچھاڑا اسے گہ اس نے پچھاڑا — اک ڈیڑھ پہر ہو گیا کشتی کا اکھاڑا
گو ہم بھی نہ ہارے نہ ہارا ریچھ کا بچہ

یہ داؤں میں پیچوں میں جو کشتی میں ہوئی دیر — یوں برسے روپے پیسے کہ آندھی میں گریں بیر
سب نقد ہوئے تنکے سو لاکھ روپے ڈھیر — دیکھا تو ہر اک نے اسی طرح سے منہ پھیر
یارو تو تماشا دیکھو ذرا ریچھ کا بچہ

کہتا تھا کھڑا کوئی جو کہہ واہ اہا ہا — اس سے کہ تم ہی استاد ہو واہ اہا ہا
یہ سحر تم نے تو نگاہ اہا ہا — کیا کہئے غرض آفریں اے واہ اہا ہا
ایسا تو نہ دیکھا نہ سنا ریچھ کا بچہ

جس شان سے نقطہ اپنے تو دل شاد یہی ہے — جاتے ہیں جدھر کو ادھر ارشاد یہی ہے
سب کہتے ہیں وہ صاحب ایجاد یہی ہے — کیا دیکھتے ہو تم کھڑے استاد یہی ہے
کل چوک میں نقاجن کا لڑا ریچھ کا بچہ

نظیر

۹۵۔ آگرہ کی تیراکی

جب پیرنے کی رت ہے دلدار پیرتے ہیں — عاشق بھی ساتھ ان کے غمخوار پیرتے ہیں
بھولے میاں نسواں تو تنہا پیرتے ہیں — پیر و جوان و لڑکے عیار پیرتے ہیں

ادنیٰ غریب مفلس زردار پیرتے ہیں
اس آگرہ میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

جھرنے سے لے کے یارو بنیا تا پیارا — چھتری سے کنج خونی دارا کا چوترا کیا
مہتاب باغ استید تیلی قلعہ و روضہ — غل شور کی بہاریں انبوہ سیر چرچا
ہر اک مکاں میں ہو کر ہشیار پیرتے ہیں
اس آگرہ میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

باغ حکیم اور جو شیوو اس کا چمن ہے — ان میں جگہ جگہ پر مجلس ہے انجمن ہے
میوہ مٹھائی کھانے اور سلیج دل لگن ہے — کچھ پیرنے کی دھومیں کچھ عیش کا چلن ہے
ہر اک مکاں میں ہو کر ہشیار پیرتے ہیں
اس آگرہ میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

برسات میں جو آکر چڑھتا ہے خوب دریا — ہر جا گھڑی و چادر بندا اور نا ند چکوا
بینڈا بھورا اچھالن چکر سمیت مالا — بینڈ گھمیر تختہ کتنے پچھاڑ کرا
وان بھی ہنر سے اپنے ہشیار پیرتے ہیں
اس آگرہ میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

تربینی میں اہا ہا ہوتی ہیں کیا بہاریں — خلقت کے ٹھٹ ہزاروں ہر اک کی قطاریں
پیریں نہاویں اچھلیں کودیں لڑیں پکاریں — لیتے وہ جمعیت غوطے کھا کھا کے ہاتھ ماریں

کیا کیا تماشے کر کر اظہار پیرتے ہیں
اس آگرہ میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

جمنا کا پاٹ گویا صحن چمن ہی بارے — پیراک اس میں پیرت جیسے کہ چاند تارے
ثمنہ چاند کے سے ٹکڑے تن گورے پیارے پیارے — پریوں سے بھر رہے ہیں منجدھار اور کنارے

کچھ وار پیرتے ہیں کچھ پار پیرتے ہیں
اس آگرہ میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

کتنے کھڑے ہیں پیرتے اپنا دکھا کے سینہ — سینہ چمک رہا ہے ہیرے کا جوں نگینہ
آدھے بدن پہ پانی آدھے پہ ہے پسینہ — سر دوں کا بہ چلا ہے گویا کہ اک قرینہ

دامن کمر پہ باندھے دستار پیرتے ہیں
اس آگرہ میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

جاتے ہیں ان میں کتنے پانی پہ صاف سوتے — کتنوں کے ہاتھ پنجرے کتنوں کے سر پہ طوطے
کتنے پتنگ اڑاتے کتنے سوئی پروتے — حقوں کا دم لگاتے ہنس ہنس کے شاد ہوتے

سو سو طرح کے کر کر بستار پیرتے ہیں
اس آگرہ میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

کچھ ناو کی بہاریں پانی کے کچھ لتاڑے — دریا میں بچ رہے ہیں اندر کے سو اکھاڑے
ہر بزم کل خوشی سے دونو طرف کرارے — بجرے وناو جھنجوڑ ڈونگی سب نے نواڑے

ان جھگھٹوں سے ہوکر سرشار پیرتے ہیں
اس آگرہ میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

ناؤں میں وہ جو گلرو ناچیں ہیں جھک رہی ہیں
جوڑے بدن میں رنگیں گہنے جھنک رہے ہیں
تانیں ہوا میں اڑتی طبلے کھڑک رہے ہیں
عیش و طرب کی دھومیں پانی چھپک رہے ہیں
سو سانٹھ کے بنا کر اطوار پیرتے ہیں
اس آگرہ میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

ہر آن بولتے ہیں سید کبیر کی جے
پھر اس کے بعد اپنے استاد پیر کی جے
سورو مکٹ کنھیا جمنا کے تیر کی جے
پھر غول کے سب اپنے خرد و کبیر کی جے
ہر دم یہ کر خوشی کی گفتار پیرتے ہیں
اس آگرہ میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

کیا کیا نظیریاں کے ہیں پیرنے کے بانی
ہیں جن کے پیرنے کی ملکوں میں آن مانی
استاد اور خلیفہ شاگرد یار جانی
سب خوش رہیں ہمیشہ جب تک جمنا کے بیچ پانی
کیا کیا ہنسی خوشی سے ہر بار پیرتے ہیں
اس آگرہ میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

نظیر

۹۶۔ آصف الدولہ کی سخاوت

در و دروازہ یوں جواب کس کا
کہ نہ واں پیل و پیلباں ہووے

خوانِ نعمت نہیں ہے ایک کا یوں
جس پہ تا سو نہ میہماں ہووے

عیش و عشرت سے ہے سدا دمساز
پیر ہو کوئی یا جواں ہووے

ہے جو کچھ جس کنے سو ہے اس کی عطا
آصف الدولہ اور جہاں ہووے

دیکھ کر جس کو خلق بولے ہے
تو ہو اور عمرِ جاوداں ہووے

تجھ سا آفاق میں ہو جب ممدوح
اور سودا سا مدح خواں ہووے

نہیں شایاں کہ عرضِ مطلب کی
اُس کے ہر بار بر زباں ہووے

سودا

۹۷۔ عیش پرستی

عجب لوگ ہیں وہ کہ جن کو مدام
نہیں ہے بجز خوش دلی اور کام

میسر ہے ہر وقت خوباں کا دید
ہے ہر شب شبِ قدر و ہر روز عید

کسی زلف سے گاہ کرتے ہیں لہو
گہے نشّے میں رہتے ہیں محو

گہے بوس لب سے کنایات ہے
گہ آنکھوں میں حرف و حکایات ہے

کبھو دے ہے وہ لا کے زوروں سے جام
کبھو لے ہے یہ سو نخوروں سے کام

کبھو سیر بجتی ہے آہنگ کی
کبھو تھاپ لگتی ہے مردنگ کی

کبھی ناچتا ہے وہ مہوش حضور
کہ جوں برق رخشندہ بکھرے نور

ہے جنبش میں جس کی یہ سب ناؤ بھاؤ
کہ جوں شعلہ بھڑکے ہے بہنے سے باؤ

وہ کلی یہ سب زیب و زیور میں غرق
کہ نکلے ہے جس طرح بادل سے برق

کروں کیا میں صورت کا اس کی بیاں
کہ ہر عضو اس کا تھا آشوبِ جاں

تھی خلقت سے اس آب و گل کی بری
نجانے کہ تھی حور یا وہ پری

وہ گھنگرو کہ جن کی جھنک یہ بلائے
کہ مردہ کو خوابِ عدم سے جگائے

ہوئی ان کی جب پاؤں میں اس کے بما
ہوا چار سو شورِ محشر بپا

زبس عود سوزوں روشن تھا عود
تھی بوئے خوش اتنی کثیر الوجود

کہ کہتی تھی گھبرا کے ہر دم نسیم
کہ اٹھتا نہیں مجھ سے بارِ شمیم

مئے لعل مانندِ خونِ حمام
کہ یاقوت جس کا ہے ادنیٰ غلام

ہر اک سمت تھا اس کا مجلس میں دور
پیے تھے زن و مردِ یا فی کے طور

یہ نہیں تھا کوئی لحظہ بے نائے و نوش
تھے عیش و طرب ہمہ گر گرم جوش

قائم

۹۸۔ شادی کی دھوم

وہ جیغہ وہ سرپیچ جوہر نگار
عدو کو یہ اختر ہے دنبالہ دار

نہ الماس کے تکمہ کا ہے ظہور
گرہ ہو رہا ہے تجلّی کا نور

وہ بازو پہ کیا نورتن جلوہ گر
کئی رنگ کے پھول اک شاخ پر

کمربند میں تکمۂ لعلِ ناب
شفق رنگ نصف النہار آفتاب

دلوں میں ہیں کیس کی شادی کے چاؤ
کہ ہے شاہدانِ چمن کا بناؤ

رکھا آئینہ آب کو روبرو
سنورتا ہے سروِ لبِ آب جو

ہر اک سو عجب ہیں خوش اندائیاں
چلے سازیاں حلہ پردازیاں

ہر اک برج پر روشنی کا عروج
زمیں آسماں وار ذات البروج

فلک پر تھی دودِ چراغاں کی راہ
لگا لینے کاجل سکورے پہ ماہ

مچا شادیانوں کا غل تا فلک
گئے بھول تسبیح خوانی ملک

یہ ہر ایک شہنا سے آئی صدا
کہ تجھ کو مبارک یہ شادی شہا

کرے فیض کا تجھ سے وہ اکتساب
کہ نوشہ ہے مہ اور تو آفتاب

رہے ساز تا دستِ ناہید میں
شباہت تا جام رخورشید میں

تری بزم میں جام ہو روز و شب
مئے عیش اور نغمہ ہائے طرب

ممنون

۹۹۔ مفلس کے گھر شادی

مفلس جو بیاہ بیٹی کا کرتا ہے بول اول
پیسا کہاں؟ جو جا کے وہ لاوے جہیز مول
جورو کا وہ گلا ہے کہ ہو جیسے پھوٹا ڈھول
گھر کی حلال خوری تلک کرتی ہے ٹھٹھول
ہیبت تمام اس کی اٹھاتی ہے مفلسی

بیٹے کا بیاہ ہووے تو بھائی نہ ساتھی ہے
نے روشنی نہ باجے کی آواز آتی ہے
ماں پیچھے ایک میلی چدر اوڑھے جاتی ہے
بیٹا بنا ہے دولہ تو باوا براتی ہے
مفلس کی یہ برات چڑھاتی ہے مفلسی

گر بیاہ کر چلا ہے سحر کو تو یہ بلا
شہدا زنانا ہیجڑا اور بھاٹ منڈچڑا
گھیرے ہوئے اسے چلے جاتے ہیں جا بجا
وہ آگے آگے لڑتا ہوا جاتا ہے چلا
اور پیچھے تھیڑیوں کو بجاتی ہے مفلسی

دروازہ پر زنانے بجاتے ہیں تالیاں
اور گھر میں بیٹھی ڈومنی دیتی ہیں گالیاں
مالن گلے کا ہار ہو دوڑے لے ڈالیاں
سقہ کھڑا سناتا ہے باتیں رذالیاں
یہ خواری یہ خرابی دکھاتی ہے مفلسی

نظیر

شہر آشوب

کہا میں آج یہ سودا سے کیوں تو ڈانواں ڈول
پھرے ہے، جا کہیں نوکر ہو لے کے گھوڑا مول
لگا وہ کہنے یہ اِس کے جواب میں دو بول
جو میں کہوں گا تو سمجھے گا تو کہ ہے یہ ٹھٹھول
بتا کہ نوکری بکتی ہے ڈھیریوں یا تول

سپاہی رکھتے تھے نوکر امیر دولت مند
سو آمد ان کی تو جاگیر سے ہوئی ہے بند
کیا ہے ملک کو مدّت سے سرکشوں نے پسند
جو ایک شخص ہے بائیس صوبے کا خاوند
رہی نہ اس کے تصرف میں فوجداری کول

رہی فقط عربی باجے پر اُنھوں کی شان
جو چاہیں اس کو نہ بجوا دیں یہ تو کیا امکان
پران کا فکر ہے تخفیف خرچ پر ہر آن
رہے گا حال اگر ملک کا یہی تو ندان
گلے میں تاشہ کہاروں کے پالکی میں ڈھول

امیر اب جو ہیں دانا انھوں کی ہے یہ چال
ہوئے ہیں خانہ نشیں دیکھ کر زمانہ کا حال
بچھی ہے سوزنی خوجا کھڑا جھلے ہے رومال
حضور بیٹھے ہیں اک دو ندیم اہلِ کمال
دھری ہے رو برو اک پیکدان اک تنبول
پڑے جو کام انہیں تب نکل کے کمائی ہے
رکھیں وہ فوج جو موئی پھرے لڑائی سے
پیادے ہیں سو ڈریں سر منڈاتے نائی سے
سوار گر پڑیں سوتے ہیں چارپائی سے
کریں جو خواب ہیں گھوڑ کسی کے نیچے الول
کہے جو مودی سے جا کر دواب کے حالات
جواب دے ہے کہ ہے اونٹ تو فرشتے کی ذات
ہوا پھٹی ہے بیلوں کی اور بھینس پہ برات
جو چھری ہیں انہوں نے پیا ہے آب حیات
تمہارے کھانے کو دانا کہو تو دیجئے تول
اور اب جو عرصہ میں آقا کے فیل خانہ ہے
جو ہستی اندھی ہے اس میں تو ہاتھی کانا ہے

نہ ٹھور چارے کا ر انتب کا نے ٹھکانا ہے
ہر ایک بھوک سے سوئے عدم روانا ہے
اب اس کو خواہ وہ پایل سمجھ لیں خواہ بھول
کرے ہے بھوک سے شاگرد پیشہ اب یہ معاش
کہیں پلاؤ تو باورچی واں پکا وے آش
کریں قناتوں میں دربان بیٹھے پردہ فاش
تلے سے کھینچ لے مسند کو آن کر فراش
اگر کہیں کہ مٹا اٹھ کے چاندنی کا جھول

سودا

۱۰۱۔ شہر آشوب

ہے اب تو کچھ سخن کا مرے اختیار بند
رہتی ہے طبع سوچ میں لیل و نہار بند
دریا سخن کی فکر کا ہے موج دار بند
ہو کس طرح نہ منہ میں زباں بار بار بند
جب آگرہ کی خلق کا ہو روزگار بند

بے روزگاری نے یہ دکھائی ہے مفلسی
کوٹھے کی چھت نہیں ہے یہ چھائی ہے مفلسی
دیوار و در کے بیچ سمائی ہے مفلسی
ہر گھر میں اس طرح سے بھر آئی ہے مفلسی
پانی کا ٹوٹ جائے ہے جوں ایکبار بند

کڑیاں جو سال کی تھیں بکیں وہ تو اگلے سال لاچار قرض و دام سے چھپر ہیں ڈال
پھوس اور ٹھیڑے اس کے ہیں جیں کے سر کھجنے بال اس بکھرے پھوس سے ہی یہ ان چھپروں کا حال

گویا کہ ان کے بھول گئے ہیں چمار بند

کپڑا نہ گٹھری پیچ نہ تھیلی میں زر رہا خطرہ نہ چور کا نہ اُچکے کا ڈر رہا
رہنے کو بن کواڑ کا پھوٹا کھنڈر رہا کھنکھار جاگنے کا نہ مطلق اثر رہا

آنے سے بھی جو ہو گئے چور و چکار بند

اب آگرہ میں جتنے ہیں سب لوگ ہیں تباہ آتا نظر کسی کا نہیں ایک دم نباہ
مانگو عزیزو ایسے برے وقت سے پناہ وہ لوگ ایک کوڑی کے محتاج اب ہیں آہ

کسب و ہنر کے یاد ہیں جن کو ہزار بند

صرّاف بنئے جوہری اور سیٹھ ساہوکار دیتے تھے سب کو نقد سو کھاتے ہیں اب اُدھار
بازار میں اُڑے ہے پڑی خاک بے شمار بیٹھے ہیں یوں دکانوں پہ اپنی دکاندار

جیسے کہ چور بیٹھے ہوں قیدی قطار بند

سوداگروں کو سود نہ بیوپاری کو فلاح بزاز کو ہے نفع نہ پنساری کو فلاح
دلّال کو ہے یافت نہ بازاری کو فلاح دکھیا کو فائدہ نہ پیسنہاری کو فلاح

یاں تک ہوا ہے آن کے لوگوں کا کار بند

مارے ہیں ہاتھ ہاتھ پہ سب یاں کے دستکار اور جتنے پیشہ ور ہیں روتے ہیں زار زار

کوٹے ہے تن لہار تو پیٹے ہی سر سُنار کچھ ایک دو کے کام کا رونا نہیں ہے یار
چھتیس پیشے والوں کا ہے کاروبار بند

زر کے بھی جتنے کام تھے وہ سب ہی تھک گئے اور ریشمی قوام بھی یک سر چٹک گئے
زردار اُٹھ گئے تو بٹے سرک گئے چلنے سے کام تار کشوں کے بھی تھک گئے
کیا بال سے تلے کھینچیں جو ہو جائے تار بند

بیٹھے بساطی راہ میں تنکے سے چنتے ہیں جلتے ہیں نان بائی تو بھڑبھونجے بھنتے ہیں
دھُنئے بھی ہاتھ ملتے ہیں اور سر کو دُھنتے ہیں روتے ہیں وہ جو مشروع و دارائی بنتے ہیں
اور وہ تو مر گئے جو بنیں تھے ازار بند

بیچیں تھے وہ جو گوندھ کے پھولوں کے بدھی ہار مرجھا رہی ہے دل کی کلی جی ہے داغدار
جب آدھی رات تک نہ بکی جنس آبدار لاچار پھر وہ ٹوکری اپنی زمیں پہ مار
جاتے ہیں کر دکان کو آخر وہ ہار بند

حجام پر بھی یاں تئیں ہے مفلسی کا زور پیسا کہاں جو سان پہ ہو استروں کا شور
کلسے ہی سر گھٹوتے تھے جو اس کی پور پور کیا بات ایک بال کٹے یا تراشے کور
یہاں تک ہے استرے و نہرنی کی دھار بند

محنت سے ہاتھ پاؤں کے کوڑی نہ ہاتھ آئے بیکار کب تلک کوئی قرض و اُدھار کھائے
دیکھوں جسے وہ کرتا ہے رو رو کے ہائے ہائے آتا ہے ایسے حال پہ رونا ہمیں تو وائے
دشمن کا بھی خدا نہ کرے روزگار بند

آمد نہ خادموں کے تئیں مقبروں کے بیچ　　بامن بھی سر پٹکتے ہیں سب مندروں کے بیچ
عاجز ہیں علم والے بھی سب مدرسوں کے بیچ　　حیراں ہیں پیرزادے بھی اپنے گھروں کے بیچ
نذر و نیاز ہو گئی سب ایک بار بند

کیا چھوٹے کام والے و کیا پیشہ ور نجیب　　روزی کے آج ہاتھ سے عاجز ہیں سب غریب
ہوتی ہی بیٹھے بیٹھے جب آ شام عنقریب　　اٹھتے ہیں سب دکاں سے کہہ کر کہ یا نصیب
قسمت ہماری ہو گئی بے اختیار بند

کیونکر بھلا نہ مانگئے اس وقت سے پناہ　　محتاج ہو جو پھرنے لگے در بدر سپاہ
یاں تک امیر زادے سپاہی ہوئے تباہ　　جن کے جلو میں چلتے تھے ہاتھی گھوڑے آہ
وہ دوڑتے ہیں اور کے پکڑے شکار بند

ہیں جن سپاہیوں کے نہ بندوق اور سناں　　کنڈے کا ان کے نام نہ چلّے کا ہے نشاں
چاندی کے بند تار تو پیتل کے ہیں کہاں　　لاچار اپنی روزی کا باعث سمجھ کے ہاں
رسّی کے ان میں باندھے ہیں پیادے سوار بند

ایسا سپاہ مرد کا دشمن زمانہ ہے　　روٹی سوار کو ہے نہ گھوڑے کو دانہ ہے
تنخواہ نہ طلب ہے نہ پتیا نہ کھانا ہے　　پیادے دوال بند کا پھر کیا ٹھکانا ہے
در در خراب پھرنے لگے جب نقار بند

جتنے ہیں آج آگرہ میں کارخانجات　　سب پر پڑی ہیں آن کے روزی کی مشکلات

کس کس کے دکھ کو روئیے و کس کی کہیے بات　　روزی کے اب درخت کا ہلتا نہیں ہے پات
ایسی ہوا کچھ آ کے ہوئی ایک بار بند

ہیں باغ جتنے یاں کے سو ایسے پڑے ہیں خوار　　کانٹے کا ان میں نام نہیں پھول درکنار
سوکھے ہوئے کھڑے ہیں درختان میوہ دار　　کیاری میں خاک دھول روش پر پڑی غبار
ایسی خزاں کے ہاتھوں ہوئی ہے بہار بند

دیکھے کوئی چمن تو پڑا ہے اجاڑ سا　　غنچہ نہ پھل نہ پھول نہ سبزہ ہرا بھرا
آواز قمریوں کی نہ بلبل کی ہے صدا　　نہ حوض میں ہے آب نہ پانی ہے نہر کا
چادر پڑی ہے خشک تو ہے آبشار بند

بے وارثی سے آگرہ ایسا ہوا تباہ　　پھوٹی حویلیاں ہیں تو ٹوٹی شہر پناہ
ہوتا ہے باغباں سے ہر اک باغ کا نباہ　　وہ باغ کس طرح نہ لٹے اور نہ اجڑے آہ
جس کا نہ باغباں ہو نہ مالک نہ خار بند

ہے کونسا وہ دل جسے فرسودگی نہیں　　وہ گھر نہیں کہ روزی کی نابودگی نہیں
ہرگز کسی کے حال میں بہبودگی نہیں　　اب آگرہ کے نام کو آسودگی نہیں
کوڑی کے آ کے ایسے ہوئے رہگزار بند

کیوں یارو اس مکاں میں یہ کیسی چلی ہوا　　جو مفلسی سے ہوش کسی کا نہیں بجا
جو ہے سو اس ہوا میں دوانا سا ہو رہا　　سودا ہوا مزاج زمانے کو یا خدا
تو ہے حکیم کھول دے اب اس کا جار بند

ہے میری حق سے اب یہ دُعا شام اور سحر
ہو آگرے کی خلق پہ پھر مہر کی نظر

سب کھاویں پیویں یاد رکھیں بیٹھے اپنے گھر
اس ٹوٹے شہر پر بھی الٰہی تو فضل کر

کھل جاویں ایک بار تو سب کاروبار بند

عاشق کہو اسیر کہو آگرے کا ہے
مُلّا کہو دبیر کہو آگرے کا ہے

مفلس کہو فقیر کہو آگرے کا ہے
شاعر کہو نظیر کہو آگرے کا ہے

اس واسطے یہ اس نے لکھے پانچ چار بند

نظیر

بالخیر

مناظر قدرت

(جلد چہارم)

ضمیمہ

شعرا اور ان کا کلام

استدعا:- ذیل شعرا کے متعلق جو جو حالات دریافت طلب ہیں اگر کوئی صاحب ان سے مطلع فرمائیں گے تو باعث شکر گزاری ہوگا۔

۱- اسمٰعیل مولوی محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم

ولادت سنہ ۱۸۴۴ء وطن میرٹھ وفات سنہ ۱۹۱۷ء مدفن میرٹھ — صفحہ

صفحہ

۵۔ سکسینہ۔ جے دیال سکسینہ صاحب

ولادت　　وطن

۴۔ چاندنی رات - - - - - - - - - - -

۶۔ حالی۔ خواجہ الطاف حسین صاحب مرحوم

ولادت ۱۸۳۷ء وطن پانی پت وفات ۱۹۱۴ء مدفن پانی پت

۴۵۔ مرغی اور اس کے بچے - - - - - - - - -

۵۳۔ پیاری بچی - - - - - - - - - -

۵۹۔ شریف بیبیاں - - - - - - - - - - - -

۶۰۔ غریب ماں - - - - - - - - - - - -

۶۲۔ موچی - - - - - - - - - - - -

۶۳۔ چٹھی رساں - - - - - - - - -

۷۔ سرور جہان آبادی۔ منشی درگا سہائے صاحب آنجہانی

ولادت　　وطن دلی　　وفات　　مدفن

۴۳۔ بھونرے کی بے قراری - - - - - - - - -

۵۱۔ یاد طفلی - - - - - - - - - - - - -

۵۴۔ پدر سنی - - - - - - - - - - - - - -

صفحہ

۱۵۔ گوپال۔ گوپال جی سہائے صاحب

ولادت وطن

۱۶۔ محسن۔ مولوی محمد محسن صاحب مرحوم

ولادت ۱۲۴۲ھ وطن کاکوری وفات ۱۹۰۵ء مدفن مین پوری

۱۷۔ محوی لکھنوی۔ محمد حسین صاحب

ولادت وطن لکھنؤ۔

۱۸۔ مسلم عظیم آبادی۔ محمد مسلم صاحب

ولادت وطن عظیم آباد۔

۱۹۔ ممنون۔ میر نظام الدین صاحب

ولادت وطن دلی وفات مدفن

صفحہ

صفحہ

صفحہ

۲۵ - واقف ۔ واقف بہاری ۔

ولادت وطن

۲۶ : وجاھت ۔ سید وجاہت حسین صاحب

ولادت جھجھانہ

۲۷ - وحید ۔

ولادت وطن وفات مدفن

۲۸ - یاور ۔ مرزا محمد بہادر صاحب

ولادت وطن خیرآباد

۲۹ - ؟

معارف ملّت

قومی نظموں کا یہ مجموعہ چار حصّوں پر مشتمل ہے

قیمت ہر حصہ کی جُداگانہ ہے
فنی شاعری کا یہ خزینہ الگ الگ حصّوں میں انتہائی خوبصورتی سے شائع کیا گیا ہے۔

ملنے کا پتہ

کتب خانہ نذیریہ مسلم منزل کھاری باؤلی دہلی